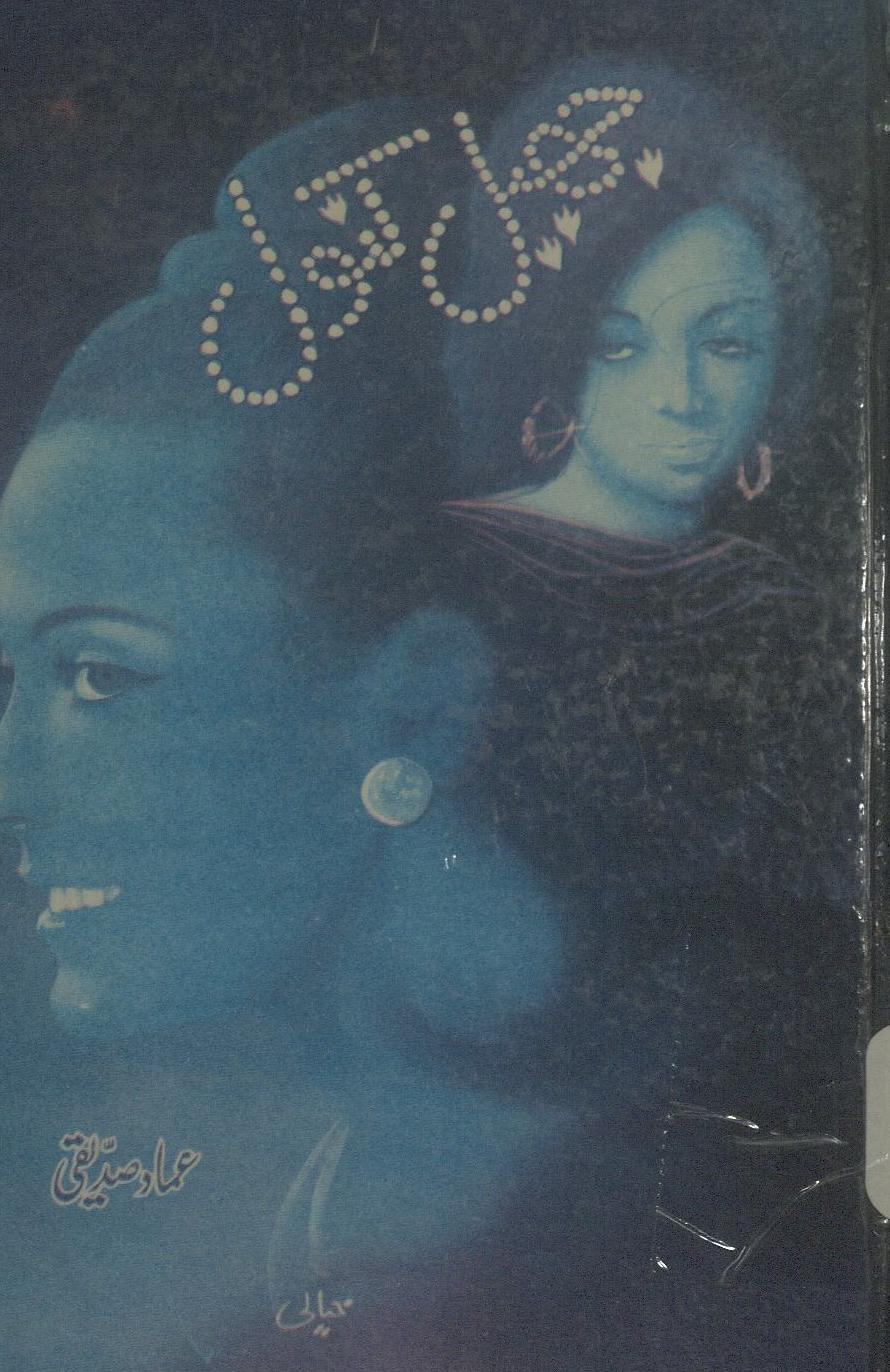


عماد صدیقی

جھیل کنول

ایک خوبصورت ناول

جھیل کنول

عماد صدیقی

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 045611
★ MAILSI ★

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ ، اچھرہ ، لاہور

Rs. 60.00

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

مقامِ اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
۱۹۹- سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/۵۴۰۰۰

کتاب خانہ مسعود جھنڈیر
میلسی (پاکستان)
نمبر شمار ....
کتاب نمبر ....

پیش لفظ

ادب کی شاہراہ پر چلتے چلتے جب کبھی میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو مجھے چند بڑے ذہین اور طباع نوجوان ادیبوں کا ایک گروہ نظر آتا ہے، جو بہت تیز تیز میرے اور میرے رفقاء کے پیچھے چلا آ رہا ہے، ان نوجوان ادیبوں میں سب سے زیادہ نمایاں چہرہ عماد صدیقی کا ہے۔

عماد صدیقی نہ میرے لئے نئے ہیں اور نہ اُردو ادب کے قارئین کے لئے، پچھلے پندرہ بیس سال سے ان کے افسانے پاکستان اور ہندوستان کے مقتدر رسائل و جرائد میں شائع ہو رہے ہیں، میں نے جب پہلی بار ان کا افسانہ کسی رسالے میں پڑھا تو چونک پڑا اور مجھے عماد صدیقی کا نام یاد ہو گیا تھا اور اس کے بعد جب کبھی کسی رسالے میں ان کا کوئی افسانہ شائع ہوا، میں اسے پڑھنے پر مجبور ہو گیا، یہ صحیح ہے کہ عماد صدیقی نے اچھے افسانے بھی لکھے ہیں اور بُرے بھی، لیکن ان کی تحریر سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان میں اچھے افسانے لکھنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ جب عماد صدیقی اپنے ابتدائی دور یعنی مشق کے دور سے باہر نکلے تو انہوں نے کمزور افسانے کم اور اچھے افسانے زیادہ لکھے اور اب وہ اچھے افسانے ہی لکھ رہے ہیں، میری ان کے لئے یہ دُعا

ہے کہ وہ میری طرح کمرشل افسانہ نگار نہ بنیں، بلکہ آج کل جس طرح کسی خاص تاثر، جذبے اور انسپریشن کے تحت وہ لکھ رہے ہیں اسی طرح لکھتے رہیں تب میں یہاں یہ پیش گوئی کر سکتا ہوں کہ وہ اپنے عالم جوانی میں اس برصغیر کے ایک صاحب طرز اور منفرد افسانہ نگار بن جائیں گے۔

عماد صدیقی کی تحریروں سے میری ملاقات بہت پرانی ہے۔ ایک عرصہ بعد جب وہ مجھے لاہور میں ملے تو ان کے چہرے پر مخصوص مسکراہٹ کے علاوہ ان کے ہاتھ میں ایک ناول کا مسودہ بھی تھا اور یہ وہی ناول ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، مجھے ان سے مل کر اس لئے بھی خوشی ہوئی کہ وہ افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ ناول نویس بھی بن چکے تھے۔

ہمارے ادب میں ناول کی صنف کی طرف بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے۔ ناول نگار یعنی اچھے ناول نگار اتنے ہیں کہ محاورہ نہیں بلکہ سچ مچ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، تنقید نگار اور قارئین اپنے لکھنے والوں سے شدت کے ساتھ یہ مطالبہ کرنے لگے کہ ناول لکھو —— لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد ادیبوں پر FRISTRATION کا ایک ایسا دور آیا کہ ادیبوں نے کم لکھنا شروع کر دیا، اسے ان کی تن آسانی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے یا پھر ان کی تن آسانی اختصار نویسی کا سبب بن گئی، بعض ادیبوں نے "موقع سے فائدہ" اٹھانے کی غرض سے ناول لکھنے شروع کئے، لیکن وہ ناول کم اور لمبے افسانے زیادہ ہوا کرتے تھے، ناول کی تکنیک اور ناول کے تقاضوں کا ان میں دور دور تک پتہ نہیں ہوتا تھا۔

میں نے اسی پس منظر کے ساتھ جب عماد صدیقی کا یہ ناول پڑھا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ یہ ناول جدید اُردو ادب کے ان چند ناولوں میں سے ایک ناول ہے جس میں ناول کی تکنیک کا سب سے زیادہ خیال رکھا گیا اور جو پوری طرح ناول کے کم و بیش سارے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

عماد صدیقی نے اس ناول کے لئے جس کہانی کا انتخاب کیا ہے۔ انہیں دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی، وہ اسلامی یا تاریخی موضوعات پر ناول لکھنے والوں کی طرح نہ فلسطین و قرطبہ گئے ہیں اور نہ نورالدین جہانگیر، ان کی انارکلی یا ان کی نورجہاں کے معاشقوں سے استفادہ یا عبرت حاصل کی ہے۔ بلکہ جس طرح آپ اپنے گھر کی کھڑکی کھولتے ہیں اور آپ کو سامنے والے مکان کی کھڑکی میں بے حد خوب صورت نوجوان لڑکی نظر آتی ہے اور جس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اس طرح آپ کو اس لڑکی کی ایک چھوٹی یا لمبی کہانی معلوم ہوتی ہے اسی طرح عماد صدیقی نے اس ناول کے لئے کہانی حاصل کی ہے۔ یہ کہانی ان نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کی کہانی ہے جو افسانہ نگار عماد صدیقی کے ارد گرد رہتے ہیں۔ عماد صدیقی نے انہیں تصور کے دریچے سے دیکھا اور اپنے معاشرے کے مخصوص حالات کے آئینے میں ان کے خدوخال اور ان کے کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ کیا اور پھر ان کے ملاپ، جدائی، کامیابی، ناکامی، حصول، محرومی اتفاقات حادثے، آنسو اور قہقہے سب کو الفاظ کے موتیوں میں ڈھال کر اپنی تحریر کی لڑیوں میں پرو دیا ہے اور یہ انداز پیش کش ہے کہ ہر روز ہماری آنکھوں کے سامنے آوارہ گھومنے والی جانی پہچانی کہانی بالکل نئی نویلی دلہن کی طرح جاذب توجہ

ہو گئی ہے۔

یہ عماد صدیقی کے اسلوب اور طرزِ تحریر کا ایک شگوفہ ہے۔ عماد صدیقی کی تحریر میں رومانیت اور واقعیت نگاری کا ایک بڑا ہی متناسب امتزاج ہے۔ البتہ کہیں کہیں حد درجہ جذباتیت ان کی تحریر میں پہاڑی ندی کی طرح روانی پیدا کر دیتی ہے۔ واقعیت نگاری اسی تحریر میں ٹھہراؤ پیدا کر دیتی ہے اور اس روانی اور ٹھہراؤ دونوں نے مل کر ان کے اسلوب میں ایک نیا پن اور ایک نئی کشش پیدا کر دی ہے۔

میں ناول کے MERITS اور موضوع کے بارے میں اس لئے کچھ نہیں کہوں گا کہ اس کا فیصلہ آپ ہی کریں گے، میں پہلے ہی آپ کے ذہن کو اپنی رائے سے متاثر نہیں کروں گا، البتہ میں عمومی طور پر عماد صدیقی کی تحریر کے بارے میں یہ رائے دے سکتا ہوں کہ ان کی تحریر میں بہت جان ہے، نیا خون ہے، احساس کی شدت ہے اور صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس تحریر کا منبع ایک سلجھے ہوئے دماغ کا صحت مند غور و فکر ہے۔

عماد صدیقی ادب کے ایوان میں اپنا ناول لے کر آئے ہیں، ادب کے ایوان میں تنقیدی ہاتھ اس ناول کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں امید ہے کہ اس ناول کو اچھے ادب کی الماری کے ایک خانے میں اچھے ناولوں کے ساتھ جگہ مل جائے گی، لیکن میری ایک پیش قیاسی ہے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب اچھے ادب کی الماری کا ایک خانہ صرف عماد صدیقی کی کتابوں کے لئے وقف ہو جائے گا۔

ابراہیم جلیس

اشفاق احمد اعلیٰ تعلیم یافتہ، محنتی، دیانتدار تھے، لیکن قسمت اُن کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، وہ ایک عرصہ سے سرکاری ملازمت کر رہے تھے، مگر گھریلو حالات کے سبب اکثر متفکر رہتے تھے، چار پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ کے باوجود مہینے کے آخری دنوں میں انہیں دوست احباب سے قرض لے کر کام چلانا پڑتا تھا۔

گو اُن کا کنبہ مختصر سا تھا، ایک وہ تھے، ایک ان کی بیگم رضیہ اور ایک بچی راشدہ، لیکن روز افزوں گرانی اور بڑھتے ہوئے اخراجات نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ کئی مرتبہ انہیں ترقی کے مواقع ملے، لیکن قسمت کے کھیل۔ کبھی کوئی سفارشی ان سے آگے نکل گیا۔ کبھی کوئی رشوت کے زور پر انہیں پیچھے دھکیل گیا اور کبھی کوئی اپنے عزیز و اقارب کے بل بوتے پر ان پر سبقت لے گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان سے جونیئر ان کے افسر بن چکے تھے، ان سے بہت آگے نکل گئے تھے، رضیہ بیگم ہر حال میں خوش شوہر کا ساتھ دے رہی تھیں، انہیں نہ تو کبھی قدرت کی ستم ظریفی کا شکوہ ہوا اور نہ کبھی وہ اپنی قسمت کی شاکی رہیں، ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نوازے، بندے کو اس کا شکوہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ہر حال میں خدا کا شکر بجا لانے والی یہ نیک دل، نیک سیرت خاتون ہمیشہ اشفاق احمد کی دل جوئی کرتی رہتیں اور انہیں مایوسیوں کے بھنور سے نکال کر امیدوں کے ساحل پر لا کھڑا کرتیں۔

رضیہ بیگم کے سہارے اشفاق احمد زندگی کی گاڑی کو کھینچے جا رہے تھے۔ راشدہ ان کی اکلوتی بچی تھی۔ رضیہ بیگم نے شروع سے راشدہ کی تربیت اس انداز سے کی تھی کہ چھوٹی سی راشدہ میں بڑی بوڑھیوں جیسی سنجیدگی آگئی تھی اور وہ بھی اپنی والدہ کی طرح ہر حال میں مطمئن اپنی تعلیم میں مگن رہتی تھی۔

جس دن راشدہ نے مڈل کا امتحان امتیاز سے پاس کیا، رضیہ بیگم کے گھر میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ناچ رہی تھیں، مدتوں کے بعد اشفاق احمد کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نظر آئی تھی، وہ بھی راشدہ کی کامیابی پر بے حد مسرور دکھائی دے رہے تھے، راشدہ کی کامیابی پر انہوں نے دوستوں سے قرض لے کر سارے محلے میں مٹھائی تقسیم کی۔ راشدہ کو نیا سوٹ بنا کر دیا اور انتہائی مسرت سے رضیہ بیگم کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"بیگم مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہمارے دن پھرنے والے ہیں، قدرت ہم پر مہربان ہوا چاہتی ہے"۔

رضیہ بیگم نے کہا۔

"اللہ تو ہمیشہ اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے، لیکن بندے اس کا شکر ادا نہیں کرتے، اس کی یہی کیا کم مہربانی ہے کہ ہم عزت کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں، وہ لوگ بھی ہیں جنہیں ایک وقت کی روٹی میسّر نہیں،

انسان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ پستی کی طرف دیکھے، تب اُسے قدرت کی عنائیوں کا علم ہوتا ہے، لیکن انسان حرص و ہوس کا پتلا ہے، وہ نیچے دیکھنے کی بجائے اوپر دیکھتا ہے اور اس طرح اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے، جس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے وہ گمراہیوں کے عمیق غار میں جا گرتا ہے۔"

اشفاق احمد رضیہ بیگم کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے، جب رضیہ بیگم نے اپنی بات ختم کی تو وہ قہقہہ لگا کر بولے۔

"بیگم تمہیں تو کسی کالج میں اخلاقیات کا پروفیسر ہونا چاہیئے تھا۔"

رضیہ بیگم شوہر کی بات سن کر مسکرا اٹھیں اور متانت سے بولیں۔

"سرتاج ——— دراصل یہ سب میرے والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ میں ہر حال میں خوش رہتی ہوں، حالانکہ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ میری بھی وسیع و عریض کوٹھی ہو، جس کے دونوں جانب خوبصورت لان ہوں۔ نفیس اور قیمتی فرنیچر ہو، ٹیلی ویژن، فریج، ٹیلی فون، کار، نوکر چاکر غرض کہ وہ تمام آسائشیں ہوں جو دولت مندوں کو نصیب ہیں، لیکن میں جانتی ہوں کہ محض میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہے ——— ہمارا تو کام صرف اتنا ہی ہے کہ ہم ہر حالت میں اس کی اطاعت کریں اور محنت سے جی نہ چرائیں، اگر یہ سب نعمتیں ہمارے نصیب میں ہوں گی تو ہمیں ضرور ملیں گی، ہم اس کی فکر کیوں کریں۔ یہی سوچ کر میں ہر حال میں خوش رہتی ہوں۔"

اشفاق احمد رضیہ بیگم کے اِس طویل لیکچر سے بڑے متاثر دکھائی دے رہے تھے، چنانچہ انہوں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"بیگم تم نے بڑی معقول بات کہی ہے، آج سے ہم بھی تمہارے نقشِ قدم پر چلیں گے، محنت کریں گے اور فیصلہ قدرت پر چھوڑ دیں گے۔ آئندہ تم ہمیں کبھی بھی قسمت کا شاکی نہ پاؤ گی۔"

رضیہ بیگم مسکرا کر کہنے لگیں۔

"جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ خدا اُس کو بھی مایوس نہیں کرتا، اللہ تعالےٰ آپ کو عزت، دولت، شہرت سے نوازے گا، عزت، دولت خدا کی دین بھی ہے اور اس کی آزمائش بھی، جو سب کچھ پا کر بھی اس کو نہیں بھولتا پھر دین اور دنیا کی تمام نعمتیں اس کے قدموں میں ہوتی ہیں۔"

اشفاق احمد اور رضیہ بیگم دیر تک باتیں کرتے رہے، اب انہیں اپنے مستقبل سے زیادہ، راشدہ کی فکر تھی۔ جو تیزی سے جوانی کی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی، اشفاق احمد اپنی اکلوتی بیٹی راشدہ کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے، تاکہ دھن، دولت کی کمی کا ازالہ ہو سکے۔ گو انہوں نے تین چار سال کی عمر میں راشدہ کی منگنی اپنے دوست اسمٰعیل کے لڑکے تحسین سے کر دی تھی، لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اسمٰعیل افریقہ جا کر کاروبار کی بدولت لکھ پتی بن چکا ہے تو وہ اس رشتہ سے مایوس ہو چلے تھے، لکھ پتی باپ کے بیٹے کے لئے ایک غریب باپ کی بیٹی کو پسند کرنا ان کی نظر میں ممکن نہیں تھا، اسی لئے وہ راشدہ کو اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ دولت نہ سہی علم ہی سہی، رضیہ بیگم بھی اشفاق احمد کے خیالات سے متفق تھیں۔

وقت گزرتا گیا اور دن بدن اشفاق احمد کے حالات بہتر ہوتے گئے،

ان کی محنت، دیانتداری اور ثابت قدمی ان کے لئے ترقی کا زینہ ثابت ہوئی اور بہت جلد وہ ایک ذمہ دار عہدے پر فائز ہو گئے۔

اب اُن کے پاس سب کچھ تھا۔ عزت، دولت، شہرت ان کے گھر کی لونڈی تھی، اس کے باوجود رضیہ بیگم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ پہلے سے زیادہ عجز و انکسار کا پیکر نظر آنے لگیں البتہ اشفاق احمد کے طور طریقے آہستہ آہستہ بدلتے جا رہے تھے دفتر کے بعد اب ان کا زیادہ تر وقت کلب میں گزرتا اور پھر گھر پر بھی آئے دن شاندار پارٹیوں کا اہتمام ہوتا رہتا۔

رضیہ بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ لیکن انہوں نے اشارۃً بھی اپنے شوہر سے اس بات کا شکوہ نہیں کیا، وہ شوہر کے معاملات میں مداخلت کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

اسی اثناء میں میٹرک کا نتیجہ نکلا، راشدہ نے پھر امتیازی حیثیت سے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ اس خوشی کے موقعہ پر اشفاق احمد نے اپنی کوٹھی کے وسیع لان میں شاندار ڈنر کا اہتمام کیا تھا۔ بے شمار مہمان خواتین اور مرد موجود تھے، اشفاق احمد نے اس موقعہ پر رضیہ بیگم کو بھی محفل میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ رضیہ بیگم جانتی تھیں کہ ان کے انکار سے اشفاق احمد کو دکھ پہنچے گا اور اشفاق احمد کا دکھ ان کی ساری مسرّتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ چنانچہ رضیہ بیگم نے اشفاق احمد کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، اور زندگی میں پہلی مرتبہ وہ ایک ایسی محفل میں شریک ہوئیں جس میں عورتوں کے دوش بدوش غیر مرد بھی موجود تھے ـــــ اُن کی سادگی، ان کے حسین خدوخال دیکھ کر تمام مہمان حیران رہ گئے۔

مسز سجاد تو رضیہ بیگم کو دیکھ کر جل اُٹھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اشفاق احمد کی بیگم اتنی خوب صورت اور سلیقہ شعار بھی ہو سکتی ہے۔

وہ سمجھتی تھی کہ حسن، جوانی، دلکشی اور سلیقہ شعاری صرف انہی خواتین کا حصہ ہے جو الٹرا ماڈرن ہیں۔

کلبوں میں گھومتی ہیں۔

غیر مردوں کی باہنوں میں باہیں ڈالے رقص کرتی ہیں۔

جب تک ڈنر کا ہنگامہ جاری رہا۔ بار بار مسز سجاد اشفاق احمد سے رضیہ بیگم کی تعریف کرتی رہی۔ مسز سجاد سے بار بار اپنی بیگم کی تعریف سن کر اشفاق احمد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"مسز سجاد کیا بات ہے۔ کہیں رضیہ کو دیکھ کر جل تو نہیں گیئں۔"

مسز سجاد نے کھوکھلا قہقہہ لگا کر کہا۔

"اشفاق صاحب میں کیوں جلنے لگی، لیکن یہ ضرور سوچتی ہوں کہ ایسی خوب صورت بیوی کی موجودگی میں آپ کی مجھ میں دلچسپی محض وقتی ہے۔"

اشفاق احمد نے رازداری کے انداز میں کہا۔

"رضیہ تو بالکل گھریلو عورت ہے اور تم جانِ محفل، ظاہر ہے تم میں اور رضیہ میں نمایاں فرق ہے۔ اور یہی فرق مجھے تم سے قریب کر رہا ہے۔"

مسز سجاد نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"بھئی مردوں کا کیا بھروسہ، کل مجھ سے زیادہ خوب صورت، مجھ سے زیادہ جوان کوئی اور عورت تمہیں نظر آئی تو تم مجھ میں اور اس میں فرق محسوس

کرنے لگو گے۔"

رضیہ بیگم کھانے میں مصروف تھیں لیکن اُن کے کان اشفاق احمد اور مسز سجاد کی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔ انہیں یہ جان کر دلی صدمہ ہوا کہ دولت کے آتے ہی اشفاق احمد کی نظریں بدلنے لگیں۔ اپنے شوہر کو مسز سجاد کے زلف کا اسیر ہوتا دیکھ کر وہ تڑپ اٹھیں لیکن موقعہ کی نزاکت کا احساس کر کے اپنے دلی جذبات کو چھپانے کی کوشش کرتی رہیں۔ انجان بنی مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف رہیں۔ کھانا ختم کرنے کے بعد مسز سجاد نے اشفاق احمد سے کہا۔

"ذرا اپنی بیگم سے تعارف تو کرا دو تاکہ آمد و رفت کی راہیں کھل جائیں۔"

اشفاق احمد مسز سجاد کے ہمراہ رضیہ بیگم کے قریب آئے اور مسز سجاد کا تعارف کراتے ہوئے بولے۔

"رضیہ —— ان سے ملو، یہ ہیں مسز سجاد، میرے مرحوم دوست کی بیگم۔ بڑی ہنس مکھ، زندہ دل اور روشن خیال۔"

رضیہ بیگم بڑی خندہ پیشانی سے مسز سجاد سے ملیں اور دیر تک اس سے باتیں کرتی رہیں۔ اس کی بیوگی پر اظہار افسوس کرتی رہیں۔ مسز سجاد نے کہا۔

"مرنے والے تو مر گئے۔ ہم کب تک ان کا سوگ منائیں۔ کب تک مصنوعی آنسو بہا کر لوگوں پر اپنا غم آشکارا کریں۔ اس دنیا سے سبھی کو جانا ہے۔ مسٹر سجاد گئے کل ہماری باری ہے۔ قدرت نے مہلت دی ہے تو کیوں نہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔"

رضیہ بیگم مسز سجاد کے خیالات جان کر حیران رہ گئیں، جب مسز سجاد رخصت ہونے لگی تو اشفاق احمد اُسے چھوڑنے کے لئے گیٹ تک گئے۔

ڈنر کی یہ رات رضیہ بیگم اور اشفاق احمد کی ازدواجی زندگی میں ایک انجانی کسک چھوڑ گئی۔ رضیہ بیگم نے تھکن کا بہانہ کر کے اپنے کمرے کا رُخ کیا اور اشفاق احمد اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھے۔ رضیہ بیگم رات بھر بستر پر کروٹیں بدل بدل کر آنے والے خطرات کے متعلق سوچتی رہیں

پہلے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اشفاق احمد کو ڈھیل دینے کی بجائے سختی سے ان کا محاسبہ کرے اور انہیں آگے بڑھنے سے قبل روک دے، لیکن پھر یہ سوچ کر اپنا فیصلہ بدل دیا کہ سختی سے اشفاق احمد بغاوت پر نہ اتر آئیں۔ رات بھر غور و فکر کرنے کے بعد رضیہ بیگم نے اشفاق احمد کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کی ٹھان لی۔

لیکن ان کے دل میں جو الاؤ دہک رہا تھا اس کی آگ آہستہ آہستہ ان پر اثر انداز ہوتی رہی۔ پہلے تو وہ معمولی بیمار ہوئیں۔ لیکن جب اشفاق احمد نے اُن کی بیماری پر کوئی نوٹس نہ لیا تو رضیہ بیگم کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔

رضیہ بیگم کی بیماری نے اشفاق احمد اور مسز سجاد کو کھُل کھیلنے کا موقعہ دیا۔ مسز سجاد رضیہ بیگم کی مزاج پُرسی کے بہانے آتی اور گھنٹوں تنہائی میں اشفاق احمد

کی مزاج پُرسی کرتی رہتی۔ راشدہ رضیہ بیگم کی بیماری کی وجہ جان گئی تھی۔ ان کی دلی کیفیت سے آگاہ ہو چکی تھی۔ وہ بھی اپنی مہربان و مشفق ماں پر اشفاق احمد کی زیادتیاں برداشت نہ کر سکی۔ ایک دو مرتبہ اس سلسلے میں اشفاق احمد سے اُلجھ بھی پڑی۔

لیکن اس کا نتیجہ رضیہ بیگم اور راشدہ کے حق میں اور بُرا ہوا جوں جوں رضیہ بیگم کا مرض بڑھتا گیا۔ مسز سجاد کا گھر میں آنا جانا بڑھتا گیا۔

ایک مرتبہ جب مسز سجاد آئی تو اس کے ہمراہ اس کی الٹرا ماڈرن لڑکی یاسمین بھی تھی۔ جو راشدہ اور رضیہ بیگم کو نظر انداز کر کے اشفاق احمد سے باتیں کرتی رہی۔ پھر مسز سجاد اور یاسمین چند دنوں تک اشفاق احمد کی کوٹھی میں رہے۔

مسز سجاد اور یاسمین کا کوٹھی میں قیام کرنا۔ اشفاق احمد سے بے تکلفانہ میل ملاپ رضیہ بیگم کے لئے زہر ثابت ہوا۔ اور ایک رات اُن کی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ بھڑک کر ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، رضیہ بیگم کی جدائی نے راشدہ کو پاگل بنا دیا، اُسے صاف نظر آ رہا تھا کہ ماں کے مرنے کے بعد باپ بھی اولاد کا نہیں ہوتا۔

اشفاق احمد کو اپنی بیگم کے مرنے کا غم تھا۔ لیکن مسز سجاد کی رفاقت کے تصور نے اُن کا غم ہلکا کر دیا۔ اور پھر ایک دن انہوں نے راشدہ سے کہا۔

"بیٹی مجھ سے تمہارا غم دیکھا نہیں جاتا۔ میں نے تمہاری خاطر مسز سجاد سے نکاح کرنے کی درخواست کی تھی۔ میری خوش قسمتی کہ انہوں نے میری درخواست کو قبول کر لیا۔ اب تمہیں نہ صرف ایک ماں کا پیار مل جائے گا بلکہ یاسمین کے روپ میں تمہیں ایک بہن بھی مل جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ تم ایک فرمانبردار بیٹی کی

طرح مسز سجاد کی خدمت کروں گی اور ایک بڑی بہن کی طرح یاسمین سے پیار کروں گی۔"

راشدہ حسرت بھری نظروں سے اپنے والد کو دیکھتی رہی جو مسز سجاد کے دام میں پھنس کر بیوی، بیٹی کو بھلا چکے تھے۔ راشدہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اپنے والد کی بات کا کیا جواب دے، اس نے خاموشی سے گردن جھکا دی اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک کر قالین میں جذب ہو گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس کی ماں زمین کی گود میں سما کر مٹی ہو گئی تھی۔

اشفاق احمد کمرے سے جا چکے تھے اور اب ڈرائنگ روم سے اشفاق احمد اور مسز سجاد کے قہقہوں کی آوازیں اس کے دل پر تیر بن کر لگ رہی تھیں۔ راشدہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسکے قدم آہستہ ہو گئے اور وہ ڈرائنگ روم سے ملحقہ کمرے میں چلی آئی۔ اتفاق سے کمرے کی ایک کھڑکی تھوڑی سی کھلی ہوئی تھی۔ راشدہ لاشعوری طور پر کھڑکی میں سے جھانک کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگی۔

اشفاق احمد مسز سجاد کو اپنی بانہوں میں جکڑے اس کی زلفوں سے کھیل رہے تھے، مسز سجاد ناز و نخرے سے اشفاق احمد کو اپنی محبت کا یقین دلا رہی تھی۔ اشفاق احمد پیار بھرے انداز میں مسز سجاد سے مخاطب ہوئے۔

"آج سے ہم تمہیں مسز سجاد نہیں صرف رانی کہا کریں گے —— رانی —— ہمارے دل کی رانی۔"

مسز سجاد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں۔"

اشفاق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہیں مسٹر سجاد کی روح رقیب بن کر ہماری محبت کے درمیان حائل نہ ہو جائے۔"

مسز سجاد نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ناز سے بولی۔

"رانی — راجہ کی رانی ہمیں یہ نام منظور ہے۔"

"سچ"

اشفاق احمد خوش ہو کر رانی کے اور قریب ہو گئے اور رانی اشفاق احمد کو سچ مچ اپنا راجہ بنانے کے خواب دیکھنے لگی۔

راشدہ وہاں سے ہٹ گئی، اس کی آنکھیں، اس کے کان اشفاق احمد کی بے تکلفی پر حیران تھے۔ جب وہ اپنے کمرے میں بستر پر آگری تو اس کا مستقبل اس کے سامنے کھڑا اُسے آنے والے دنوں سے ڈرا رہا تھا۔

پھر ایک دن راشدہ نے سنا کہ اشفاق احمد نے رانی سے نکاح کر لیا اور اپنی تمام جائیداد رانی کے نام لکھ دی ہے۔ راشدہ خاموش تماشائی کی طرح گھر میں کھیلا جانے والا ناٹک دیکھتی رہی۔ بڑھاپے کا عشق رنگ لایا۔ رانی آہستہ آہستہ اشفاق احمد کے دل و دماغ پر حکومت کرتے کرتے راشدہ پر بھی اپنی حکمرانی کا سکہ بٹھانے لگی۔

سب سے پہلے راشدہ کے کالج جانے پر پابندی لگا دی گئی تاکہ راشدہ گھر میں رہ کر گھر کی دیکھ بھال کر سکے۔ راشدہ نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا۔ لیکن رانی کے آگے نہ تو راشدہ کی کچھ چل سکی اور نہ اشفاق احمد کی زبان کھل سکی۔ راشدہ جانتی تھی کہ اگر اس نے رانی کے حکم کے آگے گردن نہ جھکائی تو گھر جہنم بن جائے گا۔ اس نے رانی کی ادنیٰ کنیز بن کر خدمت کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ اور کالج کو خیرباد کہہ دیا۔

اب راشدہ رانی کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی، گھر کا تمام کام کرتی اس کے باوجود رانی اور یاسمین راشدہ کے خلاف اشفاق احمد کے کان بھرتے رہتے، اور وہ باپ جو رضیہ بیگم کی زندگی میں اُسے لکشمی سمجھتا تھا اس سے کھنچا کھنچا سا

رہنے لگا تھا۔ راشدہ باپ کے اس سلوک سے تڑپ اٹھی، وہ چاہتی تھی کہ باپ کو حقیقت سے آگاہ کر دے لیکن رانی کے خیال سے وہ خاموش ہو رہی۔

رانی نے ہر طرح راشدہ کو تنگ کرنے کے جتن کیے، لیکن راشدہ نے اُف نہ کی۔ رانی اور یاسمین جب اپنی کوششوں میں ناکام رہیں تو پھر راشدہ کو ایک بے ضرر کینز سمجھ کر نظرانداز کر دیا۔

راشدہ نے سکون کا سانس لیا، لیکن وہ اشفاق احمد کی طرف سے بے حد متفکر تھی۔ بے پناہ شراب نوشی سے دن بدن ان کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ لیکن رانی انہیں شراب پینے سے منع کرنے کی بجائے اپنے ہاتھ سے جام بھر بھر کر پلاتی رہی ـــ اور اشفاق احمد اُس کی اس ادا کو محبت کی معراج سمجھ کر ہنستے ہوئے زہر کے گھونٹ بھرتے رہے۔

پھر یکایک اشفاق احمد بیمار ہو گئے، تب انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ اُن کے مرنے کے بعد راشدہ اس دنیا میں تنہا رہ جائے گی۔

بیماری کے دوران رانی کے متعلق ان کی رائے بدل گئی تھی۔ لیکن وہ بے بس و مجبور تھے۔

اسی بیماری کے دوران انہیں سیٹھ اسمٰعیل افریقہ والے کا خط ملا، جس میں انہوں نے پاکستان آ کر راشدہ کو بیاہ کر لے جانے کا ذکر کیا تھا۔ اشفاق احمد نے رانی کو اسمٰعیل کا خط دیتے ہوئے سیٹھ اسماعیل سے اپنے تعلقات پر روشنی ڈالی۔

"اسمٰعیل اور میں بچپن کے دوست ہیں، کبھی اسمٰعیل بھی بہت غریب تھا، غربت، بے روزگاری سے تنگ آ کر افریقہ چلا گیا، کاروبار کرتا رہا، اور پھر

کچھ عرصہ بعد وہ سیٹھ اسماعیل افریقہ والا کہلانے لگا۔ بچپن ہی میں راشدہ کی منگنی اسمٰعیل کے لڑکے تحسین سے کر دی تھی۔ میرا تو خیال تھا کہ دولت آجانے کے بعد سیٹھ اسمٰعیل اپنے غریب دوست کو بھول جائے گا، لیکن اس نے دوستی نبھائی۔ مجھے یاد رکھا، اگر میں اس دنیا میں نہ رہا تو تم باپ بن کر راشدہ کا بیاہ تحسین سے کر دینا، راشدہ کی شادی کے لئے میں نے ۲۵ ہزار روپے بنک میں رکھ چھوڑے ہیں"

اشفاق احمد کی آنکھوں کے آگے موت کے دُھندلے، دُھندلے سائے ناچنے لگے، چہرے پر ایک انجانا خوف چھانے لگا، وہ لڑکھڑائی زبان میں رانی سے دوبارہ مخاطب ہوئے۔

"راشدہ کو اس بات کا احساس نہ ہونے پائے کہ اس کی ماں اور باپ دونوں مر چکے ہیں، راشدہ بڑی صابر لڑکی ہے، بڑی حساس اور خود دار ہے اُسے ذرا سی تکلیف پہنچی تو میری روح بے چین ہو جائے گی"

رانی نے اشفاق احمد کی باتوں سے بوریت محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ تو ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جیسے ابھی مرا چاہتے ہیں"

"بیگم موت کے سائے میری آنکھوں کے سامنے رقصاں ہیں، کب ان کا رقص ختم ہو اور میری زندگی کا دیا بجھ جائے کچھ پتہ نہیں"

رانی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بھئی مجھے موت کے نام سے نفرت ہے، بہتر ہے اگر مرنا ہی ہو تو چپکے سے مر جاؤ، لیکن بار بار میرے سامنے موت کا ذکر نہ کرو"

"رانی ـــــ یہ تم کیا کہہ رہی ہو"

اشفاق احمد نے چیخ کر کہا۔ لیکن رانی جواب دیئے بغیر راجہ کو موت کے فرشتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی، رانی کے اس طرزِ سلوک نے اشفاق احمد کے دل پر اتنا گہرا وار کیا کہ صبح ہوتے ہوتے اشفاق احمد نے موت سے سازباز کرلی اور چپکے سے اس دنیا سے چل بسے۔

اشفاق احمد کی موت پر گھر میں رونے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ رانی اور یاسمین اشفاق احمد کی لاش سے یوں بے تعلق دکھائی دے رہی تھیں جیسے اشفاق احمد مرے نہیں گہری نیند سو رہے ہوں، صرف ایک راشدہ تھی جس کو اشفاق احمد کی موت کا شدید صدمہ تھا، مگر اس کی آنکھوں میں بھی آنسو خشک ہو چکے تھے، وہ رانی کے ڈر سے آنسو نہ بہا سکی۔ گو وہ خاموش تھی لیکن اس کا دل پھٹا جا رہا تھا، اُسے اپنا مستقبل انتہائی بھیانک نظر آ رہا تھا۔

جب اشفاق احمد کا جنازہ گھر سے چلا گیا تو راشدہ اپنے کمرے میں پہنچ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی، آج اس کا کوئی بھی نہ تھا۔ اسے پیار کرنے والی ماں اور باپ دونوں اس سے جدا ہو چکے تھے۔ وہ روتی رہی۔ آنسوؤں سے تکیہ بھیگ چکا تھا، لیکن آنسو تھے کہ تھمنے ہی نہ پاتے تھے، اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب یہ آنسو کبھی نہیں رکیں گے۔ اور وہ زندگی بھر آنسوؤں کے چراغ جلائے زندگی کی تاریک راہوں میں ان شفیق ہستیوں کو تلاش کرتی رہے گی جنہوں نے اُسے جنم دیا تھا۔

اُس کے دکھ سکھ کی خاطر مصیبتیں جھیلی تھیں۔
اُس کے حسین مستقبل کے خواب دیکھے تھے۔

لیکن ان کی زندگیوں نے وفا نہ کی اور راشدہ زندگی کے موڑ پر اپنے والدین سے بچھڑ کر یکہ و تنہا کھڑی تھی۔

زندگی کی کٹھن راہیں اس کے سامنے تھیں۔ لیکن منزل کے نشان مٹ چکے تھے۔ سنگِ میل کا دور دور تک نام و نشان نظر نہ آتا تھا۔

راشدہ سوچتی رہی کہ رانی اور یاسمین کی موجودگی میں اس کی پوزیشن ایک نوکرانی سے زیادہ نہیں، باپ کی موجودگی میں رانی اور یاسمین اس پر ظلم کرتے تھے۔ اب تو یہ رکاوٹ بھی دور ہو چکی تھی۔

راشدہ جاگتی رہی، جاگتے ہوئے اس نے شدت سے اپنی ماں کو یاد کیا، باپ کی جدائی پر آنسو بہائے، جب صبح کی اذان ہونے لگی تو وہ بستر سے اٹھی نماز ادا کر کے خدا کے حضور سر بسجود ہو کر دیر تک دعائیں مانگتی رہی۔

اشفاق احمد کو مرے ہوئے چند مہینے ہی گزرے تھے کہ سیٹھ اسمٰعیل کا اشفاق احمد کے نام ایک اور خط ملا، جس میں انہوں نے تحسین اور راشدہ کی شادی پہ زور دیا تھا اور بہت جلد اپنے پاکستان پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔

سیٹھ اسمٰعیل کے خط نے رانی کو عجیب الجھن میں ڈال دیا، وہ خط کو بار بار پڑھنے کے باوجود کسی نتیجے پر نہیں پہنچی، آخر اس نے اس سلسلے میں اپنے بھائی سرفراز سے مشورہ کرنے کی ٹھان لی۔ سرفراز زمانے بھر کا بگڑا ہوا نوجوان تھا۔ دنیا میں اُسے صرف دولت سے پیار تھا۔

دولت جو اس کے لئے عیش و طرب کے سامان فراہم کرتی تھی،

دولت اُس کی نظر میں خون کے رشتے سے زیادہ اہم تھی۔

دولت اس کے نزدیک خدا کے بعد سب سے زیادہ طاقت ور شے تھی، رانی کے بلاوے پر پہلے تو وہ حیران رہ گیا۔ کیونکہ ایک طویل عرصہ بعد رانی کو سرفراز کی ضرورت پڑی تھی۔

رانی سرفراز کو عموماً اسی وقت یاد کرتی جب اسے کوئی غیر معمولی کام درپیش ہوتا۔ سرفراز پلک جھپکتے رانی کے پاس پہنچ گیا۔ رانی نے سرفراز کو تفصیل سے راشدہ

اور تحسین کے رشتے کے متعلق بتایا اور پھر کہنے لگی۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یاسمین کی شادی سیٹھ اسمٰعیل کے لڑکے تحسین سے ہو گی۔ راشدہ کی شادی ہم کسی غریب آدمی سے فوراً کر دیں گے، سیٹھ اسمٰعیل نے بچپن میں راشدہ کو دیکھا تھا اب انہیں راشدہ کے متعلق کچھ بھی یاد نہ ہو گا۔ ساری عمر افریقہ میں گزاری ہے، ہم جس کو راشدہ کہیں گے وہ تسلیم کر لیں گے۔"

سرفراز خاموشی سے رانی کی باتیں سنتا رہا اور سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہا، جب رانی نے بات ختم کی تو سرفراز بولا۔

"باجی —— یہ قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو، کہیں سوتیلی بیٹی راشدہ پر ظلم کرتے کرتے تم یاسمین کی زندگی میں انگارے نہ بھر دو۔"

رانی اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"خوب سوچ لیا ہے۔ اسی لئے تو میں راشدہ کی شادی یاسمین سے پہلے کر دینا چاہتی ہوں تاکہ مصیبت ٹل جائے۔ تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ تم راشدہ کے لئے کوئی لڑکا تلاش کرو۔"

سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"باجی —— روپے میں بڑی طاقت ہے تم میری جیب بھر دو، میں تمہاری بیٹی کی مانگ میں افشاں بھر دوں گا۔"

رانی نے خوش ہو کر پرس کھولا اور سو سو روپے والے کئی نوٹ سرفراز کو تھما دیئے سرفراز نے نوٹوں کو چوم کر کہا۔

"کل راشدہ کا رشتہ طے ہو جائے گا۔"

رانی نے اشتیاق بھرے انداز میں پوچھا۔
"کیا کوئی لڑکا تمہاری نظروں میں ہے"؟
سرفراز نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"ایک نہیں کئی — اگر تم کہو تو تمہارے لئے بھی کوئی آسامی پھانس دوں، روپے میں بڑی طاقت ہے"۔
"تم میرے متعلق نہ سوچو، صرف راشدہ کی فکر کرو، کل اس کا نکاح ہو جانا چاہیئے۔
سرفراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"اگر تم کہو تو میں آج رات ہی یہ خدمت انجام دے سکتا ہوں، لاہور کا ایک نوجوان آج کل راولپنڈی آیا ہوا ہے۔ وہ شادی کا خواہش مند ہے میں اُسے نوٹوں کی جھلک دکھا کر منا لوں گا۔ آپ تو جانتی ہی ہیں کہ روپے میں بڑی طاقت ہے"۔
سرفراز نوٹوں کو گنتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور رانی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے سرفراز کی صلاحیتوں کا علم تھا۔
سرفراز جس کام کی حامی بھر لیتا، اُسے انجام کو پہنچا کر دم لیتا، سرفراز سے کام لینے کے لئے صرف دولت کی ضرورت تھی کیونکہ بقول سرفراز روپے میں بڑی طاقت ہے۔

اُسی رات سرفراز نے رانی کو یہ خوش خبری سنائی۔

"باجی —— راشدہ کے لئے لڑکا تلاش کر لیا ہے۔ بے چارہ گریجویٹ ہے۔ ملازمت نہ مل سکی تو آج کل ٹیکسی چلاتا ہے۔ میں نے اس سے بات پکّی کر لی ہے۔ کل دو چار آدمیوں کی موجودگی میں راشدہ کا نکاح شریف سے کر دیا جائے گا۔ پھر تم ٹھاٹ سے یاسمین کی شادی کی تیاریاں کرنا، مگر اس موقعہ پر سرفراز کو مت بھولنا کیونکہ جو کام سرفراز انجام دیتا ہے وہ دنیا کا کوئی آدمی نہیں کر سکتا۔ صرف اس بات کا خیال رکھیں۔ روپلے میں بڑی طاقت ہے۔"

سرفراز کے اس انکشاف پر پہلے تو رانی کو حیرت ہوئی، لیکن وہ جانتی تھی کہ سرفراز ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ رانی نے سرفراز کے ہاتھ میں چند نوٹ اور تھما دیئے اور اُسے نکاح کے انتظامات کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔ سرفراز نوٹوں کو چومتا، اور "روپلے میں بڑی طاقت ہے" کہتا ہوا چلا گیا۔

دوسرے دن راشدہ کا شریف سے نکاح ہو گیا۔

راشدہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ حیران رہ گئی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسکی شادی بھی اس کی زندگی کی طرح ایک مذاق بن جائے گا۔

اس کی شادی اس طرح خاموشی سے انجام پائے گی کہ لوگ شادی اور مرگ میں بھی تمیز نہیں کر سکیں گے۔

گڑیا گڈے کی شادی بھی بچے اتنی خاموشی سے نہیں کرتے۔

شادی تو نام ہے ہنگامے کا۔

مسرتوں کی معراج کا۔

لیکن اس کی شادی پر تو ایسی ہی خاموشی تھی۔ جیسی خاموشی اشفاق احمد کے جنازے پر اس نے دیکھی تھی، وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ اشفاق احمد کے بعد اس گھر سے ایک اور جنازہ اٹھ رہا ہے۔ گو دنیا والوں نے اسے شادی کا نام دیا تھا۔

اُسے نہ تو اس شادی کی خوشی تھی اور نہ غم، اس کے باوجود وہ کچھ سکون محسوس کر رہی تھی۔ شادی اُس کے لئے راہِ نجات نظر آ رہی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی اب وہ رانی کے ظلم و ستم سے آزاد ہو جائے گی۔

یاسمین کی کڑوی کسیلی باتوں سے چھٹکارہ پائے گی۔

نوکرانی کے بجائے وہ اپنے گھر کی ملکہ ہو گی۔

جہاں صرف اس کی حکمرانی ہو گی۔

جہاں اس کے ہنسنے رونے پر آزادی ہو گی۔

گو اسے اب تک اس کا علم نہ ہو سکا تھا کہ اس کا رفیقِ زندگی کیسا ہے، کیا کرتا ہے۔ صرف اس کے کانوں میں یہ بھنک پڑی تھی کہ اس کا شوہر پڑھا لکھا ایک جفاکش نوجوان ہے اور بس، اس سے آگے وہ اپنے شوہر، اس کے

گھر والوں کے متعلق کچھ بھی نہ جان سکی، انہی خیالات میں گھری وہ مستقبل کے تانے بانے بننے میں مصروف تھی کہ راشدہ کی رخصتی کا وقت آ گیا۔

رانی نے راشدہ کو رخصت کرتے ہوئے انتہائی محبت سے اُسے گلے لگا لیا۔ پیار کیا اور اس کی جدائی پر چند آنسو بھی بہائے۔

راشدہ کے لئے یہ ایک حیران کن بات تھی، وہ رانی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ آنسو ہمدردی کے ہیں یا دکھاوے کے،

اگر رانی نے ہمدردی اور محبت میں آنسو بہائے تھے تو یہ محبت، یہ ہمدردی کیسی۔ رانی کی آنکھوں میں اس نے پہلی مرتبہ آنسو دیکھے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر اظہار ہمدردی کے الفاظ پہلی مرتبہ مچلے تھے۔

حالانکہ رانی کی آنکھیں آنسوؤں سے اُس وقت بے نیاز تھیں جب اس کا راجہ موت کی آغوش میں سو گیا تھا، اُس کا سہاگ اُجڑ گیا تھا لیکن رانی کی کاجل سے اٹی ہوئی آنکھیں سب کچھ لٹ جانے کے باوجود بھیگ نہ سکی تھیں۔

جس وقت شریف راشدہ کو سہارا دے کر کار کی طرف لے چلا تو راشدہ نے گھر پر حسرت بھری نظر ڈالی اور پھر جذبات سے مغلوب ہو کر رانی کے قدموں میں جھک گئی۔ رانی نے راشدہ کو سینے سے لگا لیا اور دلاسا دیتے ہوئے بولی۔

"راشدہ تمہارے چلے جانے سے یہ گھر سُونا سُونا ہو جائے گا، لیکن میں یہ سوچ کر خوش ہوں کہ تم اپنی دنیا بسانے جا رہی ہو، لڑکیاں ماں باپ

کے گھر دوسروں کی امانت ہوتی ہیں اور میں آج اس امانت کو لوٹا کر خوش ہوں، اپنی خوشیاں دوسرے کی جھولی میں ڈال کر بھی اطمینان محسوس کر رہی ہوں، کیونکہ یہ وقت سب ماں باپ پر آتا ہے۔ ہمارے والدین نے بھی ہمیں پال پوس کر دوسرے کے حوالے کر دیا تھا تم جس گھر میں جا رہی ہو اب صحیح معنوں میں وہی تمہارا گھر ہے اس گھر کے دروازے ہر وقت تم پر کھلے ہیں۔ لیکن تم ہنستے ہوئے اس گھر میں داخل ہونا، شکوہ شکایت کی گٹھڑی لئے آنسو بھری آنکھوں سے اس گھر کا کبھی رُخ نہ کرنا۔"

راشدہ خاموش کھڑی رانی کی نصیحتیں سنتی رہی، جب رانی خاموش ہوئی تو راشدہ نے کہا۔

"یاسمین سے ملاقات نہ ہونے کا مجھے دکھ ہے۔ میری طرف سے یاسمین کو سلام کہہ دیجئے۔"

رانی نے راشدہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹی میں بہت جلد تمہیں خود لینے آؤں گی، یا پھر بلا لوں گی۔"

پھر رانی شریف سے مخاطب ہو کر بولی۔

"راشدہ بڑے باپ کی بیٹی ہے، بڑے ناز و نعم میں پلی ہے۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ میں اُن کا کفن میلا ہونے سے پہلے راشدہ کے ہاتھ پیلے کر دوں، اس کی مانگ میں افشاں بھر دوں۔

میں نے مرحوم سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ راشدہ کا ہر طرح خیال رکھنا اس کا دل میلا نہ کرنا، اور کبھی یہ نہ سمجھنا کہ اس کا باپ مر چکا ہے۔"

شریف نے انتہائی ادب سے کہا۔

"آپ راشدہ کی جانب سے بالکل مطمئن رہیں، میں غریب ضرور ہوں لیکن میں راشدہ کے سکھ کی خاطر بڑے سے بڑا دکھ جھیل لوں گا، اپنی زندگی کو داؤ پر لگاکر ان کے قدموں میں خوشیاں اکٹھی کردوں گا۔

ان کی آنکھوں میں آپ کبھی غم کے آنسو نہیں دیکھیں گی، بلکہ ان کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو جھلملاتے رہیں گے جو موتی سمجھ کر میں محفوظ کرتا رہوں گا۔"

شریف کی باتوں سے رانی کو کتنی خوشی ہوئی اس کا اندازہ راشدہ نہ لگاسکی، البتہ شریف کی آواز، شریف کا اندازِ گفتگو اسے بے حد بھایا، اس نے اندازہ لگایا کہ شریف موجودہ دور کے بے لگام نوجوانوں میں سے نہیں ہے جنہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ جب راشدہ کار میں بیٹھ گئی اور کار کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آگئی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

طویل سفر طے کر کے راشدہ میکے سے سسرال پہنچ گئی۔ نئی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اس کے تاثرات کچھ عجیب سے تھے۔ اس نے ایک نظر ماحول پر ڈالی۔

مختصر سا کمرہ جس کو بیڈ روم بنایا گیا تھا، اس میں ایک پلنگ پڑا تھا، دو کرسیاں رکھی تھیں، ایک چھوٹا سا میز تھا۔ سامنے دیوار میں لگی ہوئی الماری میں شیشہ، کنگھا اور شیونگ کا سامان رکھا تھا۔ ایک کونے میں کچھ پرانے جوتے گرد وغبار سے اٹے پڑے تھے۔ ایک طرف کچھ مردانہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے:

یہ تھی کمرے کی کل کائنات، راشدہ نے کمرے کے در و دیوار پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کمرہ مدتوں سے سفیدی کے لئے ترس رہا ہو۔

کمرے کا جائزہ لینے کے بعد اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جس دنیا میں اُس نے قدم رکھا ہے وہ ایک غریب کی دنیا ہے جہاں مدتوں سے خوشیوں کا گزر نہیں ہوا، ہر طرف غربت و افلاس کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔

وہ گٹھری بنی بیٹھی تھی اور آنے والے دنوں سے نمٹنے کے لئے خود کو تیار

کر رہی تھی۔ قدموں کی چاپ سن کر وہ چونکی اور سنبھل کر بیٹھ گئی، شریف کمرے میں داخل ہوا، اس کے ہمراہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی اور اس کے پیچھے محلے کی چند عورتیں، ادھیڑ عمر عورت نے راشدہ کے قریب پہنچ کر اس کا گھونگھٹ الٹا اور چند لمحوں تک حیران نظروں سے راشدہ کا جائزہ لے کر بولی۔

"شریف میاں —— بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے"۔

شریف نے آگے بڑھ کر عورت کا راشدہ سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"راشدہ یہ خالہ زینت ہیں۔ جو ماں کی طرح میرے دکھ سکھ کا خیال رکھتی ہیں۔ ان کی مہربانی سے میں اپنے دکھ بھول گیا ہوں۔ گو یہ میری رشتہ دار نہیں، اس کے باوجود انہیں میرا اتنا خیال رہتا ہے جو سگی خالہ بھی ہوتی تو میرا اتنا خیال نہ رکھتی"۔

شریف راشدہ کا خالہ زینت سے تعارف کرانے کے بعد کمرے سے نکل گیا تاکہ محلے اور اڑوس پڑوس کی خواتین راشدہ کو جی بھر کر دیکھ سکیں۔

شریف کے کمرے سے نکلتے ہی محلے کی عورتوں نے راشدہ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اور دیر تک شریف کی قسمت پر رشک کرتی رہیں، خالہ زینت تو شریف کا گھر بس جانے سے بے حد خوش تھی۔ جب محلے کی عورتیں چلی گئیں شریف دوبارہ کمرے میں داخل ہوا، خالہ زینت بھی دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

راشدہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، صرف کان شریف کی آواز پر لگے ہوئے تھے —— شریف راشدہ کے چہرے پر نظر گاڑھے کہنے لگا۔

"راشدہ تم بڑے باپ کی بیٹی ہو، ناز و نعم میں پلی ہو اور میں ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور ہوں، اس خوشی کے موقعہ پر میں تمہیں سوائے پیار کے اور

کچھ بھی نہ دے سکوں گا۔"

شریف کہتے کہتے رُک گیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا، راشدہ خاموشی سے شریف کی باتیں سن رہی تھی، اُسے یوں محسوس ہوا جیسے شریف اس کے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہو۔ شریف ٹہلتا ہوا رُک گیا اور راشدہ کے قریب آکر بولا۔

"مجھے اپنی قسمت پر رشک آرہا ہے، قسمت بھی کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہے۔ تمہیں محل سے جھونپڑے میں لا پھینکا اور مجھ غریب کے جھونپڑے میں چاند اتر آیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے رفیقِ سفر بن گئے، یہ کیسے ممکن ہوا، تمہاری امی نے مجھ غریب سے تمہاری شادی کیسے کر دی —— یہ میرے لئے معمہ سے کم نہیں۔"

شریف جذباتی ہو کر بولا۔

"راشدہ مجھ میں کوئی خوبی نہیں، میں گریجویٹ ضرور ہوں، لیکن عزت، دولت کے بغیر تعلیم بھی بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ کوئی بھی مجھے تعلیم یافتہ کہنے کو تیار نہیں۔

میں نے بڑے چاؤ سے بی اے کیا تھا، باپ تو بچپن ہی میں چل بسا تھا، صرف ایک ماں تھی جس نے چار سالہ بچے کو سینے سے لگائے اپنی جوانی بتا دی، مجھے باپ بن کر پالنے کی کوشش کی۔

راشدہ میری ماں بڑی عظیم عورت تھی، تم اس کی عظمت کا تصور نہیں کر سکتیں، اس نے مجھے بڑا آدمی بنانے کے لیے بڑے جتن کئے۔ محنت مزدوری کی، بڑے لوگوں کے برتن مانجھے، راتوں کی نیندیں اجاڑ کر لوگوں کے کپڑے سیتی رہی تاکہ اس کا شریف پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے۔

وہ سوتے جاگتے مجھے بڑا آدمی بنانے کا خواب دیکھتی رہی، دن رات برتن مانجھتے، مزدوری کرتے میری ماں کے نرم و نازک ہاتھ سخت اور کھردرے ہو گئے تھے، جب بھی وہ پیار سے اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھام لیتی تو مجھے شدت سے احساس ہوتا کہ ماں کتنی عظیم ہوتی ہے۔

راشدہ جب مجھے ہوش آیا، میں نے ماں کو دیکھا تو وہ مجھے بڑی ہی پیاری لگی، سرخ و سفید رنگت، بڑی بڑی آنکھیں اور دراز بال، چہرہ پر پاکیزگی ہالہ بنائے ہوئی تھی۔

میری عظیم ماں نے مجھ پر سے اپنی جوانی، اپنا حسن، اپنی خوشیاں نچھاور کر دی تھیں۔ شادی کے چار سال بعد ہی میری ماں بیوہ ہو گئی، صرف چار سال اس نے سکھ کے دیکھے تھے۔

اور پھر تمام عمر خوشیاں اس سے روٹھی رہیں، دنیا والے اُسے دوسری شادی پر مجبور کرتے رہے۔ اگر وہ چاہتی تو دوسری شادی کر کے اپنی مسرتوں بھری دنیا کو دوبارہ آباد کر سکتی تھی۔

لیکن وہ ماں تھی۔

عظیم ماں۔

جس کے پیش نظر اپنی خوشیاں نہیں تھیں، اپنی راحتیں نہیں تھیں وہ تو سب کچھ بھول کر میرے لئے زندہ رہنا چاہتی تھی۔ میں اُس کی امیدوں کا مرکز تھا۔

اس نے اپنی زندگی کے دیئے کا تیل میرے دیئے میں ڈال دیا تھا تاکہ

میں ہمیشہ روشن رہ کہ اُس کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کروں۔ لیکن یہ حسرت اس کے دل ہی میں رہی۔

جب میں نے بی اے کیا تھا تو ماں کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں بہت جلد بڑا افسر لگ جاؤں گا۔ دنیا مجھے جھک جھک کر سلام کرے گی اور ہماری غربت، ہمارے افلاس کے دن ختم ہو جائیں گے۔

اُس بے چاری کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بی اے کی ڈگری تو صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتی ہے۔ کاغذ کے اس ٹکڑے کو آگے چلانے کے لئے نوٹ درکار ہوتے ہیں اور نوٹ میرے پاس نہیں تھے۔

دن گزر رہے تھے اور میری ماں کی امیدیں مایوسیوں کے اندھیرے میں دم توڑتی جا رہی تھیں، ایک دن ایسا آیا کہ حالات سے لڑتے لڑتے وہ بھی اس دنیا سے روٹھ گئی۔

پھر ہر دفتر کے دروازے مجھ پر بند ہو گئے، سڑکوں نے مجھے گود لے لیا۔ نجانے میرے دل میں کیا کیا ارمان تھے۔ میں نے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے۔

لیکن میرے تمام ارمان، میری تمام خواہشیں دنیا والوں نے پیروں تلے رَوند ڈالیں۔ زندہ رہنے کے لئے میں نے بھیک مانگنے، لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے محنت مزدوری کرنے کی ٹھان لی، میرے اندر چھپا ہوا مصنوعی انسان دم توڑ چکا تھا۔ میں شرم و حیا کے مصنوعی خول سے باہر نکل آیا اور پھر ایک ٹیکسی ڈرائیور کا روپ دھار کر اپنے آپ کو حالات کے بے رحم تھپیڑوں سے بچا لیا، دیکھتے ہی دیکھتے میرے پاس اتنا سرمایہ اکٹھا ہو گیا کہ میں اپنی ٹیکسی بنا سکوں،

میں نے اپنی ٹیکسی بنالی۔

راشدہ ہمارا تعلیمی نظام انگریزوں کا بنایا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ تعلیم انسان کو بزدل بنا دیتی ہے، وہ محنت سے جی چراتا ہے جھوٹی شان کو بینے سے لگائے فاقوں مرجاتا ہے۔

لیکن محنت نہیں کرتا، میں نے جھوٹی شان کا لبادہ اتار پھینکا، جس کی وجہ سے آج میں اس قابل ہوں کہ عزت کی زندگی بسر کرسکوں۔"

راشدہ نے پہلی مرتبہ نظر اٹھا کر شریف کو دیکھا تو وہ اُسے بہت بلند نظر آیا، اس نے شرم وحجاب کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے رفیقِ سفر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سرتاج آپ بہت عظیم انسان ہیں، جو محنت کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے، اور جو محنت سے جی نہیں چراتا۔ وہ زندگی میں کبھی بھوکا نہیں مرسکتا، مجھے خوشی ہے کہ میرا شوہر ایک عظیم انسان ہے۔"

اپنی گزری ہوئی زندگی کو ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جائیے دُنیا کی کٹھن راہوں پر میں آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملاکر چلوں گی، منزل بہ منزل ہم زندگی کا سفر طے کریں گے۔"

راشدہ کی لرزتی ہوئی پلکوں پہ آنسو کانپ رہے تھے، راشدہ نے سہاگ رات اپنے رفیقِ سفر کی راہوں میں بچھے ہوئے سارے کانٹے چن کر اس کی راہوں میں پیار کے پھول بکھیر دیئے تھے۔

شریف راشدہ کو پاکر بہت خوش تھا، راشدہ صحیح معنوں میں اس کی رفیقِ سفر ثابت ہوئی، راشدہ کا پُر خلوص تعاون پاکر شریف کے دل میں بھی زندہ رہنے کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی۔

اس نے ایک نئے عزم، ایک نئے حوصلے سے اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کی جدوجہد شروع کر دی۔

راشدہ کی چھوٹی سی دنیا کو جنت بنانے کے لئے شریف دن رات مصروف رہا۔

دن بڑی تیزی سے بھاگے جا رہے تھے، راشدہ اپنی نئی زندگی سے مطمئن تھی، شریف کو پاکر وہ اپنے سارے دکھ درد بھول چکی تھی اور شریف راشدہ کو پاکر اپنی قسمت پر نازاں تھا۔

شریف دن رات اپنی ٹیکسی لئے اِدھر سے اُدھر بھاگتا پھرتا تھا اور جب وہ رات گئے تھکا ماندہ گھر لوٹتا تو راشدہ کو اپنا منتظر پاتا، راشدہ مسکراتی ہوئی اس کا استقبال کرتی، اس کو کپڑے تبدیل کرنے میں مدد دیتی۔ اس کا منہ ہاتھ دھلا کر اُسے اپنے سامنے کھانا کھلاتی۔ شریف دن بھر کی کمائی راشدہ کو تھماتے ہوئے کہتا۔

"راشدہ تم میرا انتظار نہ کیا کرو۔"

"شوہر کا انتظار کتنا پُرلطف ہوتا ہے یہ آپ نہیں جانتے۔"

شریف راشدہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"مجھے بھی تمہارا انتظار رہتا ہے، ہر لمحہ تم ہی نظروں کے سامنے ہوتی ہو، لیکن میں تمہاری جھولی نوٹوں سے بھرنے کے لئے مجبوراً تم سے دور رہتا ہوں۔"

"سرتاج ——— اتنی محنت نہ کیجئے اپنی صحت کا خیال رکھیئے۔"

"راشدہ یہی دن تو کمانے کے ہیں اگر اس عمر میں محنت سے جی چُرایا تو آگے چل کر ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

راشدہ ہنس کر بولی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دن میں آپ کار چلائیں اور رات کے لئے اور ڈرائیور کا انتظام کر لیں۔"

شریف نے راشدہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"تاکہ تمہاری راتیں پُرکیف ہو سکیں۔"

شریف کی بات سن کر راشدہ شرما گئی اور جھینپتے ہوئے بولی۔

"آپ نے تو میری بات کا الٹا مطلب نکالا۔ میں تو آپ کی صحت کے لئے کہہ رہی تھی۔"

شریف قہقہہ لگا کر بولا۔

"دونوں باتوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ لیکن جو لطف مجھے کام کر کے آتا ہے وہ بے کار رہنے میں نہیں۔ اور پھر ڈرائیور سے اس بات کی توقع رکھنا فضول ہے

کہ وہ ہمیں اتنا ہی کما کر لا دے گا جو میں لاتا ہوں۔"

"جیسا آپ بہتر سمجھیں کریں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

راشدہ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

شریف اپنی ازدواجی زندگی کو پُرمسرت بنانے کے لئے دن رات محنت کر رہا تھا، پہلے تو وہ اتنا ہی کماتا تھا جتنی اُسے ضرورت ہوتی تھی، لیکن اب اس نے زیادہ سے زیادہ روپے کمانے کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا، اُس کے ساتھی اُسے لالچی کہہ کر ہنستے، اُس کا مذاق اڑاتے، مگر وہ ان لوگوں کی پروا کئے بغیر دن رات ٹیکسی چلاتا رہتا، ایک لمحہ کے لئے بھی بے کار کھڑا رہنا اُسے گوارا نہیں تھا۔

جب وہ رات گئے تھکا ماندہ گھر لوٹتا تو راشدہ اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار دیکھ کر ناراض ہو جاتی، لیکن شریف اُسے اتنا گدگداتا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس دیتی اور راشدہ کا غصّہ دور ہو جاتا۔

ایک دن حسبِ معمول جب شریف گھر سے نکل رہا تھا۔ راشدہ اُسے خدا حافظ کہنے کے لئے دروازہ تک آئی۔ جب وہ ٹیکسی میں بیٹھنے لگا تو راشدہ نے اُسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"آج ذرا جلدی گھر آنا"۔

شریف نے مسکراتے ہوئے راشدہ کی طرف شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوا پوچھا

"کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں ہسپتال جانا چاہتی ہوں"۔

شریف کے مسکراتے ہوئے چہرے پر سنجیدگی چھاگئی، وہ تیزی سے ٹیکسی سے نکلا اور راشدہ کے قریب پہنچ کر بولا۔

"اگر تم کہو تو میں کام پر نہ جاؤں"۔

"نہیں آپ کام پر جائیں، شام سے پہلے گھر آجائیں، پھر ہم اکٹھے ہسپتال جائیں گے۔ شاید مجھے ہسپتال میں رہ جانا پڑے"۔

راشدہ کے اس جواب نے اور بھی شریف کو پریشان کر دیا۔ شریف نے راشدہ کو دونوں باہوں میں جکڑ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے بیگم تم صاف صاف کیوں نہیں کہتیں۔"
راشدہ نے شرماتے ہوئے کہا۔
"بڑے بے شرم ہو جو میرے منہ سے سننا چاہتے ہو۔"
"کیا؟"
راشدہ نے کہا۔
"ہاں، میں بہت جلد تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"
"بہتر ہے خالہ زینت کو بلا لو میں بھی شام تک لوٹ آؤں گا۔"
"ٹھیک ہے۔"
شریف جاتے ہوئے مڑ کر بولا۔
"آتے ہوئے مٹھائی اور کھلونے لاؤنگا۔"
"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"
"بیگم جلدی تو ہم نے دکھائی ہے۔"
راشدہ نے شرما کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ شریف خوش ہوتے ہوئے بولا۔
"ہم غریبوں کی دولت تو اولاد ہی ہوتی ہے۔"
راشدہ خاموش رہی اور شریف انتہائی موڈ میں سیٹی بجاتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

شریف کے جاتے ہی خالہ زینت آگئی۔ وہ بھی ننھے منے فرد کے آنے کی خبر سن کر پھولی نہیں سمائی۔ خالہ زینت گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی اور راشدہ بستر پر لیٹی ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق سوچتی رہی، وہ یہ سوچ

کہ خوش تھی کہ قسمت نے اُسے شریف جیسا شوہر دیا ہے۔ جو اُس کے لئے فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ ورنہ رانی نے تو اُسے جہنم میں جھونکنے کا پروگرام بنایا تھا۔ سوتیلی ماں ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا تھا، اُسے بار سمجھ کر شریف کے پلے باندھ دیا تھا۔

شریف دن بھر ٹیکسی چلاتا رہا، لیکن آج اُسے نہ تو سواریوں کی فکر تھی اور نہ روپے کمانے کی دُھن، وہ جلد از جلد گھر لوٹ جانا چاہتا تھا۔ دن بھر اُسے راشدہ کا خیال ستاتا رہا۔

راشدہ جو اس کی زندگی تھی۔

راشدہ جو اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔

راشدہ جس کے آتے ہی اس کی زندگی میں بہار آگئی تھی۔

راشدہ جو اس کے دُکھ سُکھ کی ساتھی تھی۔

شام ہوتے ہی وہ تمام سواریوں کو نظرانداز کر کے چل دیا۔ راستہ بھر وہ ننھے منے بچے کے تصوّر میں کھویا رہا۔ جب اس کی ٹیکسی گھر کے سامنے پہنچی تو وہ ایک ہی جست میں باہر نکلا، گھر پر تالا دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

پڑوسیوں نے بتایا کہ راشدہ خالہ زینت کے ساتھ ہسپتال گئی ہے۔ شریف ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہسپتال کی طرف چل دیا۔ ہسپتال پہنچ کر وہ مختلف وارڈ سے گزرتا ہوا اُس وارڈ میں پہنچا جہاں راشدہ داخل تھی سامنے سے نرس کو آتا دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"سسٹر یہاں کوئی راشدہ نامی عورت داخل ہوئی ہے؟"

نرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں — اس کے بچہ ہونے والا ہے"۔

"کتنی دیر ہے"۔

شریف کے اس سوال پر نرس مسکرا اٹھی اور اس کی بے تابی سے لطف اندوز ہوتی ہوئی بولی۔

"کیا آپ کو بہت جلدی ہے"۔

شریف اپنی خفت مٹاتے ہوئے بولا۔

"میں راشدہ کا شوہر ہوں"۔

نرس ہنس کر آگے بڑھ گئی اور شریف ہسپتال کے برآمدے میں بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد نرس نے آکر کہا۔

"آپ اپنے بچے کو دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی بیگم سے مل سکتے ہیں"۔

"شکریہ سسٹر"۔

شریف نرس کا شکریہ ادا کر کے تیزی سے وارڈ میں داخل ہوا، راشدہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے پہلو میں رکھے ہوئے جھولے میں ننھا منا بچہ ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ شریف نے بے اختیار بچہ کو گود میں اٹھا لیا اور وارڈ میں موجود عورتوں، مردوں کو نظر انداز کرتا ہوا بچے کو پیار کرنے لگا۔

راشدہ شریف کو دیکھ کر مسکرانے لگی، شریف جب بچے کو خوب پیار کر چکا تو اُسے اس بات کا احساس ہوا کہ لوگ اس کی دیوانگی پر مسکرا رہے ہیں شریف نے بچے کو جھولے میں لٹا دیا اور راشدہ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے بیگم"۔

راشدہ نے جواب دینے کی بجائے شرم سے منہ دوسری طرف کر لیا۔
ہسپتال کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ شریف راشدہ کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا۔ نرس نے آکر اس بات کا احساس دلایا کہ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے، شریف نے خالہ زینت کو روپے تھماتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو منگوا لینا، میں صبح آؤں گا۔"

شریف ہسپتال سے نکل کر ٹیکسی میں آبیٹھا اور بے مقصد اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ آج وہ ضرورت سے زیادہ خوش تھا۔"

گھر پر اس کا انتظار کرنے والا کوئی نہ تھا، اُس نے لاشعوری طور پر ایک سینما کے سامنے ٹیکسی کھڑی کر دی اور ٹکٹ لے کر سینما ہال میں جا بیٹھا، فلم ختم ہونے کے بعد اس نے ہوٹل میں کھانا کھایا اور پھر رات گئے تک سواریاں اٹھاتا رہا۔

آدھی رات کو جب وہ گھر پہنچا تو اُسے آج گھر سونا سونا دکھائی دیا۔ لباس تبدیل کئے بغیر وہ بستر میں جا گھسا اور پھر رات بھر حسین خواب دیکھتا رہا، خواب ہی میں وہ بچے کے ساتھ کھیلتا رہا، اس کے سامنے کھلونوں کے ڈھیر لگاتا رہا، بچے کی خاطر راشدہ سے لڑتا رہا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ رات دیکھے ہوئے خواب پر دل ہی دل میں مسکرانے لگا، بچے کے نام کے متعلق دیر تک سوچتا رہا، بچہ اس کی توقعات سے زیادہ خوب صورت تھا، شریف نے بچے کا نام تشکیل رکھا اور اپنے فیصلے پر ہنس دیا۔

سیٹھ اسمٰعیل افریقہ والا رانی سے کہہ رہے تھے۔

"بھابی مجھے اشفاق احمد کی موت کا دُکھ ہے، کاش وہ زندہ ہوتے اور میں اپنے بچپن کے دوست سے ملتا، ہم دونوں نے ایک ساتھ افلاس کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں۔ خدا نے اشفاق کو بھی اپنی رحمتوں سے نوازا، اور مجھے بھی۔ لیکن اشفاق کو بیٹی کی خوشیاں دیکھنی نصیب نہیں ہوئیں۔"

رانی افسردہ لہجے میں بولی۔

"بھائی جان، یہی دُکھ تو مجھے بھی ہے اب تو آپ ہی یاسمین کے باپ ہیں۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا میں اپنی بیٹی کے لئے کروں گی۔ یاسمین کے سوا میرا اس دُنیا میں کون ہے۔"

"بھابی آپ فکر نہ کریں، خدا نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ صرف مجھے دوست کی بیٹی چاہیئے تاکہ میں اپنا وعدہ نبھا کر دوست کی روح سے سرخرو ہو سکوں۔"

سیٹھ اسمٰعیل کی باتیں سن کر رانی کے دل میں مسرتوں کے کنول کھل گئے اس نے اپنے دلی جذبات کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"یاسمین آپ ہی کی بیٹی ہے۔ مجھ سے زیادہ آپ کا حق ہے۔"

سیٹھ اسمعیل اور رانی باتیں کرنے میں مصروف تھے کہ ڈرائنگ روم میں سرفراز داخل ہوا۔ سرفراز کو دیکھ کر رانی گھبرا گئی، لیکن اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے سرفراز کا سیٹھ سے تعارف کرا دیا۔

سرفراز تپاک سے سیٹھ اسمعیل سے ملا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"سیٹھ صاحب — باجی آپ ہی کی منتظر تھیں تاکہ آپ کی امانت آپ کے حوالے کر کے اللہ اللہ کرتی رہیں"۔

سیٹھ اسمعیل کہنے لگے۔

"ہاں میاں ہم بھی تو اسی اُمید پر افریقہ سے یہاں پہنچے ہیں۔ تحسین کے لئے وہاں بھی ایک سے ایک اچھا رشتہ ملتا تھا۔ لیکن زبان بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے"۔

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں، جس کی زبان نہیں وہ انسان ہی نہیں - لیکن ہر شخص یہ بات نہیں سمجھتا، زبان سے زیادہ اس کی نظریں دولت پر ہوتی ہیں، کیونکہ روپے میں بڑی طاقت ہے"۔

اپنا جملہ مکمل کر کے سرفراز نے مسکراتے ہوئے رانی کی طرف دیکھا جو خونخوار نظروں سے سرفراز کو دیکھ رہی تھی، سرفراز نے رانی کی کھا جانے والی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر سیٹھ کو مخاطب کیا۔

"شادی کے بعد کیا تحسین میاں پاکستان میں رہیں گے یا آپ انہیں بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے"۔

فی الحال ہمارا پاکستان میں رُکنا مشکل ہے۔ شادی کے فوراً بعد ہم افریقہ لوٹ جائیں گے۔ میرا ارادہ پاکستان منتقل ہونے کا ہے وطن کی مٹی میں

دفن ہونا چاہتا ہوں، لیکن کاروبار کو یکایک بند کر کے پاکستان نہیں آ سکتا۔ ویسے تحسین اور اُس کی دلہن جب چاہیں پاکستان آ سکتے ہیں۔"

"روپے میں بڑی طاقت ہے سیٹھ صاحب، مال جیب میں ہو تو انسان چند گھنٹوں میں دُنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ سکتا ہے۔"

سرفراز نے رانی کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"باجی ——— راشدہ اور تحسین کی شادی کا کب تک ارادہ ہے۔"

سرفراز کے اس سوال پر رانی اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ افشائے راز کے خوف سے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، سرفراز رانی کے چہرے کا رنگ بدلتا دیکھ کر بولا۔

"غالباً آپ انتظامات کے متعلق فکر مند ہیں۔ روپے میں بڑی طاقت ہے آپ مجھ پر چھوڑ دیں، یاسمین اور تحسین کی شادی کے انتظامات میں کروں گا، سیٹھ صاحب بھی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے اور پھر آپ کو بھی کوئی خطرہ نہیں رہے گا کیا خیال ہے۔"

سیٹھ اسماعیل سرفراز کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے بولے۔

"بھابی سرفراز میاں کی تجویز معقول ہے۔ نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیئے۔ میرا تو خیال ہے کہ کل ہی یہ کام انجام پا جائے تو اچھا ہے۔ تاکہ ہم دونوں اطمینان کا سانس لے سکیں۔"

سرفراز نے پھر رانی کو چونکا دیا۔

"سیٹھ صاحب ——— شادی ہو جائے تو بھی نہیں قلبی سکون نصیب

نہیں ہوگا۔"

رانی اور سیٹھ دونوں چونک اُٹھے۔ اُس سے پہلے کہ رانی سرفراز کو خاموش رہنے کا مشورہ دیتی سیٹھ پوچھ بیٹھے۔

"بھابی کو قلبی سکون کیوں نصیب نہیں ہوگا"

سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماں جو ٹھہریں —— یاسمین اُن کی نظروں سے دور ہوجائے گی، ہزاروں میل دور، وطن کی بات کچھ اور ہوتی ہے، جب چاہا بیٹی کو بلا لیا یا خود ہو آئیں۔"

رانی نے اطمینان کا سانس لیا۔ سیٹھ نے سرفراز کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو میاں، بیٹی ماں کی نظروں سے دور چلی جائے تو اس کا سکون چھن جاتا ہے۔"

سرفراز اٹھتے ہوئے بولا۔

"تو باجی پھر یہ طے ہے نا کہ کل ہی یاسمین اور تحسین کا نکاح ہوجائے، آپ رقم مجھے تھمائیں، سارے انتظامات مکمل سمجھئے، روپے میں بڑی طاقت ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے بھی مسکراتے ہوئے سرفراز کے تکیہ کلام کو دہرایا۔

"میاں سرفراز تم ٹھیک کہتے ہو، روپے میں بڑی طاقت ہے۔ جو ممکن کو ناممکن اور ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل ہنسنے لگے، سرفراز نے رانی کی طرف دیکھا اور وہ دوڑی ہوئی اپنے کمرے میں گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سو سو روپے کے کئی نوٹ

تھے۔ سرفراز نے ہاتھ بڑھا کر نوٹ رانی سے لے لیے اور نوٹوں کو چوم کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے سیٹھ سے بولا۔

"سیٹھ صاحب روپے میں بڑی طاقت ہے۔ کل آپ دیکھیں گے کہ میں ناممکن کو ممکن کس طرح بناتا ہوں۔"

سیٹھ اسمٰعیل قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے، سرفراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے اجازت دیجیے سیٹھ صاحب میرا کام ختم ہو گیا۔"

سیٹھ نے تپاک سے سرفراز سے ہاتھ ملایا، سرفراز دیکھتے ہی دیکھتے ڈرائنگ روم سے نکل گیا، رانی کے چہرے پر خوف سے پسینہ آ گیا تھا، سرفراز کے جاتے ہی اس نے رومال سے پسینہ خشک کیا اور دل ہی دل میں بلا ٹل جانے پر خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ سیٹھ اسمٰعیل دیر تک اپنے وسیع کاروبار کے متعلق رانی کو بتاتے رہے، تحسین کی محنت، انتظامی قابلیت کی تعریف کرتے رہے، رانی بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی، جب سیٹھ اسمٰعیل جانے کے لیے اٹھے تو رانی انہیں کار تک چھوڑنے گئی۔

جب رانی اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو یاسمین دوڑتی ہوئی آ کر رانی سے لپٹ گئی، رانی پیار سے یاسمین کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"بے بی مجھے سرفراز سے ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے، تحسین سے تمہاری شادی ہو جانے کے باوجود خطرہ سر پہ منڈلاتا رہے گا۔"

"انہیں تو صرف روپیہ چاہیے ممی، روپے میں بڑی طاقت ہے، روپے سے آپ انکل کا منہ بند کر سکتی ہیں۔"

رانی نے متفکر انداز میں کہا۔

"بے بی تم اپنے انکل کو نہیں جانتیں، وہ بڑا لالچی انسان ہے۔ ہو سکتا ہے شادی کے بعد وہ تمہیں بھی بلیک میل کرے۔"

"ممی ایک بار شادی ہو جانے دیجئے، پھر آپ دیکھیں گی کہ تحسین میری مٹھی میں ہو گا۔ میرے اشاروں پر ناچے گا۔ اگر انکل نے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تو میں انہیں ایک ہی مرتبہ اتنا کچھ دے دوں گی کہ پھر وہ دوبارہ میرے گھر کا رُخ نہ کر سکیں، آخر بوڑھے کی اتنی دولت کس کام آئے گی۔"

دوسرے دن صبح ہی سے یاسمین کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہونے لگیں، نوکر بھاگ بھاگ کر کام کر رہے تھے، رانی آج بے حد مسرور دکھائی دے رہی تھی، یاسمین دلہن ہونے کے باوجود ہر کام کی خود نگرانی کر رہی تھی۔ رانی نے نوکروں کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"کوٹھی کی آرائش میں کوئی کمی نہ رہ جائے، یہ میری لاڈلی یاسمین کی شادی ہے راشدہ کی نہیں۔"

نوکر تعجب سے رانی کی صورت دیکھتے ہی رہ گئے، جوں جوں تقریب کا وقت قریب آتا جا رہا تھا رانی نوکروں پر برس رہی تھی۔ تقریب کے انتظامات تمام کے تمام سرفراز کے ذمہ تھے اور اس نے بڑی خوبی سے وقت کی کمی کے باوجود تمام انتظامات مکمل کر دیئے تھے۔ کوٹھی کے وسیع لان میں خوبصورت شامیانے لگے تھے۔ ایک میں پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اور دوسرے شامیانے تلے مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا، درمیان میں دلہا کے بیٹھنے کے لئے تخت پوش بچھایا گیا تھا جس پر قیمتی قالین گاؤ تکیئے رکھے تھے اور اس تخت پوش کے چاروں طرف بجلی کے چھوٹے چھوٹے قمقمے

عجیب بہار دکھا رہے تھے۔

یوں تو پوری کوٹھی رنگا رنگ قمقموں سے جگمگا رہی تھی، لیکن مین گیٹ سے شامیانوں تک کا درمیانی راستہ اس انداز سے سجایا گیا تھا کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا تھا۔

ابھی مہمانوں کے آنے میں دیر تھی۔ رانی نے تقریب کے انتظامات پر ایک نظر ڈال کر مسرت بھرے انداز میں سرفراز سے کہا۔

"بھیّا تم نے تو کمال کر دیا۔ میں تو ڈر رہی تھی کہ اتنے سارے انتظامات کیونکر ہو سکیں گے۔"

سرفراز نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"روپے میں بڑی طاقت ہے، یہ ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔"

پھر رانی کے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"اب تو خوش ہو نا، یاسمین تحسین سے بیاہی جا رہی ہے اور....."

رانی نے بات کاٹتے ہوئے کہا

"تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔"

اس سے قبل کہ سرفراز کچھ کہے رانی تیزی سے آگے بڑھ گئی، سرفراز کے قہقہے اس کا پیچھا کرتے رہے۔

آہستہ آہستہ مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ رانی اور سرفراز مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔

کوٹھی کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں یاسمین دلہن بنی سہیلیوں میں

گھری بیٹھی تھی۔ کچھ سہیلیاں ڈھولک پر خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔ کچھ رقص و سرود میں مصروف تھیں۔ نوخیز جوانیاں مچل رہی تھیں۔ ان میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سبھی لڑکیاں تھیں۔

شادی شدہ لڑکیاں مزے لے لے کر شادی کے بعد کی رومانی زندگی کا ذکر کر رہی تھیں، سہاگ رات کی چھیڑ چھاڑ پر اپنے تجربات بیان کر رہی تھیں۔

غیر شادی شدہ لڑکیاں اس گفتگو سے کچھ بیزار سی دکھائی دے رہی تھیں جیسے انہیں ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ باتیں کوئی نئی نہیں، وہ سب ان سے واقف ہیں۔

جیسے ہی بارات کوٹھی کے مین گیٹ پر پہنچی لڑکیاں بارات دیکھنے کے لئے کھڑکیوں کی طرف لپکیں، یاسمین کی ایک سہیلی نے یاسمین کو کھینچتے ہوئے کہا۔

"اری تو یہاں اکیلی بیٹھی کیا کرے گی، چل نے ایک نظر دولہا کو دیکھ لے۔"

یاسمین کا دل تو یہی چاہتا تھا، وہ ان دقیانوسی دلہنوں میں سے نہیں تھی جو شرم و حیا کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی ہیں۔ یاسمین بھی اپنی سہیلی کے ساتھ کھڑکی میں کھڑی بارات کے استقبال کا نظارہ کرتی رہی۔

تحسین کو دیکھنے کے بڑے جتن کئے لیکن تحسین سہرے اور بے پناہ پھولوں کے انبار میں چھپا ہوا تھا، جب باراتی کاروں سے اتر کر شامیانے میں چلے گئے تو شوخ و چنچل جوانیاں دوبارہ یاسمین کے گرد جمع ہو گئیں۔ مسرتوں سے بھرپور قہقہے ابھرتے رہے، شوخیاں بکھرتی رہیں۔

نکاح کی رسم ادا ہوئی، سیٹھ اسماعیل افریقہ والا نے ۵ لاکھ روپے مہر

اور کراچی کی کوٹھی دلہن کے نام لکھ دی۔

مبارک باد کا شور اُٹھا، ہر شخص رانی اور یاسمین کی قسمت پر رشک کر رہا تھا، ان میں سرفراز سرِ فہرست تھا۔ رانی کو مبارک باد دیتے ہوئے سرفراز نے اس کے کان میں کہا۔

”سونے کی چڑیا پھنس چکی ہے، مجھے نہ بھولنے۔

رانی نے غصہ سے سرفراز کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔ سرفراز مسکراتا رہا۔

سیٹھ اسمعیل نے بہو کے لئے جو زیورات اور کپڑے پیش کئے تھے مہمانوں نے اُسے بے حد پسند کیا، زیورات اور کپڑوں سے ان کی امارت کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔

جب سے راشدہ کا بیاہ ہوا تھا۔ رانی نے جھوٹے منہ بھی اُسے نہیں پوچھا تھا، راشدہ روزانہ رانی کے خط کا انتظار کرتی اور جب ڈاک کا وقت گزر جاتا تو مایوس ہو کر دوسرے دن کا انتظار کرنے لگتی۔

راشدہ کو رخصت کرتے ہوئے رانی نے اُسے تسلی دی تھی کہ وہ بہت جلد اُسے بلالے گی، لیکن ایک سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود رانی نے راشدہ کی خبر نہ لی تو اُسے شدت سے اس بات کا احساس ستانے لگا کہ رانی اس کی سوتیلی ماں ہے اور سوتیلی ماں سے اس کی وابستہ امیدیں کبھی پوری نہیں ہوں گی۔

ان لمحات میں اُسے اپنی امی یاد آگئیں۔ اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو اُسے یوں مایوسی سے دوچار ہونا نہ پڑتا۔ راشدہ اپنی امی کو یاد کر کے رونے لگی، اُس کی آنکھیں شدت جذبات سے امڈ آئیں اور وہ دیر تک روتی رہی۔

جب شریف گھر میں داخل ہوا تو راشدہ کو کمرے میں اداس لیٹے دیکھ کر اُس کی دل جوئی کرنے لگا، اداسی کی وجہ جان کر شریف بولا۔

"بیگم اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے امی نے تمہیں

خط لکھا ہو اور وہ ہم تک نہیں پہنچا، تم خط لکھ کر اُن کی خیریت معلوم کرو، اور اگر تم جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں راولپنڈی چھوڑ آؤں گا۔"

راشدہ اپنے مہربان و ہمدرد شوہر کو دیکھ کر بولی۔

"سرتاج — مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امی نے مجھے بھلا دیا ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ خود مجھے لینے آئیں گی، یا پھر مجھے بلا لیں گی۔ لیکن ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا، نہ وہ آئیں اور نہ کوئی خط لکھا۔"

شریف نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"اگر ہفتہ پندرہ دن تک خط کا جواب نہ آیا تو ہم خود امی کے پاس چلیں گے۔"

راشدہ شریف کی تسلی آمیز باتوں سے مطمئن ہو کر بستر سے اٹھی، شریف کے لئے کھانا تیار کیا اور شریف کے سامنے میز پر لا کر رکھ دیا۔ شریف نے زبردستی، مجبور کر کے راشدہ کو بھی کھانا کھلایا اور پھر اُس کا دل بہلانے کے لئے اُسے ساتھ لے کر فلم پر چلا گیا۔ فلم المیہ تھی۔ فلم دیکھ کر راشدہ اور بھی اداس ہو گئی۔ شریف اس کی اُداسی دور کرنے کے لئے رات گئے تک اُسے گھماتا رہا رات گئے جب راشدہ اور شریف گھر لوٹے خالہ زینت شکیل کو گود میں لئے سو رہی تھی۔

راشدہ شکیل کو اُٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی، کپڑے تبدیل کر کے بستر پر کروٹیں بدلتی رہی، شریف راشدہ کی بے چینی کو جانتا تھا۔ مگر مجبور تھا۔

شادی کے بعد چند دن یاسمین اپنی ماں کے پاس رہی۔ تحسین یاسمین کی توقعات سے بڑھ کر اچھا شوہر ثابت ہوا۔ شادی کے بعد یاسمین کا اصرار تھا کہ ہنی مون منانے سوئیزرلینڈ جایا جائے، لیکن تحسین نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ ڈیڈی جلد از جلد واپس جانا چاہتے ہیں۔ ان کی دل شکنی اچھی نہیں۔

سیٹھ اسمٰعیل نے تحسین کو رختِ سفر باندھنے کا حکم دے دیا تھا۔ تحسین افریقہ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، رانی کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ یاسمین کو اپنی نظروں سے دور کر دے، لیکن یاسمین کے درخشاں مستقبل کی خاطر رانی نے سیٹھ اسمٰعیل کے فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔

جس دن یاسمین افریقہ جانے والی تھی کوٹھی میں ایک ہنگامہ تھا۔ رانی یاسمین اور تحسین کو الوداع کہنے ایئرپورٹ تک گئی۔ سیٹھ اسمٰعیل نے رانی کی آنکھوں میں ممتا کے آنسو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھابی مجھے اس بات کا احساس ہے کہ یاسمین کی جدائی آپ پر بار گزر رہی ہے، لیکن آپ مطمئن رہیں۔ میں یاسمین کا اپنی اولاد سے زیادہ خیال رکھوں گا، ان کی خوشیاں ہمیشہ میرے پیشِ نظر رہیں گی، ان کے سوا میرا اس

دنیا میں اور کون ہے۔ جیسے ہی حالات اجازت دیں گے میں اپنا تمام کاروبار سمیٹ کر پاکستان چلا آؤں گا۔ ہو سکتا ہے تحسین اور یاسمین اس سے پہلے یہاں آجائیں۔"

رانی نے تشکر آمیز نظروں سے سیٹھ اسمٰعیل کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بھائی جان اب یاسمین اور تحسین میرے لئے درد نہیں، ان بچوں کی یاد مجھے بے چین رکھے گی۔ کوشش کیجئے کہ جلد ہم سب اکٹھے ہو جائیں اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے رانی کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے خود اس بات کا احساس ہے۔ لیکن فوری طور پر میں ایسا نہیں کر سکتا، آہستہ آہستہ کاروبار سمیٹنا پڑے گا۔"

طیارے کا انجن سٹارٹ ہوا، مسافر طیارے کی طرف جانے لگے، رانی نے یاسمین کو گلے سے لگالیا اور پھر اُسے سیٹھ اسماعیل اور تحسین سے ذرا پرے لے جا کر بولی۔

"بھول کر بھی راشدہ کا ذکر نہ کرنا، ہر لمحہ سیٹھ اور تحسین کے دل جیتنے کی کوشش کرنا، میں نے تمہارے مستقبل کے لئے اپنے آپ کو داؤ پر لگا دیا ہے، تمہارے جانے کے بعد میں سرفراز اور راشدہ سے نمٹ لوں گی، راشدہ تو اب میرے راستے کا کانٹا نہیں بن سکتی، البتہ سرفراز سے مجھے ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔"

یاسمین نے رانی کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"ممی آپ فکر نہ کریں، تحسین تو پہلے دن ہی سے میری مٹھی میں ہے۔ رہا بوڑھے سیٹھ کا سوال تو اُس کو بھی شیشے میں اتارنے کی کوشش کروں گی، آخر بیٹی تو آپ ہی کی ہوں"۔

"مجھے تم سے یہی امید ہے، لیکن خطرے کا احساس مجھے چین نہیں لینے دے گا ہر وقت تمہاری وجہ سے دل دھڑکتا رہے گا، تم تحسین اور سیٹھ کے دل و دماغ پر اس طرح چھا جاؤ کہ اگر کبھی یہ راز فاش بھی ہو جائے تو اس کا اثر تم پر نہ پڑ سکے"

رانی سنجانے یاسمین کو اور کتنی نصیحتیں کرتی، کتنے داؤ پیچ بتاتی ایئرپورٹ سے مسافروں کو طیارے میں پہنچنے کی ہدایات سن کر یاسمین رانی سے جدا ہوئی اور تحسین کے ساتھ طیارے کی طرف بڑھی، سیٹھ اسماعیل پہلے ہی طیارے میں سوار ہو چکے تھے۔ طیارہ رن وے پر رینگنے لگا اور ساتھ ہی رانی کا دل بھی سینے میں تیزی سے دھڑکتا رہا۔

جب طیارہ رن وے پر چکّر لگا کر فضا میں بلند ہوا تو رانی نے حسرت بھری نظروں سے طیارے کو جاتے دیکھا اور اس وقت تک ایئرپورٹ پر کھڑی رہی جب تک طیارہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

رانی نڈھال قدم اٹھاتی ایئرپورٹ سے باہر نکلی اور کار کی طرف بڑھی، کار میں سرفراز کو بیٹھا دیکھ کر اس کا موڈ اور بھی خراب ہو گیا۔ سرفراز کار سے اترتا ہوا بولا۔

"یاسمین اور تحسین چلے گئے"۔

"ہاں"۔

رانی نے سرد آہ بھرتے ہوئے مختصر سا جواب دیا اور کار میں بیٹھنے لگی سرفراز نے کہا۔

" باجی اب تمام خطرات ٹل گئے، تمہاری خواہشات کی تکمیل ہو گئی۔"

رانی نے سرفراز کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

" گھر چلو گے۔"

" نہیں باجی آج تو کئی دنوں کی تھکن دور کرنی ہے۔"

رانی سرفراز کا مطلب سمجھ گئی تھی لیکن انجان بنتے ہوئے بولی۔

" اچھا میں چلتی ہوں۔"

" باجی — ایسی بھی کیا بے رُخی، کام نکل گیا تو آپ اجنبیوں کی طرح بات کر رہی ہیں، ہو سکتا ہے پھر کبھی میری ضرورت پڑ جائے۔"

" کیا کہنا چاہتے ہو۔"

رانی نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

" تعجب ہے آپ میرا مطلب نہیں سمجھیں، تھکن دور کرنے کے لئے مال چاہیئے اور مال میرے پاس نہیں، اب تو سمجھ گئیں نا۔"

رانی نے سرفراز کو غصہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" میں روپے لئے نہیں پھرتی، دس بیس چاہیں تو لے لو۔"

" دس بیس روپے تو میں بیروں کو ٹپ کے طور پر دینے کا عادی ہوں۔ آپ خود سوچ سکتی ہیں میری ضرورت کیا ہے۔"

رانی نے پرس کھول کر سو روپے کا نوٹ نکالا اور سرفراز کو دیتے ہوئے بولی

"سرفراز تم میری مجبوری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرو یہی کچھ ہے۔"

سرفراز نے سو روپے کا نوٹ تھام لیا اور بولا۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں باجی۔ میں آپ کی مجبوری سے فائدہ نہیں اُٹھا رہا ہوں، بلکہ سیٹھ اسمٰعیل کی دولت میں سے اپنا حصہ وصول کر رہا ہوں، اگر میں مدد نہ کرتا تو آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں۔"

رانی خاموشی سے کار سٹارٹ کر کے چلتی بنی سرفراز نے۔ نوٹ کو چومتے ہوئے کہا۔

"روپے میں بڑی طاقت ہے۔"

رانی کی کار دھواں چھوڑتی ہوئی نظروں سے غائب ہو گئی تو سرفراز نے مسکراتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

"میاں سرفراز، اب تمہیں کوئی کام کاج کرنے کی ضرورت نہیں، بنک کا راستہ دیکھ لیا ہے۔ جب ضرورت پڑی پہنچ گئے، کروڑوں روپے اگر ان لوگوں کے حصے میں آئیں گے۔ تو تمہیں لاکھوں تو چاہئیں۔"

شریف تیار ہو کر باہر نکلنے لگا تو ڈاکیہ نے شریف کو خط تھما دیا. شریف باہر جانے کی بجائے دوبارہ گھر میں لوٹ آیا اور راشدہ کو خط دیتے ہوئے بولا۔

"لو بیگم امی کا خط آگیا، تم تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی تھیں"

راشدہ نے جھپٹ کر شریف کے ہاتھ سے خط چھین لیا اور کھول کر پڑھنے لگی، جوں جوں وہ خط پڑھتی جاتی تھی اُس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا، شریف حیرانگی سے راشدہ کے چہرے کو تک رہا تھا، راشدہ خط پڑھ کر رونے لگی، راشدہ کو روتے دیکھ کر شریف نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"ارے کچھ تو بتاؤ، امی نے کیا لکھا ہے"

راشدہ شریف کو خط تھماتے ہوئے بولی۔

"یاسمین کی اچانک شادی ہو گئی ہے اور وہ سیٹھ اسمٰعیل افریقہ والا کے لڑکے سے بیاہی گئی"

راشدہ نے سسکیوں کے درمیان کہا۔

"امی نے مجھے جھوٹے منہ پوچھ کر بھی نہیں دیکھا۔ الٹا لکھا ہے کہ تم چھوٹی بہن کی شادی میں شریک نہیں ہوئیں اس لئے میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی

اس گھر کے دروازے تم پر بند ہو چکے ہیں۔"

راشدہ روتی رہی، شریف رانی کا خط تھامے کمرے میں ٹہلتا رہا، سوچتا رہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"عجیب اتفاقات ہیں، راشدہ کی اچانک شادی ہوئی، وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کے پلے باندھ دی گئی، یاسمین کی اچانک شادی ہوئی لیکن وہ سیٹھ اسمٰعیل افریقہ والا کے لڑکے سے بیاہی گئی۔"

شریف نے راشدہ کو روتے دیکھ کر اس کے آنسو پونچھے اور پیار بھرے لہجہ میں بولا۔

"اس خط کو پڑھنے کے بعد تمہیں بہت کچھ سمجھ جانا چاہئے۔ شادی کے بعد لڑکی کا اصل گھر اس کا سسرال ہوتا ہے، تم ماضی کو بھول کر اپنے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کرو، میں بھی اپنی اس چھوٹی سی دنیا کو جنت بنانے کے لئے دن رات محنت کروں گا۔"

شریف خط پلنگ پر پھینک کر کمرے سے نکل گیا، راشدہ نے آنسو پونچھے اور دوبارہ خط کو پڑھنے کے بعد شریف کے کہنے کے مطابق خط سے بہت کچھ اخذ کر لیا۔ اس نے آج تک شریف کو یہ نہیں بتایا کہ رانی اس کی سوتیلی ماں ہے۔ یاسمین اس کی سوتیلی بہن ہے۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ خط پڑھنے کے بعد شریف نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ شریف سے آنکھیں نہ ملا سکی تھی۔

جب یاسمین تحسین کے ساتھ افریقہ پہنچی تو وہ بے حد خوش تھی، اُس کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ سیٹھ اسمٰعیل اور تحسین اتنے وسیع کاروبار کے مالک ہوں گے تحسین کی کوٹھی کیا تھی، اچھا خاصا محل تھا، جس میں زندگی کی تمام آسائشیں موجود تھیں، ہر کمرہ ماڈرن ساز وسامان سے آراستہ تھا، ہر کمرے میں ٹیلی فون، ایر کنڈیشن لگے تھے۔

سیٹھ اسماعیل کاروباری حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے حکومت کی نظروں میں بھی ان کی بڑی عزت وتوقیر تھی، چند ہفتوں ہی میں یاسمین کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی امی نے سونے کی کان پر قبضہ کیا ہے۔

تحسین اور یاسمین کے چند ہفتے سیر وتفریح میں گذرے سیر وتفریح سے فارغ ہو کر تحسین اپنے کاروبار میں مصروف ہو گیا، وہ صبح گھر سے نکلتا اور رات گئے گھر لوٹتا، فرصت کے لمحات میں یاسمین سے ٹیلی فون پر باتیں کرتا رہتا۔

یاسمین دن بھر رانی کو خطوط لکھتی رہتی، جب لکھتے لکھتے اُکتا جاتی تو ناول پڑھنے لگتی، کھانے کے لئے کمرے سے نکلتی اور پھر اپنے کمرے میں نرم وگداز بستر پر لیٹی اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتی۔

گھر کا ہر فرد یاسمین کا احترام کرتا تھا، سیٹھ اسمٰعیل نے سب کو ہدایات دے رکھی تھیں کہ یاسمین کے آرام کا ہر طرح خیال رکھا جائے اس کے حکم کی فوراً تعمیل ہو۔

یاسمین اکثر رانی کے خطوط میں تحسین کی بے پناہ محبت کا ذکر کرتی، اور سیٹھ اسمٰعیل کی شفقت کے ذکر سے ہر خط بھرا ہوتا۔ تحسین یاسمین کی بڑی سے بڑی فرمائش منٹوں میں پوری کر دیتا اس کی ذراسی تکلیف پر کوٹھی میں ہنگامہ برپا ہو جاتا، نوکر دوڑتے پھرتے۔

بڑے سے بڑا ڈاکٹر آجاتا۔

قیمتی دواؤں کا انبار لگ جاتا۔

ڈاکٹر، نرسیں، نوکر سبھی اُس کی خدمت میں مصروف رہتے۔ یاسمین رانی کی توقعات سے بڑھ کر شاہانہ طریقے پر زندگی بسر کر رہی تھی، وہ اکثر سوچتی راشدہ کتنی بدقسمت تھی جو اس کی شادی تحسین سے نہ ہو سکی، اپنی کامیابی پر وہ دل ہی دل میں اپنی ممی اور انکل کو خراجِ تحسین پیش کرتی، یاسمین نے اپنی ممی اور انکل کے لئے ایک بڑی رقم بھی بھجوائی تھی جس کے جواب میں رانی نے اُسے شکریہ کا خط لکھا تھا۔

اب تو یاسمین کی صرف ایک ہی خواہش تھی کہ وہ تحسین کے بچے کی ماں بن کر سیٹھ اسمٰعیل کی دیرینہ آرزو پوری کر سکے۔

سرفراز رانی سے رقم کا مطالبہ کر رہا تھا اور رانی سرفراز سے پیچھا چھڑانے کے موڈ میں تھی۔ لیکن سرفراز آسانی سے ٹلنے والا کہاں تھا، رانی کے انکار اور سرفراز کے اصرار سے دونوں کے موڈ خراب ہو گئے تھے۔ رانی نے سرفراز کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"سرفراز بہتر ہے کوئی کام کاج کر لو، آخر کب تک میں تمہیں روپے دیتی رہوں گی۔"

سرفراز نے ہنس کر کہا۔

"باجی یہ تو عمر بھر کا ساتھ ہے خون کے رشتے جدا نہیں ہوتے، میں آپ سے کب مانگ رہا ہوں، مجھے تو سیٹھ اسمٰعیل کی دولت میں سے اپنا حصہ چاہئیے، بقول آپ کے سیٹھ تو سونے کی کان ہے۔"

رانی بگڑ کر بولی۔

"سرفراز ہوش کے ناخن لو، سیٹھ کی دولت سے نہ تو میرا کوئی تعلق ہے اور نہ تمہارا۔"

"باجی تعلق اور واسطہ بنتا نہیں بنایا جاتا ہے، آپ یہ نہ بھولئے کہ آپ

کی ذراسی غفلت یاسمین کے شاندار مستقبل کو تباہ کر دے گی۔"
رانی نے سرفراز کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔"
سرفراز نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
"دھمکی۔ اسکی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا، کیونکہ اس کے بغیر ہی آپ خود میرا خیال رکھتی ہیں تو مجھے دھمکی کی کیا ضرورت۔ اگر آپ نے ہاتھ روک لیا تو پھر اس سلسلے میں سوچوں گا۔ فی الحال ایسا کوئی پروگرام نہیں۔"
رانی آنکھیں بند کئے سرفراز کے متعلق سوچتی رہی، وہ اس بات کے لئے پچھتا رہی تھی، کہ اس نے راشدہ کی شادی کے لئے سرفراز کی خدمات کیوں حاصل کی تھیں، سرفراز کو اپنا رازدار کیوں بنالیا تھا۔ ذراسی غلطی کا اُسے کتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ رانی کو خیالات کی گہرائیوں میں ڈوبا دیکھ کر سرفراز بولا۔
"دینے کے معاملے میں زیادہ سوچنا ٹھیک نہیں، تم تو جانتی ہو کہ سرفراز بات کا دھنی ہے۔"
رانی نے سرفراز کے ہاتھ میں سوسو کے نوٹ تھما دیئے۔ سرفراز نوٹ گنتے ہوئے بولا۔
"یہ بات ہوئی نا، خوش رہو باجی۔"
رانی خاموش ہو رہی۔ سرفراز نے اطمینان سے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ سلگایا اور سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا کر کمرے کی فضا کو بوجھل کرنے لگا۔

شریف نے حسب معمول تیار ہو کر جانے سے پہلے شکیل کو پیار کیا اور دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے راشدہ نے آواز دی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ذرا جلدی گھر آجانا۔"

شریف راشدہ کو چھیڑتے ہوئے بولا۔

"آتے ہوئے گیند بلا لاؤں یا گڑیا"

راشدہ نے شرما کر شریف کا منہ چڑا دیا، شریف راشدہ کو اپنی باہوں میں بھینچ کر بولا۔

"بیگم بہتر ہے تم تیار ہو جاؤ، میں تمہیں ہسپتال چھوڑ کر چلا جاؤں گا"

راشدہ نے کہا۔

"اس مرتبہ میں ہسپتال نہیں جاؤں گی، ہسپتال میں بے پناہ اخراجات ہو جاتے ہیں، خالہ زینت نے گھر پر ہی رہنے کا مشورہ دیا ہے"

شریف نے راشدہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"راشدہ تمہیں میرا کتنا خیال ہے۔ آج کل لڑکیاں تو صرف اپنے آرام کی سوچتی ہیں۔ انہیں شوہر کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا"

راشدہ نے جواب دیا۔

"سرتاج ——— میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جن کی نظریں شوہر کی جیب پر لگی ہوتی ہیں۔ جو عورت اپنے شوہر کا خیال نہیں رکھتی، جو اپنے وسائل کی پروا نہیں کرتی وہ گھر کبھی آباد نہیں رہتے، بلکہ بربادی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔"

شریف راشدہ کی باتوں سے خوش ہو کر گھر سے نکل گیا، خالہ زینت دونوں کے پیار پہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی، شکیل ماں کی گود میں جانے کے لئے مچل رہا تھا، خالہ زینت نے شکیل کو راشدہ کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

"اللہ کرے شکیل کا بھائی آئے۔"

راشدہ نے ہنس کر کہا۔

"خالہ لڑکا لڑکی انسان کے بس کی بات نہیں، وہ جو بھی دے دے ہمیں ہنس کر قبول کر لینا چاہیئے۔"

خالہ زینت بولی۔

"بیٹی تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن زمانہ بہت خراب آگیا ہے، لڑکیاں ماں باپ کے لئے آزمائش بن جاتی ہیں، خصوصاً غریب کو تو خدا لڑکی نہ دے۔"

راشدہ نے پوچھا۔

"وہ کیوں خالہ؟"

خالہ زینت نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹی آج کل لڑکے والے لڑکی کی صورت، سیرت، خاندان نہیں دیکھتے، ان کی آنکھیں تو بس جہیز پہ ہوتی ہیں۔ اللہ کی مار لڑکا چاہے کلرک ہو کار مانگیں گے، کوٹھی

چاہیں گے عزیب یہ سب کہاں سے لائے"۔
راشدہ خالہ زنیت کی بات سن کر مسکرانے لگی۔

یاسمین کے خط نے رانی کے ہوش وحواس گم کر دیئے تھے وہ یاسمین کا خط تھامے غصّہ سے کمرے میں ٹہل رہی تھی، اُسے سرفراز کے کمرے میں داخل ہونے کی بھی خبر نہ ہوئی، رانی کو پریشانی کے عالم میں دیکھ کر سرفراز بھی گھبرا گیا۔ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"باجی کیا بات ہے تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو"

"سرفراز میری ساری سکیم الٹ گئی"

رانی انتہائی غصے اور پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگی، سرفراز نے دوبارہ پوچھا۔

"آخر کچھ پتہ بھی چلے"

رانی نے غصے سے خط سرفراز کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"بوڑھا سیٹھ پوتے کے لئے مر رہا ہے، ابھی یاسمین کی شادی کو ڈیڑھ دو سال بھی نہیں گزرے کہ وہ تحسین کو دوسری شادی کے لئے مجبور کر رہا ہے تاکہ مرنے سے پہلے اپنے خاندان کے وارث کو دیکھ سکے۔ یاسمین علاج کے لئے آج کل لندن میں ہے۔ پاکستان آنے والا ہے سرفراز نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، اگر یاسمین کو بچہ نہیں ہوتا تو طلاق دے دے، مہر کے پانچ لاکھ روپے اور کراچی کی شاندار کوٹھی مل جائے گی، تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

رانی نے جھنجلا کر کہا۔

"بکو مت۔"

"میں بک نہیں رہا ہوں بلکہ معقول تجویز پیش کر رہا ہوں، ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو تو اس میں تمہیں فائدہ ہی فائدہ نظر آئے گا۔"

رانی نے سوالیہ نظروں سے سرفراز کو دیکھا۔ سرفراز بولا۔

"ہو سکتا ہے بھانڈا پھوٹ جانے پر یہ بھی نہ ملے، سیٹھ اسمٰعیل بہت کاروباری انسان ہے، وہ دھوکہ دہی پر تمہیں تنگ بھی کر سکتا ہے۔"

رانی نے غصے سے سرفراز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس کا واسطہ مجھ سے پڑا ہے، میں بوڑھے کو ایسا مزا چکھاؤں گی کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

سرفراز نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"چوری اور سینہ زوری تو اسی کو کہتے ہیں۔"

رانی چیخ اٹھی۔

"میں کہتی ہوں خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔"

"میری قسط مجھے مل جائے تو مجھے بکنے کی کیا ضرورت۔"

رانی نے غصہ میں پرس سرفراز کے منہ پر دے مارا، پرس کھل کر

نوٹ قالین پر بکھر گئے۔ سرفراز نوٹ سمیٹ کر چلتا بنا۔

شریف ایئرپورٹ کے باہر کھڑا سواریوں کا انتظار کر رہا تھا۔ یاسمین اور تحسین ایئرپورٹ سے نکل کر شریف کی ٹیکسی میں بیٹھ گئے، شریف ٹیکسی سٹارٹ کرنے لگا تحسین بولا۔

"انٹرکانٹی نینٹل"۔

ٹیکسی ایئرپورٹ کی حدود سے نکل کر انٹرکانٹی نینٹل کی طرف دوڑنے لگی اور تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ہوٹل کے پورچ میں کھڑی تھی۔ یاسمین اور تحسین ٹیکسی سے اُترے، یاسمین نے پرس کھول کر دس روپے کا نوٹ شریف کے ہاتھ میں تھما دیا، اس سے قبل کہ شریف باقی پیسے لوٹاتا، یاسمین تحسین کی باہوں میں باہیں ڈالے ہوٹل کی طرف چل دی۔

شریف نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"مسٹر شریف اب سیدھے گھر پہنچو، راشدہ انتظار کر رہی ہو گی"۔

شریف جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھا اور تیزی سے ٹیکسی ہوٹل کے گیٹ سے نکلی، اسی وقت ایک تیز رفتار ٹرک سامنے سے آگیا، اس سے قبل کہ شریف اپنی

کار کو بچاتا، ٹرک ٹیکسی سے ٹکرا چکا تھا۔ حادثہ اتنا اچانک ہوا کہ شریف کچھ بھی نہ سمجھ سکا، ٹیکسی تباہ ہو چکی تھی، سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں ٹرک والا بھاگ گیا۔

گو شریف حادثے کا شکار ہونے سے بچ گیا تھا، لیکن اُس کی روزی کا ذریعہ چھن چکا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ حادثہ کیسے ہو گیا۔

باعزت زندہ رہنے کے لئے اس نے جدوجہد شروع کی تھی، ایک ظالم انسان نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ لوگوں کا ہجوم تباہ شدہ ٹیکسی کے گرد گھیرا ڈالے کھڑا تھا۔ مختلف لوگ مختلف قسم کی بولیاں بول رہے تھے۔

کوئی ٹیکسی کی تباہی پر اس لئے خوش تھا کہ ٹیکسی والے عوام کی جیبیں کاٹتے ہیں۔

کوئی غریب کے لٹ جانے پر افسوس کر رہا تھا۔

ایک وکیل صاحب لوگوں کو قانونی نکتہ بتا رہے تھے۔

کچھ دردمند انسان ٹرک والے کے بھاگ جانے پر غم و غصّے کا اظہار کر رہے تھے۔

کچھ ایسے لوگ بھی تماشائیوں میں موجود تھے جن کی اپنی کوئی رائے نہیں تھی، وہ صرف دوسروں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ کچھ نوجوان بھی کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے جو ماڈرن تہذیب کے جیتے جاگتے نمونے تھے۔

لیکن کسی نے بھی شریف کے لئے کچھ نہیں کیا۔

کسی نے اس کی تباہی پر آنسو نہیں بہائے۔

ٹریفک رُک چلا تھا اور یہ قانون کی خلاف ورزی تھی، حادثے کے گھنٹہ بھر بعد قانون کے محافظوں کو آتا دیکھ کر ہجوم منتشر ہونے لگا، کوئی شخص بھی آنکھوں دیکھا حال بتانے کے لئے تیار نہیں تھا۔

کیونکہ نہ تو اُن کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ عدالتوں کے چکّہ لگائیں اور نہ انہیں شریف سے ہمدردی تھی۔

پولیس نے شریف کے کاغذات کی پڑتال کی، اسے محض ٹیکسی ڈرائیور سمجھ کر گھرکیاں دیں۔ بلا سوچے سمجھے اُسے حادثے کا ذمہ دار ٹھہرایا، لیکن جب اس بات کا علم ہوا کہ شریف ٹیکسی کا ڈرائیور نہیں مالک ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے تو وہ بغلیں جھانکنے لگے، ان کے رویے میں یکایک تبدیلی آگئی۔

شریف کو پولیس سے اُلجھتا دیکھ کر کچھ لوگوں کا ضمیر جاگا، انہوں نے بھی شریف کے بیان کی تصدیق کی۔

شریف جلد از جلد گھر پہنچنے کے لئے بے چین تھا اور پولیس ضابطہ کی کارروائی کے چکّر میں اُسے روکے ہوئے تھی۔ جب پولیس کے کاغذات کا پیٹ بھر گیا۔ شریف کو نجات ملی۔ شریف کے ایک ٹیکسی ڈرائیور ساتھی نے اُسے لفٹ دی اور جب شریف اپنے گھر کے سامنے اترا تو اس کی حالت عجیب تھی۔ اس کا حلیہ عجیب تھا۔

شریف حادثے سے بے حد متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر غم والم کے سائے منڈلا رہے تھے، شریف نڈھال قدموں سے گھر میں داخل ہوا۔ جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا، راشدہ کی چیخوں نے اُسے اور نڈھال

کر دیا۔ اڑوس پڑوس کی عورتوں کو موجود پاکر اُس کی ڈھارس بندھی اور وہ بے سدھ ہو کر بستر پر گر پڑا۔

بستر پر لیٹے اُسے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ راشدہ کی چیخ کی آواز بلند ہوئی اور ساتھ ہی بچے کے رونے کی آواز آئی، خالہ زینت بھاگی ہوئی شریف کے کمرے میں آئی اور انتہائی مسرت سے بولی۔

"لڑکا مبارک ہو بیٹا"

شریف لڑکے کی پیدائش پر اپنا سارا غم بھول گیا، قدرت نے اُسے ایک اور بازو عطا کیا تھا۔ شریف کو خاموش دیکھ کر خالہ زینت بولی۔

"کیا سوچ رہے ہو، چل کر بچے کو دیکھ لو"

شریف خیالات کی گہرائیوں سے ابھرا اور خالہ زینت کے ہمراہ راشدہ کے کمرے کی طرف بڑھا، راشدہ شریف کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی اور آہستہ سے بولی۔

"آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے"

شریف مسکرانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"راشدہ ننھا بڑا خوش قسمت ہے۔ آج میری ٹیکسی ایک ٹرک سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی"

راشدہ حادثے کی خبر سُن کر گھبرا کر اٹھنے لگی، شریف اُسے لیٹے رہنے کی تاکید کرتا ہوا بولا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ شکر کرو کہ جان بچ گئی، زندگی رہی تو پھر نئی

کار خرید لیں گے۔ اس وقت تک میں کسی اور کی کار چلاتا رہوں گا۔"

راشدہ نے شریف کی جان بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا، لیکن اُسے کار کے تباہ ہو جانے کا بے حد غم تھا، لیکن وہ اس کا اظہار کر کے مزید شریف کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

شریف بچہ کو گود میں لئے اُس سے باتیں کرتا رہا۔ اُس سے کھیلتا رہا۔ اور بچہ بھی اپنے باپ کی گود میں پہنچ کر رونا بھول گیا تھا، اس کے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا تبسم تھا جو اس کے خوب صورت چہرے کو اور خوبصورت بنا رہا تھا۔ راشدہ نے شریف کو مخاطب کر کے کہا۔

"جان کی بلا ہمیشہ مال ہو جاتی ہے۔ خدا کی مصلحتیں خدا ہی جانتا ہے۔ ننھے کے مبارک قدموں کی بدولت جان بچی ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ ہمارے حالات بہتر بنا دے گا۔"

شریف نے پُراعتماد لہجہ میں کہا۔

"راشدہ یہ بھی خدا کی آزمائش ہے۔ میں اس آزمائش میں پورا اتروں گا۔"

خالہ زینت نے خلیل کی پیدائش پر محلہ بھر میں لڈو تقسیم کیے، مسجد میں گھی کے چراغ جلائے۔ راشدہ آہستہ آہستہ تندرست ہو رہی تھی۔ اُس کے چہرے سے نقاہت اور کمزوری کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے۔

راشدہ کے غسلِ صحت کے بعد شریف نے نئے سرے سے جدوجہد کرنے کی ٹھان لی۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے ایک دوست سے مل کر اپنی تباہی کی داستان سنائی اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا، شریف کا دوست جس کی بے شمار ٹیکسیاں تھیں شریف کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"دوست مرد مصائب سے نہیں گھبراتے، تمہاری کار تباہ ہو گئی ہے اس کا مجھے افسوس ہے، میرے پاس بے شمار کاریں ہیں۔ تم ان میں سے جو کار بھی پسند کرو میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ جس کو تم جیسا محنتی اور دیانتدار انسان مل جائے اُسے اور کیا چاہیئے۔"

شریف اپنے دوست کی ہمدردی خلوص اور تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوا بولا۔

"چودھری صاحب آپ جیسے انسانوں کے دم سے یہ دنیا آباد ہے، ورنہ مجھ جیسے غریب کو کون پوچھتا۔"

چوہدری نے ہنستے ہوئے کہا۔
"یہ میں تم پر احسان نہیں کر رہا ہوں، ہم دونوں ضرورت مند ہیں، مجھے تم سے فائدہ پہنچے گا اور تمہیں مجھ سے۔"
شریف چوہدری کے جذبۂ تعاون کی تعریف کرتے ہوئے بولا۔
"میں کوشش کروں گا کہ میری ذات سے آپ کو کبھی شکایت نہ ہو۔"
چودھری ہنس کر بولا۔
"مجھے تم سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ تم آج ہی سے کام شروع کر دو، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"
شریف چودھری کے گیراج سے نئی ٹیوٹا کار نکال کر تشکر آمیز نظروں سے چودھری کو دیکھتا ہوا گھر کی طرف چل دیا، وہ چاہتا تھا کہ راشدہ کو یہ خوشخبری سنادے کہ چودھری صاحب نے اُسے اپنی نئی کار دیدی ہے۔
جب شریف نے گھر کے سامنے پہنچ کر ہارن بجایا تو کھڑکی میں کھڑی راشدہ شریف کو کار سے اترتے دیکھ کر مسکرائی، شریف مکان میں داخل ہوتا ہوا راشدہ سے بولا۔
"راشدہ دیکھو کتنی پیاری کار ہے، اب میں روزانہ سے زیادہ کماؤں گا تاکہ چودھری کے علاوہ ہماری ضرورتیں بھی پوری ہو سکیں۔ راشدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"خدا آپ کو اپنی جد وجہد میں کامیاب کرے، مجھے امید ہے ہمارے دن جلد پھر جائیں گے، ہر تاریک رات کی سحر ہوتی ہے اب تاریکی چھٹ رہی ہے اجالا ہونے ہی والا ہے۔"

شریف راشدہ کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے نکل گیا — ایک نئے عزم کے ساتھ۔

شکیل کو بخار تھا۔ خالہ زینت شکیل کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ بخار کی وجہ سے شکیل مسلسل رو رہا تھا۔ راشدہ شریف کا انتظار کرتی رہی۔ تاکہ وہ آجائے تو اس کے ہمراہ جاکر ہسپتال سے شکیل کی دوا لے آئے۔ لیکن دن ڈھلتا جا رہا تھا۔ شریف کے آنے کی کوئی امید نظر نہیں آئی تو راشدہ شکیل اور خلیل کو خالہ زینت کے حوالے کر کے خود ہسپتال کی طرف روانہ ہوئی۔

یاسمین لیڈی ڈاکٹر کے کمرے میں بیٹھی بڑی بے چینی سے اپنے طبی معائنہ کی رپورٹ کا انتظار کر رہی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر زیبا کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر یاسمین اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیڈی ڈاکٹر نے یاسمین پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"مسز تحسین مجھے افسوس ہے کہ آپ بچے کی ماں نہیں بن سکتیں۔"

یاسمین کے چہرے پر مایوسی چھا گئی وہ روہانسی سی ہو کر بولی۔

"تو کیا ڈاکٹر میں مایوس ہو جاؤں؟"

"قدرت کے کاموں میں انسان کا کچھ دخل نہیں۔"

یاسمین لیڈی ڈاکٹر کا فیصلہ سن کر نڈھال قدموں سے کمرے سے نکلی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے جو اس کی قسمت کے لڑکھڑا جانے کی نشان دہی کر رہے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اگر طبی معائنہ کی رپورٹ کا علم اس کے سسر کو ہو گیا تو قیامت ہی آجائے گی، تحسین بھی اس کے لئے کچھ نہ کر سکے گا، سیٹھ اسماعیل تو ایک سال گزرتے ہی تحسین کو دوسری شادی کا مشورہ دے رہے تھے تحسین پر اس کی گرفت مضبوط ہونے کی وجہ سے تحسین اپنے باپ کی رائے کی مخالفت کر رہا تھا۔

اب اس کی مخالفت بھی بے معنی ہو جائے گی۔

تحسین کے سارے دلائل رائیگاں جائیں گے۔

اور سیٹھ اسماعیل اپنے خاندان کے وارث کے لئے نئی بہو تلاش کر لائیں گے۔

یاسمین انہی خیالات میں گھری ہسپتال کے برآمدے سے گزر رہی تھی۔ سامنے سے راشدہ دوا کی شیشی تھامے برآمدے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یاسمین اور راشدہ کا آمنا سامنا ہوا، دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر یاسمین آگے بڑھ کر راشدہ سے لپٹ گئی، اس کا دل پہلے ہی بھرا ہوا تھا بے اختیار آنسو نکل آئے۔

یہ آنسو ندامت کے تھے یا ناکامی کے اسکا اندازہ راشدہ کو نہ ہو سکا، البتہ وہ یاسمین کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیران تھی۔

یاسمین اور آنسو۔

لوگوں کا مذاق اڑانا جانتی تھی۔

آنسوؤں سے اُسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

دکھ درد سے وہ ناآشنا تھی۔

لیکن آج یاسمین سچ مچ رو رہی تھی۔ شدتِ جذبات سے اُس کی آنکھیں بوجھل ہوگئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد یاسمین نے اپنے جذبات پر قابو پاکر راشدہ کا جائزہ لیا اور بولی۔

" باجی یہ کیا حُلیہ بنا رکھا ہے، کس کی دوا لینے آئی ہو"۔

راشدہ نے جواب دیا۔

" بڑے بچے شکیل کو بخار ہے، وہ گھر پر نہیں تھے اس لئے میں خود دوا لینے چلی آئی"۔

راشدہ نے یاسمین سے پوچھا۔

" مگر تم یہاں کیا کرنے آئی ہو"؟

یاسمین نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

" گھر چل کر تفصیل سے اپنی داستان سناؤں گی، اپنی مصیبتوں کا ذکر کرونگی"۔

یاسمین راشدہ سے مل کر بے حد خوش تھی، راشدہ یاسمین کی اس خوشی کا سبب نہ جان سکی، یاسمین نے کہا۔

" باجی تم دوا لے آؤ، میں کار میں تمہارا انتظار کرتی ہوں۔ پھر میں بھی تمہارے ساتھ گھر چلوں گی۔ بچوں سے ملوں گی"۔

یاسمین کو اس قدر مہربان پاکر راشدہ حیران تھی، لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش

رہی کہ ہو سکتا ہے شادی کے بعد یاسمین کی فطرت نے کروٹ بدلی ہو، یا اُسے اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گیا ہو۔ اور اس طرح اُس کے دل میں محبت و ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے ہوں۔

راشدہ لیڈی ڈاکٹر کے کمرے کی طرف بڑھی اور یاسمین انتہائی خوشگوار موڈ میں اپنی کار کی طرف بڑھی، کار میں بیٹھی وہ بڑی بے چینی سے راشدہ کا انتظار کرتی رہی، جیسے ہی راشدہ ہسپتال کا برآمدہ طے کر کے لان میں آئی۔ اُس کی نظر یاسمین کی کار پر پڑی۔ جو کار میں بیٹھی اُسے بلا رہی تھی، راشدہ بھی کار میں یاسمین کے برابر بیٹھ گئی اور ڈرائیور کو اپنے گھر کا ایڈریس بتا دیا۔

راستہ بھر دونوں بہنیں خاموش تھیں۔ چند لمحے پہلے راشدہ نے یاسمین کو انتہائی پریشان، متفکر پایا تھا۔ لیکن ہسپتال سے لوٹتے ہوئے یاسمین کے چہرے پر نہ تو پریشانی کے آثار تھے نہ فکر کی نشانیاں۔

بلکہ یاسمین انتہائی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے چہرے پر سکون کی تازگی تھی۔

طمانیت تھی۔

زندگی کے آثار تھے۔

راشدہ یاسمین کے اس انقلاب پر حیران تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا تھوڑی دیر پہلے یاسمین نے محض دکھانے کے لئے آنسو بہائے تھے۔

کار راشدہ کے محلے میں داخل ہو چکی تھی۔ راشدہ نے اپنے گھر کے سامنے کار رکوائی اور یاسمین کو ساتھ لئے گھر میں داخل ہوئی۔

خالہ زینت یاسمین کو راشدہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر سمجھی کہ راشدہ شکیل کے مسلسل بخار سے گھبرا کر لیڈی ڈاکٹر کو ساتھ لائی ہے، راشدہ کی یہ فضول خرچی خالہ زینت کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ خالہ زینت نے راشدہ کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

"بیٹی ذرا سی بات پر تم گھبرا جاتی ہو، موا بخار ہی تو تھا دو گھونٹ دوا پلا دیتیں بھاگ جاتا، ڈاکٹر صاحب کو کیوں تکلیف دی۔

راشدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خالہ یہ لیڈی ڈاکٹر نہیں میری چھوٹی بہن یاسمین ہے۔"

خالہ زینت نے یاسمین کے سراپے کا جائزہ لے کر کہا۔

"اس سے پہلے تو انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

یاسمین نے اپنی غیر حاضری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"خالہ بی میں افریقہ میں رہتی ہوں۔ شادی کے تین سال بعد وطن آئی ہوں، یہاں ہوتی تو باجی کے پاس نہ آتی۔"

خالہ زینت نے یاسمین کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تو حیران تھی کہ بہن کو بہن کیسے بھول سکتی ہے، چلو اچھا ہوا تم مل گئیں اب دونوں بہنیں بیٹھ کر باتیں کرو، میں تمہارے لئے چائے کا بندوبست کرتی ہوں۔

یاسمین نے خلیل کو خالہ زینت کی گود سے لیتے ہوئے کہا۔

"خالہ میرا اپنا گھر ہے، اب تو میں آتی رہوں گی، بھر جایئے، کھانا جو تم کہو گی سر آنکھوں پر، اب ذرا جلدی ہے پھر کبھی آؤں گی۔"

خالہ زینت نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہ بی بی یہ نہیں ہو سکتا، چھوٹی بہن، بڑی بہن کے گھر پہلی مرتبہ آئے اور بغیر کچھ کھائے پیئے چلی جائے۔"

یاسمین نے ہنس کر کہا۔

"خالہ بی تم کہتی ہو تو کھا پی کر جاؤں گی اب تو خوش ہو نا۔"

خالہ زینت خوش ہو کر باورچی خانے کی طرف لپکی، راشدہ شکیل کو دوا پلا کر فارغ ہوئی تو یاسمین کو مخاطب کر کے بولی۔

"یاسمین معاف کرنا، میں اپنی پریشانی میں تم سے یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ کب پاکستان آئی ہو، کہاں ٹھہری ہو۔ بھائی جان کا کیا حال ہے۔"

یاسمین بولی۔

"باجی میں تحسین کے ساتھ ولایت چلی گئی تھی، چند دن قبل لاہور پہنچی ہوں۔ ہم انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"خوش قسمت ہو یاسمین کہ تمہیں اچھا شوہر، اونچا گھرانہ ملا ہے۔"

یاسمین یکایک اداس ہو گئی اور افسردہ لہجے میں بولی۔

"باجی یہ خوش قسمتی میرے لئے بدبختی کا سبب بننے والی ہے۔ شادی کے بعد ایک سال تو بڑا خوشگوار گزرا، لیکن اس کے بعد سیٹھ اسمٰعیل مجھ سے کچھ کھنچے کھنچے رہنے لگے، وہ پوتے کے لئے بے چین ہیں، اب تم ہی بتاؤ اگر ان تین سالوں میں

میری گود ہری نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ تحسین تو مجھے کوئی دوش نہیں دیتے، ان کی چاہت میں کوئی فرق نہیں آیا، لیکن سیٹھ اسمٰعیل بچہ نہ ہونے کی وجہ سے تحسین کو مسلسل مجبور کر رہے ہیں کہ وہ دوسری شادی کر لے، تاکہ وہ پوتے کی صورت دیکھ سکیں، محض سیٹھ اسمٰعیل کی بے قراری کو دیکھتے ہوئے تحسین نے اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے میرا علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، وہ تو علاج کے لئے مجھے ولایت بھی لے گئے تھے تاکہ میرا وہاں علاج ہو سکے اور میری گود ہری ہونے کی کوئی صورت نظر آئے، لیکن ولایت کے ڈاکٹروں نے بھی مجھے مایوس کر دیا، ڈاکٹر زیبا کی بہت تعریف سنی تھی، اس لئے لاہور چلی آئی، لیکن ڈاکٹر زیبا نے بھی مجھے مایوس کر دیا۔ تم خوش قسمت ہو باجی کہ دو بچوں کی ماں بن گئیں، اولاد کی نعمت سے مالا مال ہو، کاش کوئی مجھ سے میری ساری دولت لے لے اور میری گود میں ایک ہنستا کھیلتا بچہ ڈال دے۔"

یاسمین کی دکھ بھری داستان سُن کر راشدہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ راشدہ نے یاسمین کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"مایوس نہ ہو میری بہن، اُس کے پاس دیر ہے اندھیر نہیں، وہ ناممکن کو ممکن بنا دینے کی طاقت رکھتا ہے، تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے گا۔ اور پھر تمہاری دکھ بھری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

یاسمین نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اسی امید پر جی رہی ہوں باجی، لیکن آنے والے دنوں کا سوچ کر کانپ اٹھتی ہوں، سیٹھ اسماعیل اپنی ضد کے پکے ہیں، اگر ان کی ضد کے آگے تحسین نے

ہتھیار ڈال دیئے تو پھر کیا ہو گا"

راشدہ نے کوئی جواب نہیں دیا، یاسمین جذباتی ہو کر بولی۔

"میں زہر کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گی، لیکن سوکن کو برداشت نہیں کروں گی، تحسین میرا ہے اور میری زندگی میں وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔"

یاسمین روتی رہی اور پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"باجی میں کل کار بھیج دوں گی، اگر شکیل کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو تم دونوں بچوں کو لے کر ضرور آنا، میں تمہیں تحسین سے ملاؤں گی، وہ تم سے اور تمہارے بچوں سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

راشدہ نے جواب دیا۔

"یاسمین وعدہ نہیں کرتی، کوشش کروں گی۔"

یاسمین نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"باجی اپنی چھوٹی بہن کا دل توڑ دو گی، تمہارا تحسین سے ملنا بہت ضروری ہے شاید وہ تمہاری بات مان کر دوسری شادی کا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔"

یاسمین کی بات سن کر راشدہ خاموش ہو گئی، اسی اثناء میں خالہ زینت چائے اور بسکٹ ٹرے میں رکھے آ گئی، یاسمین نے چائے پی کر اٹھتے ہوئے شکیل اور خلیل کے ہاتھ میں سو سو روپے کے نوٹ رکھے، راشدہ کے منع کرنے کے باوجود اصرار کر کے بچوں کو پیسے دے کر جاتے ہوئے بولی۔

"باجی تم پہلی مرتبہ تحسین سے ملو گی، میں نے اُن سے تمہاری بڑی تعریف کی ہے، ذرا اچھے کپڑے اور بڑھیا زیور پہن کر آنا، ورنہ تحسین کے سامنے

میری ہی بے عزتی ہو گی۔"

یاسمین بچوں کو پیار کر کے چلی گئی، راشدہ سوچ میں گم ہو گئی شریف گھر میں داخل ہوا تو راشدہ کو خیالات کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر پوچھا۔

"بیگم کون سا سہانا خواب دیکھ رہی ہو۔"

راشدہ چونک کر شریف کو دیکھنے لگی اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں شکیل کی دوا لینے ہسپتال گئی تھی، وہاں یاسمین مل گئی، میرے ساتھ گھر چلی آئی اور جاتے ہوئے کہہ گئی ہے کہ کل کار بھیج دوں گی، تم بچوں کو لے کر آنا، اور یہ بھی کہہ گئی ہے کہ ذرا اچھے کپڑے اور بڑھیا زیور پہن کر آنا۔"

شریف قہقہہ لگا کر بولا۔

"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، کپڑے تو تمہارے پاس موجود ہیں، رہا زیور کا سوال، وہ میں تمہیں چودھری صاحب سے مانگ کر لا دوں گا۔"

راشدہ شریف کی یقین دہانی پر مطمئن ہو گئی، شریف نے بچوں کے ہاتھوں میں سو سو کے نوٹ دیکھ کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یاسمین نے اپنی امارت کی دھاک بٹھانے کے لئے بچوں کو نوٹ دیئے ہیں۔"

راشدہ ہنس کر بولی۔

"اس میں دھاک بٹھانے کی کیا بات ہے، یاسمین دولت میں کھیلتی ہے میرے منع کرنے کے باوجود اگر وہ بچوں کو کچھ دے گئی ہے تو میں کیا کرتی۔"

شریف نے طنزاً کہا۔
"بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔"
شریف خاموش ہو گیا اور راشدہ یاسمین کی باتیں کرتی رہی۔

تحسین اور یاسمین رات کا کھانا کھا رہے تھے یاسمین کو انتہائی خوش دیکھ کر تحسین نے پوچھا۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ آج تم بہت خوش دکھائی دے رہی ہو۔"

یاسمین نے کھاتے کھاتے ہاتھ روک کر کہا۔

"آج عجیب اتفاق ہوا، میں ڈاکٹر زیبا کے پاس چلی گئی تھی ہسپتال سے نکلی تھی کہ سامنے سے باجی کار میں آتی نظر آئیں، مجھے دیکھ کر اس قدر خوش ہوئیں کہ زبردستی اپنی کوٹھی پر لے گیئں، تحسین باجی کی کوٹھی کیا ہے، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں فردوسِ بریں میں پہنچ گئی ہوں۔

خوب صورت فرنیچر، عیش و آرام کی تمام آسائشیں، دست بستہ ملازم، میں نے بہت کم اتنے سلیقے سے سجی ہوئی کوٹھیاں دیکھی ہیں۔ مجھے باجی کی قسمت پر رشک آیا۔"

تحسین نے یاسمین کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے دولہا بھائی کیا کرتے ہیں؟"

یاسمین ایک لمحہ رُک کر بولی۔

"وہ بہت بڑے صنعت کار ہیں، پاکستان اور پاکستان سے باہر ان کی کئی ملیں ہیں۔ عموماً وہ ملک سے باہر ہی رہتے ہیں، باجی مجھ پر ناراض ہو رہی تھیں کہ تم اپنا مکان چھوڑ کر ہوٹل میں کیوں ٹھہری ہو، میں نے بہانہ بنایا کہ ہم چند دنوں کے لئے لاہور آئے تھے اور جلد لوٹنا ہے۔ آپ کے پاس ٹھہرتے تو آپ ہمیں جلدی جانے نہیں دیتیں۔

پھر یاسمین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر وہ امیر ہیں تو کیا ہم بھی اُن سے کم نہیں، کیوں ہم ان کا احسان لیں، دولہا بھائی تو ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ انہیں ہوٹل میں مدعو کروں۔"

تحسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خون کے رشتے امارت، غربت کو نہیں دیکھتے، وہ تمہاری بڑی بہن ہیں، تمہیں اُن کا دل توڑنا نہیں چاہیئے تھا، انہیں یہاں بلانے کی بجائے بہتر ہے کل ہم خود اُن کے پاس چلیں گے۔"

یاسمین نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ تم نہیں سمجھتے، باجی کو میں بھی متاثر کرنا چاہتی ہوں، تاکہ وہ بھی ہمیں دیکھ کر خوش ہوں کہ میں بھی کسی غریب آدمی کی بیوی نہیں —— دولت، عزت میری بھی لونڈی ہے۔"

تحسین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ جیسی تمہاری مرضی، عورتوں میں اپنی بڑائی جتانے کی عادت

ازلی ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ تمہاری باجی غلط تاثر لے کر نہ جائیں۔"
یاسمین نے فخریہ انداز میں کہا۔

"تحسین تم بے فکر رہو، میں اُن کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گی۔"
یاسمین باتیں کرتی کرتی رک گئی، تحسین نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہی ہو۔"
یاسمین نے تحسین کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے، باجی کو اللہ نے دو چاند سے لڑکے دیئے ہیں، کیوں نہ ہم ایک بچہ گود لے لیں۔"
تحسین یاسمین کی بات سن کر چونک پڑا

"یہ کیسے ممکن ہے۔ بھلا باجی کیوں کر اپنے دل کا ٹکڑا تمہیں دے دیں گی۔"
یاسمین نے کہا۔

"تم نہیں جانتے تحسین، باجی کو مجھ سے کتنی محبت ہے، میری گود خالی دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، وہ میرا سہاگ بچانے اور مجھے خوشیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے وہ بچہ تو کیا اپنی جان بھی دیدیں گی۔"
تحسین نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"یاسمین تم جذبات کی رو میں بہہ کر خود ہی فیصلہ کر رہی ہو، مجھے امید نہیں، خدا نے انہیں سب کچھ دیا ہے۔ غریب ہوتیں تو شاید بچہ کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے تمہاری خواہش پوری کر دیتیں۔ لیکن ان حالات میں تو مجھے یہ بات کچھ ممکن نظر نہیں آتی۔

یاسمین بولی۔
"اگر تم اجازت دو تو میں ناممکن کو ممکن بنا دوں، ہم دو تین سال اِدھر ہی رہیں گے، بچہ گود لیتے ہی تم ابا جان کو خط لکھ دینا کہ یاسمین کی گود ہری ہونے والی ہے، جب ہم لوٹیں گے یا ابا جان پاکستان آئیں گے تو بچہ دیکھ کر پھولے نہیں سمائیں گے۔ اس طرح ہماری محبت کے درمیان بچے کی وجہ سے جو دیوار حائل ہو رہی ہے خود بخود گر جائے گی۔"
تحسین نے خوش ہو کر کہا۔
"تمہاری تجویز تو معقول ہے، بشرطیکہ باجی راضی ہو جائیں۔"
یاسمین خوشی سے اچھل کر بولی۔
"مجھے تو تمہاری رضامندی کا انتظار تھا، اب تم دیکھو گے کہ ننھا خلیل میری گود میں ہو گا اور ہم اس کے والدین ہوں گے، مَیں خلیل کو اعلیٰ تعلیم دلاؤں گی، بہتر سے بہتر تربیت کروں گی۔"
تحسین یاسمین کو خوابوں کی دنیا میں کھویا ہوا دیکھ کر بولا۔
"وقت سے پہلے اتنی خوشیاں اچھی نہیں ہوتیں، اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئیں تو ناکامی کا غم تمہیں لے ڈوبے گا۔"
یاسمین بگڑ کر بولی۔
"تو کیا تمہیں مجھ پر اور میری باجی پر اعتبار نہیں۔"
"اعتبار تو ہے، لیکن میں قبل از وقت خوش فہمی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا۔"
یاسمین روٹھ گئی، تحسین نے اُسے مناتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ تم تو جانتی ہو کہ ابا جان کے بعد مجھے تم ہی عزیز ہو، تمہاری محبت سے مجبور ہو کر میں نے ابا جان کا دل دکھایا ہے، وہ تو شادی کے دوسرے سال ہی سے مجھے دوسری شادی پر مجبور کر رہے تھے۔ لیکن مجھے تمہاری خوشیاں عزیز تھیں تمہاری خواہشات کا احترام تھا۔

تمہاری محبت نے مجھے ابا جان کی حکم عدولی پر مجبور کیا۔

تمہاری ذات ہی تھی جس کی خاطر میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ بغاوت کی۔ اگر تم مجھے عزیز نہ ہوتیں تو میں نے کبھی کی دوسری شادی کر لی ہوتی۔ تمہیں بھول کر بھی یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ میں تمہارے خوشیاں نہیں چاہتا۔"

یاسمین کا مرجھایا ہوا چہرہ کنول کی طرح کھل گیا اور وہ بے اختیا تحسین سے لپٹ کر بولی۔

"تحسین بچہ نہ ہو سکا تو اس میں کیا قصور، اگر باجی راضی نہ ہوئیں تو میں تمہارے لئے دوسری لڑکی تلاش کروں گی، جو ابا جان کی دولت کا وارث جنم دے سکے اور میں زندگی بھر تم دونوں کی خدمت کر کے خوش رہوں گی۔"

تحسین نے یاسمین کو پیار سے بھینچتے ہوئے کہا۔

"دوسری شادی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا، میری تو یہی دلی خواہش ہے کہ ہم ایک ساتھ جیئں اور ایک ساتھ مریں۔"

تحسین خاموش ہو گیا، یاسمین نے تحسین کو کریدتے ہوئے کہا۔

"تحسین تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے، ہم پر ابا جان کی خواہشات کا احترام فرض ہے، قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، اگر قدرت کو یہی منظور

ہے تو ہمیں اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے"۔

"یہ مجھ سے نہ ہو گا یاسمین، میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا کہ میری تنہائیوں میں یاسمین کے علاوہ اور کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے ابا جان کی دولت جائیداد کاروبار سے ہاتھ دھونا پڑا تو میں یہ بھی گوارا کر لوں گا۔ لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتا"

تحسین کے خیالات یاسمین کے لئے خوش آئند ضرور تھے، لیکن وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ بے پناہ دولت، وسیع جائیداد اور کاروبار اس کے ہاتھ سے جاتا رہے اور مفلس و کنگال تحسین اس کے لئے رہ جائے، اس نے تحسین کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو میں باجی کے بچے کو گود لینا چاہتی ہوں، تاکہ اپنا مقصد بھی پورا ہو جائے اور سب کچھ ہمارے ہی پاس رہے۔ تم کل ہی ڈیڈی کو خوشخبری دے دینا کہ ولایت میں علاج کے بعد یاسمین بہت جلد بچہ کی ماں بننے والی ہے"

تحسین نے یاسمین کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"اگر بات بن گئی تو کل ہی ابا جان کو تار دے دوں گا"

تحسین خاموش ہو گیا اور یاسمین مستقبل کے حسین سپنوں میں کھو گئی۔

راشدہ یاسمین کے پاس جانے کے لئے تیار ہو کر سنگھار میز کے شیشے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ شریف نے راشدہ کو دیکھ کر کہا۔

"چشمِ بددور، آج تو نظر لگ رہی ہے۔"

"بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔"

راشدہ نے شرماتے ہوئے کہا، شریف نے راشدہ کو اپنی باہوں میں بھینچ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"راشدہ ہو سکتا ہے دنیا میں تم سے زیادہ حسین اور دلکش عورتیں موجود ہوں، لیکن جو بات تم میں ہے وہ کسی اور میں نہیں ہو گی۔ تم ہر لباس میں حسین لگتی ہو، تم کیا ہو یہ میرے دل سے پوچھو، جو کپڑے تم نے پہنے ہوئے ہیں گو وہ انتہائی قیمتی نہیں، لیکن تمہارے جسم پر یہ کپڑے بڑے ہی دلفریب لگتے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے حور اتر آئی ہے۔"

راشدہ نے خود کو شریف کی باہوں سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"جناب شاعر کب سے ہو گئے۔"

"جب سے تمہیں دیکھا ہے، شاعری کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

راشدہ شریف کو محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے گلے میں وہ جڑاؤ ہار پہنا جو شریف چودھری سے مانگ لایا تھا۔ ہار پہننے کے بعد راشدہ نے دوبارہ شیشے میں اپنا جائزہ لیا اور خود ہی شرما گئی، شریف بولا۔

"وہ جڑاؤ ہار دیکھ کر تمہاری بہن کی امارت کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا، ایسا ہار قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ چودھری صاحب کہہ رہے تھے یہ ہار ان کے ایک عزیز نے پیرس سے ان کی بیٹی کے لئے بھیجا ہے۔"

راشدہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اس ہار نے ہماری مفلسی کی لاج رکھ لی۔"

شریف ہنس کر بولا۔

"سچ پوچھو تو تم بغیر زیور کے ہی خوبصورت لگتی ہو۔"

راشدہ شریف کی باتوں پر بار بار شرما رہی تھی اور شریف اس کی ان اداؤں پر مرا جا رہا تھا، راشدہ تیار ہو کر یاسمین کی کار کے انتظار میں ٹہلنے لگی۔

راشدہ کو بے قرار دیکھ کر شریف نے مذاق کیا۔

"معلوم ہوتا ہے امیر بہن غریب بہن کو بھول گئی۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا، یاسمین کی کار ضرور آئے گی۔"

راشدہ نے ابھی جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ باہر سے کار کے ہارن کی آواز آئی۔ راشدہ خلیل کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں خلیل کو لے جا رہی ہوں، آپ شکیل کا خیال رکھیں۔"

راشدہ خلیل کو لئے کمرے سے نکل گئی اور شریف شکیل کے ساتھ لیٹ گیا۔

یاسمین راشدہ کو لئے کمرے میں داخل ہوئی تو تحسین راشدہ کے احترام میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یاسمین نے راشدہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"تحسین یہ ہیں میری باجی، میری جان، میری زندگی، تم ان سے مل کر یقیناً خوش ہو گے۔"

تحسین نے راشدہ کو سلام کیا، راشدہ نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔ تحسین چند لمحوں تک راشدہ کو دیکھتا رہا۔ راشدہ کو اپنی توقعات سے زیادہ خوش شکل، خوش لباس اور خوش مزاج پایا اور راشدہ کی امارت کا اندازہ اُس نے راشدہ کے گلے میں پڑے ہوئے جڑاؤ ہار سے لگا لیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یاسمین ٹھیک ہی کہتی تھی کہ باجی فردوسِ بریں۔ خلدِ حسین میں رہتی ہیں، دولت میں کھیلتی ہیں۔ تحسین نے راشدہ کے حُسنِ صورت اور حُسنِ امارت سے مرعوب ہو کر نظریں جھکا لیں اور جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ کہنے لگا۔

"رات یاسمین نے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا تھا، میں خود آپ کی کوٹھی پر حاضر ہونا چاہتا تھا، لیکن یاسمین نے جب بتایا کہ آج آپ خود آنے والی ہیں تو مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

راشدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تحسین بھائی ہم غریبوں کے ایسے نصیب کہاں، محلوں میں رہنے والے جھونپڑوں کا رُخ کہاں کرتے ہیں"

تحسین نے راشدہ کی حقیقت پسندانہ باتوں کو کسرِ نفسی جان کر کہا۔

"یہ بات نہیں باجی — دراصل مجھے آپ کی کوٹھی کا علم نہیں تھا ورنہ میں ہوٹل میں نہ ٹھہرتا"

"بار بار کوٹھی کہہ کر کیوں شرمندہ کر رہے ہیں جھونپڑا کہیئے"

بات بگڑتی دیکھ کر یاسمین بیچ میں بول اٹھی۔

"دیکھا تحسین میری باجی کتنی سیدھی ہیں"

تحسین نے یاسمین کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"دولت خدا کا عطیہ ہے۔ دولت مندوں کو آپ جیسی ہستیوں سے سبق سیکھنا چاہیئے، قدرت نے سب کچھ دے رکھا ہے لیکن نہ تو غرور ہے نہ تمکنت، لطف کی بات تو یہی ہے کہ انسان کے پاس سب کچھ ہو لیکن وہ اس کے اظہار سے گریز کرے۔

نمود و نمائش بے معنی باتیں ہیں۔ خدا کو یہ باتیں پسند نہیں"

تحسین راشدہ کی تعریف کرتے کرتے رُک کر بولا۔

"باجی آپ سے ایک شکوہ ہے"

"وہ کیا"

راشدہ سوالیہ نظروں سے تحسین کو دیکھنے لگی تحسین بولا۔

"آپ ہماری شادی میں شریک نہیں ہوئیں"۔

یاسمین نے بات کو سنبھالا دیتے ہوئے کہا۔

"شکوہ تو آپ اس وقت کرتے جب باجی پاکستان میں ہوتیں، وہ تو دولہا بھائی کے ساتھ ملک سے باہر گئی ہوئی تھیں"۔

تحسین نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم نہ تھا ورنہ شکوہ کیوں کرتا"۔

راشدہ بولی۔

"یاسمین میری چھوٹی بہن ہے، جو مجھے تکیل کی طرح عزیز ہے"۔

یاسمین نے راشدہ کی ہمدردی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"باجی آپ کی یاسمین مصیبت میں گھری ہوئی ہے کاش آپ....."

راشدہ نے یاسمین کی بات کاٹتے ہوئے تحسین کو مخاطب کر کے کہا۔

"مجھے یاسمین کی پریشانی اور آپ کی مجبوریوں کا علم ہے، ابھی اسکی عمر ہی کیا ہے، خدا نے چاہا تو آج نہیں کل اس کی گود ہری ہو جائے گی"۔

تحسین افسردہ لہجے میں بولا۔

"باجی میں نے ان کا بہتر سے بہتر علاج کرایا، لیکن مجھے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا، اس کے باوجود مجھے یاسمین سے کوئی شکوہ نہیں، کوئی شکایت نہیں۔ لیکن اباجان کی خوشیوں کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا، وہ پوتے کے لئے بے چین ہیں اور ان کی بے چینی کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ وہ میری دوسری، تیسری شادی کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

مگر میں دوسری شادی کے حق میں نہیں، ابا جان کا اصرار مجبوری بن گیا ہے۔ ایک طرف مجھے یاسمین کی زندگی کا خیال ہے اور دوسری طرف میں ابا جان کا حکم بھی ٹال نہیں سکتا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، بہتر ہے آپ ہی میری اس الجھن کا کوئی حل تلاش کر دیں، میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

راشدہ تحسین کے دکھ درد کو جان کر بولی۔

"بھائی جان یاسمین کے لئے میری جان بھی حاضر ہے، اگر میں کچھ کر سکتی تو یہ میری خوش قسمتی ہوتی۔ کون بہن ہے جو بہن کا سہاگ اجڑتا دیکھے اور خاموش رہے —"

یاسمین نے راشدہ کی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوش ہو کر کہا۔

"تحسین کیوں نہ ہم ننھے خلیل کو اپنا بیٹا بنا لیں۔"

تحسین خوش ہو کر بولا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، یہ تو میری خوش قسمتی ہو گی، مگر باجی سے تو پوچھ لو۔"

راشدہ کے کہنے سے پہلے یاسمین بول اٹھی۔

"تحسین یہ میری بہن ہے۔ میری خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گی۔"

پھر یاسمین راشدہ سے مخاطب ہو کر بولی۔

"کیوں باجی ٹھیک ہے۔"

راشدہ خاموش تھی۔ اُس سے نہ تو ہاں کہتے بنی اور نہ کہتے "راشدہ کی خاموشی کو تحسین نے رضامندی کی علامت سمجھ کر کہا۔

"باجی آپ جیسی بہنیں قابلِ فخر ہیں، جو بہن کے لئے بڑے سے بڑے ایثار سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔"

تحسین اور یاسمین خوشی میں نجانے کیا کچھ کہتے رہے، لیکن راشدہ ان کی باتوں سے بے نیاز گم سم بیٹھی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یاسمین اُس سے اتنے بڑے ایثار کی توقع رکھے گی، وہ خلیل کی جدائی کے تصور سے کانپ اٹھی۔

وہ اُس وقت کو برا بھلا کہہ رہی تھی جب یاسمین اس سے ملی تھی اور پھر اُسے ڈسنے اس کے گھر تک چلی آئی تھی۔

اب اُسے یاسمین کی محبت، یاسمین کا پیار، یاسمین کا خلوص سب ایک فریب، ایک ڈھکوسلا نظر آرہا تھا۔ اُس نے محض خلیل کو اُس سے چھیننے کے لئے یہ ناٹک رچایا۔ اُسے گھر بلا کر لوٹ لیا تھا۔

راشدہ خاموشی سے سنگھار میز کے سامنے بیٹھی تھی تحسین اور یاسمین کے الفاظ اُس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ خیالات کی گہرائیوں سے ابھری تو اس کی نظر گلے پر پڑی۔ گلے میں ہار نہ پا کر خوف سے راشدہ کی چیخ نکل گئی، چیخ کی آواز سُن کر شریف دوڑا ہوا کمرے میں آیا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے راشدہ"

راشدہ نے رُکتے رُکتے کہا:

"ہار — کہیں گم ہو گیا ہے"

شریف دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا، جب اُس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، شریف نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"خداوند کیا سارے امتحان ہم غریبوں کے لئے رہ گئے ہیں"۔ پھر راشدہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"راشدہ کیا خلیل کی جدائی کی خبر ہی کم تھی، جو تم نے ایک اور منحوس خبر سنا دی"

راشدہ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سرتاج ـــ خدا گواہ ہے میں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ یاسمین نے مجھے اس کا موقعہ ہی نہیں دیا۔"

شریف چند لمحوں تک خلاء میں گھورتا رہا پھر انتہائی دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

"جاؤ راشدہ خلیل کو یاسمین کی گود میں ڈال آؤ، میں اپنا سب کچھ بیچ کر ہار کا بندوبست کرتا ہوں، پھر ہم یہ منحوس شہر ہی چھوڑ دیں گے۔"

راشدہ خلیل کو سینے سے چمٹا کر بولی۔

"سرتاج یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ میں اپنا خلیل اپنے ہاتھوں یاسمین کی گود نہیں ڈال سکتی، مجھ میں اتنی سکت، اتنی ہمت نہیں، میرا امتحان نہ لو میرے مالک۔"

"مگر اب اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے، اگر تم وہاں نہیں جاؤ گی تو یاسمین یہاں آجائے گی اور تم سے تمہارا خلیل چھین کر لے جائے گی۔ بہتر ہے ہنستے ہوئے تم خلیل کو یاسمین کی گود میں ڈال دو۔ شاید قدرت نے ہمارے حالات پر ترس کھا کر خلیل کا مستقبل سنوارنے کے لئے یاسمین کے دل میں خلیل کا پیار جگایا ہے۔"

راشدہ سوچتی رہی۔

تڑپتی رہی۔

مچلتی رہی۔

لیکن وہ کسی فیصلے پر پہنچ نہ سکی، اُس کے سامنے دو راستے تھے یا تو وہ خلیل کو یاسمین کے حوالے کر دے اور ہمیشہ کے لئے خلیل کو بھول جائے یا پھر یاسمین کو صاف انکار کر دے۔

پہلے راستے میں اُس کے بچے کا درخشاں مستقبل اس کو آوازیں دے رہا تھا۔

اور دوسرے راستے پر بھوک، افلاس، عزت اس کا مقدر نظر آ رہی تھی۔

راشدہ رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتی رہی، ساتھ ہی شریف بھی جاگتا رہا۔

راشدہ کی الجھنیں اپنی تھیں

شریف کے سامنے اپنی الجھنیں تھیں۔

دونوں ایک ہی کشتی میں سوار تھے، ایک کے سامنے ممتا کھڑی تھی، دوسرے کے سامنے چودہری، جس نے اُس پر بھروسہ کر کے جڑاؤ ہار اُس کے حوالے کر دیا تھا اُس پر اعتماد کیا تھا۔

شریف چودہری کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر چودہری کے ہار کا بندوبست کرنے کی ٹھان لی تھی

شریف بے بس نظروں سے راشدہ کو دیکھتا رہا اور راشدہ مجرموں کی طرح اس سے نظریں چرانے کی کوشش کرتی رہی۔

صبح سویرے راشدہ خلیل کو لئے یاسمین کے پاس پہنچی، تحسین ابھی سو رہا تھا، راشدہ خلیل کو یاسمین کی گود میں ڈال کر لوٹنے لگی تو یاسمین نے راشدہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"باجی —— تمہارا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

راشدہ خاموشی سے نکل گئی، راشدہ کے جاتے ہی خلیل رونے لگا۔ خلیل کے رونے کی آواز سن کر تحسین اٹھ بیٹھا، یاسمین کو بچے کو بہلاتے دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

"یاسمین باجی کتنی عظیم ہیں، اگر مذہب اجازت دیتا تو میں ان کی پرستش کرتا، خدا کرے میں بھی کسی دن باجی کے کام آ سکوں، تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، ہم چل کر باجی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

یاسمین نے گھبرا کر کہا۔

"اب ہمیں فوراً لاہور چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ باجی ممتا سے مجبور ہو کر خلیل کو واپس لینے آ جائیں۔"

"نہیں یاسمین، باجی ایسا نہیں کریں گی، یقیناً انہوں نے سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا ہے۔ اگر وہ ایسا کریں بھی تو ہم ان کا راستہ روک نہیں سکتے۔"

یاسمین بگڑتے ہوئے بولی۔

"اب خلیل کو میں کسی صورت اُن کے حوالے نہیں کروں گی ہیں خلیل کو مانگنے ان کے گھر تھوڑی گئی تھی وہ خود دینے آئی تھیں، میرا کہا مانو —— کراچی چلنے کی تیاری کرو ——"

تحسین بگڑ کر بولا۔

"یاسمین اتنی خود غرض نہ بنو، ماں کی ممتا تم کیا جانو، اگر باجی نے تمہارا سہاگ بچانے کے لئے ایثار کیا ہے تو ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیئے، باجی عظیم ہیں ان کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

یاسمین نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تحسین میں نے باجی کا ایک ہزار ایک مرتبہ شکریہ ادا کیا ہے اب اگر تم خلیل کو دوبارہ ان کی نظروں کے سامنے لے جاؤ گے تو یہ اُن پر ظلم ہو گا۔ اس طرح تم اُن کی ممتا کی آگ جان بوجھ کر بھڑکانا چاہتے ہو۔ باجی نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میں جلد از جلد یہ شہر چھوڑ دوں تا کہ ان کی ممتا کو قرار آجائے۔"

تحسین نے یاسمین کی بات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد کہا۔

"تم ٹھیک کہتی یاسمین، باجی کے پاس ہمارا جانا ٹھیک نہیں، ہم آج ہی لاہور چھوڑ دیں گے۔ ویسے بھی مجھے کاروبار کے سلسلے میں کراچی جانا ہے۔"

یاسمین خوش ہو کر خلیل سے کھیلنے لگی، یاسمین کی گود میں خلیل کو مچلتے دیکھ کر تحسین بھی پھولا نہ سمایا۔

آج ان کی مشکلوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

آج وہ خلیل کے ماں باپ بن کر سیٹھ اسماعیل کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

سازش میں سیٹھ اسماعیل کا خون بھی شامل تھا۔

تحسین نے اسی وقت سیٹھ اسمٰعیل کو تار کے ذریعے اطلاع دے دی کہ یاسمین امید سے ہے اور بہت جلد آپ کے پوتے کو جنم دینے والی ہے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد تحسین نے کراچی کے لئے سیٹیں بک کرائیں اور بڑی بے چینی سے شام ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

یاسمین کو ہر لمحہ اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں راشدہ یا اُس کا شوہر نہ آجائے، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر وہ خلیل کو لئے بازار چلی گئی۔

ڈھیر سارے کھلونے، کپڑے خرید کر جب لوٹی تو تحسین مسکرا اٹھا۔ یاسمین کو پیار بھری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خلیل کی ماں ہم بھی تو دیکھیں منے کے لئے کیا کچھ لائی ہو۔"

یاسمین نے تمام کھلونے، کپڑے تحسین کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور وہ مسکرا اُٹھا۔

شریف نے اپنا سب کچھ فروخت کر کے بازار سے جڑاؤ ہار خریدا اور چودہری کو دیتے ہوئے بولا۔

"چودہری صاحب آپ کی امانت لوٹا رہا ہوں، دیکھ لیجیے"۔

چودہری صاحب نے ہنس کر کہا۔

"ایسی بھی کیا بے اعتباری ہے"۔

"امانت امانت ہی ہوتی ہے چودہری صاحب"۔

چودہری نے کہا۔

"تم بہت سیدھے ہو شریف"۔

چودہری نے ہار لے کر بڑی لاپرواہی سے میز کی دراز میں ڈال دیا اور شریف خاموشی سے نکل گیا۔ گو شریف چاہتا تھا کہ چودہری کو بتا دے کہ وہ لاہور چھوڑ رہا ہے لیکن پھر اُس نے چودہری کو بتانا مناسب نہ سمجھا۔

گھر پہنچتے ہی شریف راشدہ اور شکیل کو لئے مری چلا گیا مری میں شریف نے اپنے دوست راجہ سکندر کے گھر پناہ لی، راجہ سکندر شریف کی داستان سُن کر حیران رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا شریف جیسے انسان بھی اس دُنیا میں موجود ہیں

جو اپنی خوشیاں دوسروں کی جھولی میں ڈال کر پھر بھی مسکراتے ہیں۔

شریف کے مری پہنچ جانے سے سکندر کو یک گونا تسکین ہوئی۔

سکندر نے بڑی فراخ دلی سے اپنا کاروبار شریف کے سپرد کر دیا، سکندر فوج کا ریٹائرڈ حوالدار تھا، وطن کا دفاع کرتے ہوئے اُس کا ایک بازو ضائع ہو گیا تھا، پنشن سے گزارہ مشکل تھا اس لئے سکندر نے کچھ رکشے اور چند ٹٹو خرید رکھے تھے جو سیزن میں اس کے لئے معقول آمدنی کا ذریعہ بن جاتے تھے اور بھر سردیاں وہ بغیر کچھ کئے آرام سے گزار دیتا تھا۔ سکندر کی بیوی کو فوت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، صرف ایک لڑکا سلیمان تھا جو دن بھر آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔

سکندر چاہتا تھا کہ وہ پڑھ کر فوج میں افسر بنے، ملک کا دفاع کرے، شہید یا غازی بن کر نام کمائے۔ لیکن سکندر کی یہ خواہش سلیمان پیروں تلے روند رہا تھا، اُسے پڑھائی سے کم اور کھیل سے زیادہ دلچسپی تھی۔

شریف اور شکیل کے مری پہنچنے سے اُسے کچھ امید ہو چلی تھی کہ شاید سلیمان بھی شکیل کے ساتھ سکول جانے لگے اور پڑھائی میں دلچسپی لے، شریف اور راشدہ نے سکندر کی ڈھارس بندھائی کہ وہ شکیل کیساتھ ساتھ سلیمان کی بھی تعلیم و تربیت پر دھیان دیں گے۔ شکیل اور سلیمان میں کوئی فرق محسوس کریں گے۔ سکندر شریف اور راشدہ کی اس یقین دہانی سے بے حد خوش تھا، اب اُسے یقین ہو چلا تھا کہ سلیمان بھی کچھ پڑھ لکھ لے گا۔

مری کا سیزن شروع ہو چکا تھا، دُور دُور سے لوگ پہاڑ پہ گرمیاں گزارنے آ رہے تھے۔ شریف کے لئے روزی کے دروازے کھل گئے تھے۔ وہ دن بھر رکشا

چلاتا، ٹٹو پر نو عمر لڑکے لڑکیوں کو سیر کراتا۔

امیر زادے شریف کی خدمات سے خوش ہو کر اس پر نوٹوں کی بارش کر دیتے اور وہ ان کو سمیٹے تھکا ہارا گھر لوٹتا، اپنی کمائی میں سے آدھی رقم سکندر کے حوالے کرتا اور باقی روپے راشدہ کی جھولی میں ڈال دیتا۔

راشدہ جب سے لاہور کو خیر باد کہہ کر آئی تھی وہ بجھی بجھی سی رہتی تھی خلیل کی جدائی کا صدمہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا، لیکن وہ اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی، جب زیادہ دل بھر آتا تو چپکے چپکے رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی، اس کے سینے میں غم کا الاؤ دہکتا رہا اور وہ خاموشی سے اس آگ میں جلتی رہی۔ راشدہ کی گرتی ہوئی صحت سے شریف کو تشویش تھی، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا علاج ممکن نہیں،

ممتا کی ماری راشدہ کا علاج صرف اس کا خلیل تھا، جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے یاسمین کی گود میں ڈال آئی تھی اور اب خلیل اس سے بہت دور تھا۔

اتنا دور کہ نہ تو وہاں تک راشدہ کی آواز جا سکتی تھی اور نہ وہ خلیل کی آواز سن سکتی تھی۔

شریف نے راشدہ کی حالت دیکھ کر اس سے کہا۔

"راشدہ جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ، اور اب شکیل کی تعلیم و تربیت پر توجہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خلیل کے غم میں تم شکیل سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو"۔

شریف کی اس نصیحت کا راشدہ پر خوشگوار اثر ہوا اور اس نے شکیل کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینی شروع کی۔

شکیل اب سکول جانے لگا تھا۔ شکیل کو سکول جاتے دیکھ کر سلیمان بھی پڑھائی میں دلچسپی لے رہا تھا، شکیل اور سلیمان اکٹھے سکول جاتے، اکٹھے واپس آتے، راشدہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر انہیں پڑھاتی، اچھی اچھی باتیں بتاتی، شکیل دلچسپی سے سنتا، سلیمان یا تو اونگھتا رہتا یا پھر مزے سے لیٹا خراٹے بھرتا رہتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کئی سیزن گزر گئے۔ لیکن نہ تو شریف کے معمول میں فرق نہ آیا اور نہ راشدہ کے، شکیل شریف اور راشدہ کی امیدوں کا واحد سہارا تھا۔

شریف امیر گھرانوں کے بچوں کو بڑے پیار سے ٹٹو پر سیر کراتا، بچے ٹٹو پر بیٹھے ٹٹو کو بھگاتے، شریف ٹٹو کے پیچھے بھاگتا رہتا، اسے بچوں کو سیر کراتے ہوئے یوں محسوس ہوتا جیسے ٹٹو پر کسی اور کا بچہ نہیں بلکہ اس کا اپنا خلیل بیٹھا ہے۔ وہ ان بچوں میں اپنے خلیل کو تلاش کرتا، لیکن مایوس ہو کر وہ بچوں کو اپنے خلیل ہی کی طرح معصوم سمجھ کر پیار کرتا، ان سے باتیں کر کے خوش ہوتا۔

یوں تو مری میں اور لوگ بھی ٹٹو لئے پھرتے، لیکن بچے شریف کے ٹٹو پر سواری کر کے خوش ہوتے۔

اس کی پیار بھری باتیں سننے کے لئے بے چین رہتے۔

اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ شریف کو بچوں سے پیار تھا۔

وہ انہیں ہنستا کھیلتا دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

جب مری کی وادیوں میں بڑے گھرانوں کے بچے خوب صورت گرم کپڑوں میں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے، شکیل حسرت سے انہیں دیکھتا رہ جاتا۔ شکیل کے ننھے سے دل میں بھی اچھے کپڑے پہن کر ان بچوں کی طرح گھومنے

پھرنے اور ان کے ساتھ کھیلنے کی معصوم خواہش کر دیٹھ لیتی، جب شکیل اپنی خواہش کا راشدہ سے ذکر کرتا تو راشدہ پیار سے شکیل کو سمجھا دیتی۔ وقتی طور پر شکیل خاموش ہو جاتا اور پھر چند دنوں بعد اُس کی یہ دبی ہوئی خواہش چنگاری بن کر بھڑک اٹھتی۔

راشدہ کو اس بات کا احساس تھا کہ سیزن ختم ہو رہا ہے سردیاں آنے والی ہیں، شکیل کے پاس گرم کپڑے بالکل نہیں۔

ایک دن جب شریف وادی سے جلانے کی لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے ہوئے مکان میں داخل ہوا، لکڑیوں کا گٹھا ایک طرف رکھ کر چارپائی پر سستانے کے لئے لیٹا تو راشدہ نے شریف سے کہا۔

"شکیل کے پاس گرم کپڑے نہیں، سردیاں سر پر آگئی ہیں ہم تو کسی طرح وقت گزار لیں گے لیکن بچے کیلئے گرم کپڑے ضروری ہیں"۔

شریف خاموشی سے لیٹا راشدہ کی باتیں سنتا رہا، راشدہ کو شریف کی یہ خاموشی ناگوار گزری اُس نے شریف سے شکوہ کیا۔

"تمہیں نہ تو میرا احساس رہا اور نہ شکیل کا، میں کب تک معصوم کو بہلاتی رہوں، جب وہ اور بچوں کو اچھے اچھے کپڑے پہنے ہنستے کھیلتے دیکھتا ہے تو اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور یہ چوٹ مجھے اپنے دل پر محسوس ہوتی ہے"۔

شریف اٹھ بیٹھا اور راشدہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"راشدہ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ تمہارا دل پہلے ہی چوٹوں سے چُور چُور ہے۔ پچھلے سیزن میں تو خرچ بھی مشکل سے پورا ہوتا رہا، سیزن شروع ہونے

والا ہے۔ میں تمہارے اور شکیل کے لئے گرم کپڑے بنا دوں گا، ہمیں اب شکیل کے ساتھ ساتھ سلیمان کا بھی خیال رکھنا ہے، سکندر بھائی تو کام کاج کرنے سے معذور ہیں، سلیمان اور شکیل دونوں دوست ہیں، اکٹھے سکول جاتے ہیں، اکٹھے کھیلتے ہیں۔ اگر میں شکیل کو کپڑے بنا دوں اور سلیمان کو نظرانداز کر دوں تو کیا سلیمان کے دل پر چوٹ نہیں لگے گی۔

کیا معصوم سلیمان کا دل زخمی نہیں ہوگا۔

سکندر بھائی محسوس نہیں کریں گے۔"

شریف کی باتوں میں وزن تھا، حقیقت تھی، جس سے راشدہ انکار نہ کر سکی۔ راشدہ نے شریف کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"اگر کچھ پیسے اکٹھے ہو جائیں تو آپ سکندر بھائی کے ساتھ مل کر ایک ٹیکسی بنا لیں، مجھے یہ رکشہ اور ٹٹو کچھ اچھے نہیں لگتے۔

شریف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بعض کام ایسے ہوتے ہیں بیگم کہ انسان باوجود ناپسند کرنے کے انہیں کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ میں رکشا چلا کر ٹٹو بھگا کر خوش ہوتا ہوں۔ سب کچھ مجبوری کی خاطر کر رہا ہوں۔ یہاں کسی سے واقفیت نہیں، کوئی مجھ پر کیسے اعتماد کرے گا۔ آئے دن ٹیکسی ڈرائیوروں کے متعلق یہ خبریں سنتا ہوں کہ کوئی ٹیکسی لے اڑا، کوئی مالک کو روپے نہیں دیتا۔ میں بھی سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔ سکندر بھائی نے ہمیں سہارا دیا ہے میں انہیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔"

راشدہ شریف کی باتیں سن کر خاموش ہو گئی۔

خلیل کی پانچویں سالگرہ پارٹی پر بے شمار بچے مرد اور خواتین اکٹھے تھے، تحسین کی کوٹھی کا ہال کمرہ نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ ایک طرف میز پر تحفوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہال کے وسط میں ایک میز پر تین منزلہ برتھ ڈے کیک رکھا ہوا تھا، جس پر پانچ ننھی ننھی موم بتیاں روشن تھیں۔

خلیل سیٹھ اسمٰعیل کی گود میں بیٹھا تھا، یاسمین خلیل کی سالگرہ پر بے حد مسرور دکھائی دے رہی تھی۔ جب سب مہمان آگئے تو سیٹھ اسمٰعیل خلیل کو لئے میز کے قریب پہنچے، خلیل نے پھونکوں سے موم بتیاں بجھا دیں۔

سیٹھ اسمٰعیل نے خلیل کا ہاتھ پکڑ کر برتھ ڈے کیک کاٹنے میں مدد دی، تالیوں کی گونج میں بچوں نے "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" کا راگ الاپا۔

ننھی ننھی بچیوں نے رقص کیا، گیت گائے اور پھر پُر لطف ضیافت کا لطف اٹھایا۔

سیٹھ اسمٰعیل خوش تھے۔

تحسین خوش تھا۔

اور سب سے زیادہ خوشی یاسمین کو تھی۔

رانی بھی یاسمین کی خوشیوں میں برابر کی شریک تھی۔

ماحول میں خوشیاں رچی ہوئی تھیں، سیٹھ اسمٰعیل نے خلیل کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹے اب میں تھک گیا ہوں، بس تم جلدی سے بڑے ہو کر میرا تمام کاروبار سنبھال لو۔"

خلیل نے معصومیت سے کہا۔

"دادا جان کار میں لے لوں گا بار ڈیڈی کو دے دیجئے۔"

خلیل کے اس جواب پر سیٹھ اسمٰعیل قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، تحسین بھی خلیل کی حاضر جوابی پر مسکرا رہا تھا کہ ننھی سے عقل نے بوڑھی عقل کو لاجواب کر دیا۔

یاسمین اور رانی کا ردِ عمل کچھ عجیب تھا، سیٹھ اسمٰعیل ہنس کر بولے۔

"خدا نظر بد سے بچائے، یہ تو تحسین کے بھی ناک کان کاٹے گا۔"

ہونہار خلیل سے سیٹھ اسماعیل نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ انہی توقعات کے پیشِ نظر سیٹھ اسمٰعیل نے اس خوشی کے موقعہ پر اعلان کیا کہ میں نے اپنی تمام جائیداد خلیل کے نام کر دی ہے۔

تحسین یہ اعلان سن کر خوش ہوا، ہر شخص پر اس کا خوشگوار ردِ عمل ہوا، لیکن یاسمین نے سیٹھ کے اس اقدام کو اپنے حقوق پر ڈاکہ تصوّر کیا۔ رانی بھی سیخ پا ہو گئی۔ سالگرہ کی ساری خوشیاں ماند پڑ گئیں۔

کئی دن تک یاسمین کا موڈ آف رہا، جب تحسین نے ناراضگی کی وجہ پوچھی تو یاسمین پھٹ پڑی۔

"اباجان نے تمام جائیداد خلیل کے نام لکھ دی اور ہم دونوں کو نظر انداز کر دیا۔"

تحسین یاسمین کی ناراضگی کی وجہ جان کر حیران رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یاسمین کو دولت اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔ تحسین نے یاسمین کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔

"یاسمین تم غلط سوچ رہی ہو، اباجان نے تمام جائیداد اور دولت خلیل کے نام اسی لئے کی ہے کہ وہ ہماری اولاد ہے، کیا تم خلیل کو اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں"۔

یاسمین نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"خلیل ہمارا بیٹا ضرور ہے، لیکن میں یہ بھی تو برداشت نہیں کر سکتی کہ ہم اولاد کے آگے ہاتھ پھیلائیں"

تحسین نے یاسمین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جب ڈیڈی نے تمام کاروبار، جائیداد اور دولت میرے نام کر دی تھی تو کیا وہ میرے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے تم خواہ مخواہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتی ہو۔"

یاسمین نے غصّہ سے کہا۔

"تحسین جو بات مجھے پسند نہیں وہ میں برملا کہہ دیتی ہوں، خواہ وہ بُری ہی لگے، مجھے اباجان کے اس فیصلے سے دکھ ہوا۔"

تحسین نے یاسمین کے بگڑتے ہوئے موڈ پر تیل چھڑکا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں چور ہے۔ تم خلیل کو اپنا بیٹا بنا کر بھی اُسے

اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں۔ شاید نہیں اس بات کا خطرہ ہو کہ خلیل بڑا ہو کر کہیں ہمیں دھوکا نہ دے۔"

یاسمین نے تحسین کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ اس کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ تحسین بولا۔

"پہلے تو یہ بات ممکن نہیں، خلیل کے متعلق یا تو تم جانتی ہو یا میں، یا پھر باجی اور بھائی جان۔ باجی اور بھائی جان کے متعلق میں یہ سوچنا بھی ان کی توہین سمجھتا ہوں کیونکہ خدا نے انہیں ہم سے زیادہ دیا ہے اور پھر انہوں نے جو ایثار اور قربانی کی ہے وہ شاید کوئی اور نہ کر سکے، رہا سوال خلیل کا اگر خلیل بڑا ہو کر ہم سے بغاوت کر جائے تو اس میں بھی میں اپنا قصور سمجھوں گا کیونکہ خلیل کی تم جس انداز سے تربیت کرو گی اُسی طرح وہ سوچے گا۔"

یاسمین خاموش تھی، تحسین نے اس کے دل کا چور پکڑ لیا تھا اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ تحسین مزید کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا اور یاسمین رانی کے ساتھ باتیں کرتی رہی باتوں کا موضوع سیٹھ اسمٰعیل اور اُن کی جائیداد تھا۔

گرمی آہستہ آہستہ اپنا رنگ جما رہی تھی دولت مند گرمی سے گھبرا کر ٹھنڈے مقامات کا رُخ کر رہے تھے۔ یاسمین ویسے ہی سیٹھ اسمٰعیل سے کھنچی کھنچی رہتی تھی۔ گرمیاں شروع ہوئیں تو اُسے سیٹھ اسمٰعیل سے دور رہنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اس نے مری جانے کا پروگرام بنایا، تحسین نے اجازت دے دی، لیکن سیٹھ اسمٰعیل کی اجازت کے بغیر وہ خلیل کو مری بھیجنے پر رضامند نہ ہوا۔

وہ جانتا تھا کہ سیٹھ اسمٰعیل خلیل کے بغیر ایک دن بھی تنہا نہیں رہ سکتے، پھر بھی اُسے امید تھی کہ وہ خلیل کو یاسمین کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

ایک دن تحسین نے سیٹھ اسمٰعیل کو خوشگوار موڈ میں دیکھ کر یاسمین اور خلیل کو مری بھیجنے کی اجازت طلب کی، پہلے تو سیٹھ اسمٰعیل خاموش رہے پھر انہوں نے تحسین سے کہا۔

"یاسمین اور خلیل کا تنہا مری جانا ٹھیک نہیں تم بھی اُن کے ساتھ چلے جاؤ۔"

تحسین نے اپنی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"اباجان کاروباری مصروفیات کی وجہ سے میں ان کے ساتھ نہ جا سکوں گا، ان سے نبٹ کر میں بھی کچھ دنوں کے لئے مری ہو آؤں گا۔ بہتر تو یہی ہے

کہ آپ چلے چلیں۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"سیر و تفریح تو نوجوانوں کا کام ہے، بڑھاپے میں سیر و تفریح کا لطف کیا آئے گا۔"

خلیل نے اپنے دادا جان کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا۔

"دادا جان آپ نہیں چلیں گے تو ہم بھی نہیں چلیں گے"۔

اس سے پہلے کہ سیٹھ اسماعیل ہاں یا نہ کا جواب دیتے یاسمین نے خلیل کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"خلیل بدتمیزی نہیں کرتے، اگر تمہارے دادا جان جانا نہیں چاہتے تو انہیں مجبور نہ کرو۔"

سیٹھ اسماعیل نے یاسمین کی طرف دیکھتے کہا۔

"بہو تم نے یہ کیسے جان لیا کہ میں مری نہیں جانا چاہتا، میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

یاسمین نے اپنی خفت مٹاتے ہوئے کہا۔

"آپ تحسین سے کہہ رہے تھے اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ آپ مری جانا نہیں چاہتے۔"

"غلط، بالکل غلط، تم نے میری بات ہی نہیں سمجھی، جب خلیل یہاں نہیں ہو گا تو ہم اکیلے یہاں کیا کریں گے۔"

"جی"

یاسمین نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں، ہم بھی اپنے بیٹے کے ساتھ مری جائیں گے، جوانی تو افریقہ میں گرمی کے تھپیڑے کھاتے گزر گئی اب بڑھاپے میں پہاڑ کا لطف اٹھانے کی کوشش کریں گے"۔

سیٹھ اسمٰعیل کا فیصلہ یاسمین پر بجلی بن کر گرا، وہ تو سیٹھ اسمٰعیل سے دور بھاگنا چاہتی تھی، لیکن سیٹھ اسمٰعیل سائے کی طرح اس کا تعاقب کر رہے تھے، کچھ دیر تک یاسمین عجیب کش مکش میں مبتلا رہی پھر کچھ سوچ کر بولی

"جب آپ مری جا رہے ہیں تو پھر میرا کیا کام، تحسین یہاں اکیلے ہوں گے۔ آپ اور خلیل مری چلے جائیں"۔

سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے خلیل سے محبت ہے اور خلیل کو ماں سے، وہاں جا کر خلیل تمہارے بغیر اداس ہو جائے گا۔ تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا"۔

یاسمین کچھ جواب نہ دے سکی، عجیب کش مکش میں مبتلا دکھائی دے رہی تھی، تحسین نے یاسمین سے کہا۔

"یاسمین اب تمہیں کیا ہو گیا، مری جانے کا پروگرام تو تم نے بنایا تھا"

یاسمین نے جلدی سے کہا۔

"وہ تو خلیل کی خاطر میں مری جا رہی تھی، ابا جان کو جاتے دیکھ کر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں، اور جب تم مری جاؤ تو تمہارے ساتھ ہی چلی جاؤں"۔

یاسمین کے اس جواب پر سیٹھ اسمٰعیل مطمئن نہیں ہوئے انہوں نے کہا۔

"یاسمین اگر میری وجہ سے تم مری جانا نہیں چاہتیں تو صاف صاف بتا دو، میں مری ہرگز نہیں جاؤں گا، تم خلیل کو لے کر چلی جانا، میں وہاں سیروتفریح میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں گا۔"

یاسمین پھر بگڑ گئی تھی یاسمین کے دل کی حالت عجیب تھی، دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ تحسین نے یاسمین کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"یاسمین مری جانے کے لئے تیار ہو جاؤ، ابا جان بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔"

یاسمین نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں نے ابا جان کے ساتھ مری جانے سے کب انکار کیا ہے۔"

سیٹھ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم لاکھ اپنی صفائی پیش کرو، بات وہی تھی جو ہم نے کہہ دی۔"

یاسمین سیٹھ اسمٰعیل کی بات سن کر اپنے کمرے میں چلی گئی خلیل دادا جان کے مری جانے کی خوشی میں ان سے لپٹ کر اپنی مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔

یاسمین بڑی بددلی کے ساتھ مری جانے کی تیاریاں کر رہی تھی اُس کا دل تو نہ چاہتا تھا کہ تحسین اور سیٹھ اسمٰعیل کے آگے ہتھیار ڈال دے لیکن دوسرے ہی لمحے اُسے اپنی بے بسی کا خیال آیا، سوائے کوٹھی کے اور اُس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

سیٹھ اسمٰعیل سے اُسے چڑ سی ہو چلی تھی۔ کبھی وہ سوچتی کہیں سیٹھ اسمٰعیل

کو ان کی سازش کا علم تو نہیں ہو گیا۔ کبھی اس کا ذہن سرفراز کی طرف جاتا، لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خاموش ہو جاتی کہ اگر سیٹھ اسمٰعیل کو خلیل کی اصلیت کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی بھی اپنی تمام جائیداد اُس کے نام نہیں کر سکتے تھے۔ آخر میں اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ خلیل کو اپنے ہاتھ میں رکھے گی اُس کی تربیت اس انداز سے کرے گی کہ وہ سیٹھ اسمٰعیل اور تحسین سے زیادہ اس کا خیال رکھے۔ اس خیال سے اُسے کچھ تسکین ہوئی۔

یاسمین، خلیل، گورنس اور سیٹھ اسمٰعیل کو ائیرپورٹ پر خدا حافظ کہنے تحسین موجود تھا۔ خلیل کو پیار کرتے ہوئے تحسین یاسمین سے کہنے لگا۔

"مری میں میں نے تمام انتظامات کرا دیئے ہیں، تمہیں کسی چیز کی تکلیف نہیں ہو گی، اباجان کا خاص خیال رکھنا، اگر کاروبار سے فرصت مل گئی تو میں بھی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

گرمی کی حدت میں جوں جوں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مری کی گہما گہمی بڑھتی جا رہی تھی، پاکستان کے کونے کونے سے لوگ گرمی کی تپش سے بچنے مری کا رُخ کر رہے تھے۔

مری کے ہوٹل آباد تھے۔

مری کی مال روڈ پر حُسن تھا۔

مری کی وادیوں میں نوجوان مرد اور عورتوں کے قہقہے گونج رہے تھے، شریف لوگوں کی بڑھتی ہوئی کثرت سے بے حد خوش تھا کہ اس مرتبہ سیزن میں وہ شکیل اور راشدہ کے لئے بہت کچھ کمائے گا۔

وہ دن رات محنت کر رہا تھا۔

مری کی سرد وادی میں شریف کا پسینہ بہتا اور اس کی جیب وزنی ہو جاتی۔ شریف کے دوڑتے ہوئے قدموں تلے اس کی جوانی روندی جا رہی تھی۔ لیکن وہ خوش تھا کہ وہ اپنے لئے نہ سہی شکیل اور راشدہ کے لئے ضرور کچھ کرے گا۔

شریف کے مضبوط ہاتھ رکشا کھینچتے رہے۔

شریف کے مضبوط قدم ٹٹو کے پیچھے دوڑتے رہے۔

راشدہ کی آنکھیں شریف کی حالت دیکھ رہی تھیں، اُس کا دل سینے میں مچل رہا تھا لیکن وہ شریف سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

کشمیر پوائنٹ پر ایک خوبصورت سی کوٹھی کے ایک کمرے میں سیٹھ اسمٰعیل کرسی پر لیٹے اخبار پڑھ رہے تھے۔

دوسرے کمرے میں یاسمین کی نظریں ایک ناول پر جمی ہوئی تھیں تیسرے کمرے میں خلیل اور اس کی گورنس کسی کھیل میں مصروف تھے، کھیلتے کھیلتے خلیل اُٹھ کر بھاگا اور سیدھا سیٹھ اسمٰعیل کے کمرے میں پہنچا۔ سیٹھ اسمٰعیل نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر خلیل کو دیکھا۔ خلیل بولا۔

"دادا جان آیئے مال روڈ کی سیر کریں"۔

سیٹھ اسمٰعیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹا تم اپنی ممی کو ساتھ لے جاؤ، ہم اس وقت پڑھنے کے موڈ میں ہیں"

خلیل سیٹھ اسمٰعیل سے مایوس ہو کر یاسمین کے کمرے میں بھاگتا ہوا داخل ہوا۔ اور یاسمین سے لپٹ کر بولا۔

"ممی چلئے سیر کر آئیں"

یاسمین نے خلیل کو جھڑکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تنگ نہ کرو، گورنس سے کہو وہ تمہیں سیر کرا لائے گی"۔

یاسمین کی ڈانٹ سن کر خلیل خاموشی سے کمرے سے نکل گیا گورنس بھی خلیل کی تلاش میں کمرے تک پہنچ گئی تھی، یاسمین کی ڈانٹ اُس نے بھی سن لی تھی خلیل کو پیار کرتی ہوئی بولی۔

"ہم آپ کو سیر کرائیں گے"۔

خلیل خوش خوش گورنس کے ساتھ گھر سے نکلا، گورنس خلیل کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ مال پر سے گزر رہی تھی، خلیل اور بچوں کو ٹٹو پر سواری کرتے دیکھ کر مچل گیا، خلیل کے پیچھے شریف اپنا ٹٹو لئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ جب شریف خلیل کے قریب سے گزرا خلیل ٹٹو پر سواری کے لئے ضد کرنے لگا، گورنس نے شریف کو آواز دے کر کہا۔

"ہمارے چھوٹے صاحب کو بھی ٹٹو کی سواری کراؤ"۔

شریف چند لمحوں تک خلیل کو دیکھتا رہا، اُسے خلیل بڑا ہی پیارا لگا، اُسے اپنا خلیل یاد آگیا۔ بالکل وہی ناک نقشہ وہی آنکھیں، وہی خوبصورت سی پیشانی۔ شریف نے بڑے پیار سے خلیل کو ٹٹو پر سوار کرایا اور ٹٹو کی باگیں خلیل کے ننھے ننھے ہاتھوں میں تھما دیں۔ خلیل ٹٹو کی سواری کر کے بے حد خوش ہوا۔ ٹٹو قدم قدم چل رہا تھا اور شریف بھی ٹٹو کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

خلیل نے شریف سے چھڑی مانگی۔ شریف نے چھڑی خلیل کو دیتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے صاحب اسے نہ ماریئے، جانور ہے، آپ سے قابو میں نہ رہے گا"۔

خلیل نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہم اسے دوڑائیں گے"۔

شریف نے خلیل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے صاحب آپ اُسے ماریں گے تو یہ دوڑنے لگے گا اور پھر آپ کے قابو میں نہیں رہے گا، آپ گر پڑیں گے چوٹ لگے گی"۔

خلیل شریف کی بات اِن سنی کر کے ٹٹو کو پیٹنے لگا، ٹٹو تیز دوڑنے لگا۔ شریف بھی ٹٹو کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہا۔

ہر لمحہ اُسے خلیل کے گرنے کا ڈر تھا۔ ایک خطرناک موڑ پر اچانک یاسمین اِدھر نکل آئی، ٹٹو پر خلیل کو سوار دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے، یاسمین نے دوڑتے ہوئے ٹٹو کو روکنے کی کوشش کی، لیکن اس کوشش میں ٹٹو تو رُک نہ سکا، البتہ یاسمین گر پڑی ایک نوجوان نے ٹٹو کو روک لیا۔

شریف بھی ہانپتا ہوا ٹٹو کے قریب پہنچ گیا، یاسمین بھی گھبرائی ہوئی خلیل کے پاس پہنچ چکی تھی، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ خلیل کے ہاتھ سے چھڑی لے کر شریف کو مارنے لگی اور غصے میں چلائی۔

"ذلیل انسان چند سکّوں کی خاطر تو دوسروں کی اولاد کی جان کا بھی خیال نہیں کرتا۔ لالچی، کمینے، اگر میرے لال کو کچھ ہو جاتا تو میں اس کے ڈیڈی کو کیا منہ دکھاتی"۔

یاسمین بے تحاشا شریف کو گالیاں دیتی رہی اور اُس عرصہ میں اس کا ہاتھ تیزی سے چلتا رہا، شریف مار کھاتا رہا، اور اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن یاسمین شریف کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھی، شریف ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوا گڑگڑانے لگا۔

شریف کے رونے کی آواز سن کر راشدہ بھاگتی ہوئی آئی، راشدہ اور یاسمین کی آنکھیں چار ہوئیں، یاسمین کو مارتے دیکھ کر راشدہ چیخ اٹھی۔

"رک جاؤ یاسمین"۔

یاسمین غصے سے کہنے لگی۔

"باجی یہ کم بخت، ذلیل انسان میرے بچے —— میرا مطلب ہے ہمارے بچے کی جان لینے لگا تھا، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی. اس کو ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ یہ زندگی بھر یاد رکھے."

یاسمین پھر شریف کو مارنے لگی، شریف کے ماتھے سے خون بہنے لگا، راشدہ چیخ کر بولی.

"یاسمین اب اگر میرے سرتاج پر ہاتھ اٹھایا تو تمہارا ہاتھ توڑ دوں گی."

یاسمین حیرانگی کے عالم میں کبھی راشدہ کو دیکھتی رہی اور کبھی شریف کو، شریف کو جب یہ پتہ چلا کہ ٹٹو پر اس کا اپنا خلیل سوار ہے، مسرت سے اس نے ہاتھ بڑھا کر خلیل کو ٹٹو پر سے اتارا، خلیل نے روتے ہوئے غصّے سے شریف کے منہ پر تھپڑ مار دیا، اور ٹٹو پر سواری کرنے کے لئے ضد کرنے لگا. شریف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے. شریف خلیل کو یاسمین کے حوالے کر کے بھاگتا ہوا گیا اور رکشا لے کر آیا، خلیل کو رکشے میں بٹھا کر اسی کی لگام اپنے منہ میں لی اور لگام کے سرے خلیل کو تھما کر رکشا کھینچتا ہوا بولا.

"چھوٹے صاحب لگام کھینچیے اور چابک ماریئے، تاکہ گھوڑا تیز دوڑ سکے."

خلیل لگام کو جھٹکا دے کر شریف کو چابک مارنے لگا، شریف گھوڑے کی طرح اُچھل کر یاسمین سے بولا.

"یہ ذلیل، کمینہ، لالچی انسان آپ کے لختِ جگر کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھ کر سیر کرا کے چند منٹوں بعد واپس لائے گا."

شریف رکشا لے کر دوڑنے لگا. خلیل شریف کو مسلسل چابک مار کر خوش

ہو رہا تھا۔

شریف کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے، یکایک ایک تنگ موڑ کاٹتے ہوئے ایک گہرا کھڈ دکھائی دیا، شریف نے رکشا کو کھڈ میں گرنے سے بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی۔ رکشا تو جھاڑیوں میں الجھ کر رک گیا، لیکن ایک دردناک چیخ کے ساتھ شریف کھڈ میں جاگرا۔ اور شدید زخمی ہوگیا۔

لوگوں نے فوری طور پر شریف کو کھڈ سے نکال کر ہسپتال پہنچادیا۔ لوگ شریف کے ایثار و قربانی کی داد دے رہے تھے، کوئی کہہ رہا تھا۔

"غریب بچے کو بچاتے بچاتے خود موت کے منہ میں چلا گیا"۔

"بے چارہ بچانے زندہ بھی رہے گا یا نہیں"۔

ایک نوجوان بولا۔

"غریب مر بھی جائے تو کون پوچھتا ہے"۔

لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

"جس کا بچہ تھا اُسے چاہیئے کہ غریب رکشا والے کا علاج کرائے"۔

دوسرا بولا۔

"اگر کوئی غریب آدمی اس طرح میرے بچے کی جان بچاتا تو میں اُسے اتنا دیتا کہ اس کے دن پھر جاتے"۔

ایک اور شخص بولا۔

"مجھے تو اس کے بچنے کی امید کم نظر آتی ہے"۔

ایک عورت اظہار افسوس کرتے ہوئے بولی۔

"چند سکوں کی خاطر غریب ہنستے ہوئے موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔"

لوگ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے، سبھی شریف کے ایثار سے متاثر دکھائی دے رہے تھے، وہ لوگ جن کا شریف سے واسطہ پڑ چکا تھا اس حادثے پر دلگیر نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ شریف روزانہ ان کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پیار و محبت سے سیر کراتا تھا اور وہ جو کچھ بھی دیتے ہنستے ہوئے قبول کر لیتا تھا۔

شریف ہسپتال میں چارپائی پر بے ہوش پڑا تھا راشدہ پر شدتِ غم سے سکتہ طاری تھا، قریب ہی ایک کرسی پر یاسمین پریشان بیٹھی تھی، سکندر کو بھی اپنے دوست کے زخمی ہونے کا دکھ تھا۔

شریف اس کا سہارا تھا۔

شریف واقعی شریف تھا۔

اس کے کاروبار کو سنبھال کر اس پر احسان کیا تھا۔

شریف نے اپنی محنت کی کمائی میں سکندر کو برابر کا شریک بنایا ہوا تھا۔

سکندر بے چینی سے شریف کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا طویل بے ہوشی کے بعد شریف نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، اپنے اطراف بیٹھے ہوئے لوگوں میں خلیل کو نہ پا کر راشدہ سے پوچھا۔

"بیگم چھوٹے صاحب تو ٹھیک ہیں نا"

راشدہ جو گم سم بیٹھی تھی، شریف کو بات کرتے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سکندر نے راشدہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بھابی صبر سے کام لو، تمہیں پریشان دیکھ کر شریف بھائی کی طبیعت، اور

بگڑ جائے گی، خدا ہم غریبوں کے ساتھ ہے۔"
شریف پر دوبارہ بے ہوشی کا دورہ پڑا، سب کی نظریں شریف پر لگی ہوئی تھیں، یکایک یاسمین اُٹھ کھڑی ہوئی اور پرس کھول کر سو روپے کا نوٹ راشدہ کو دیتی ہوئی کہنے لگی۔
"یہ رکھ لو، مزید ضرورت پڑی تو مجھے ٹیلی فون کر دینا۔"
راشدہ نے حقارت سے سو روپے کے نوٹ کو دیکھا اور پھر نوٹ یاسمین کے منہ پر مارتی ہوئی بولی۔
"میم صاحب! سنبھالو اپنا نوٹ اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ، ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔"
لوگوں کے سامنے یاسمین اپنی تذلیل برداشت نہ کر سکی، سب حیرت سے راشدہ اور یاسمین کو دیکھ رہے تھے۔ کسی کو بھی اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ راشدہ اور یاسمین کا آپس میں کیا رشتہ ہے، یاسمین غصہ سے راشدہ کو تک رہی تھی، یاسمین کو کھڑا ہوا دیکھ کر راشدہ چلائی۔
"میں کہتی ہوں دور ہو جاؤ میری نظروں سے، اگر میری ممتا جاگ اٹھی تو پھر تم زندگی بھر دولت کو ترستی رہو گی۔ دولت کے پیچھے بھاگتی رہو گی۔"
یاسمین تیزی سے کمرے سے نکل گئی، سکندر نے راشدہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
"تمہیں اُس بے چاری کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے تھا وہ تو تم سے ہمدردی کر رہی تھی۔"
"سکندر بھائی اگر میرا بس چلتا تو میں اُس کے ساتھ ایسا سلوک کرتی کہ

اس کی امارت کا سارا نشہ اُتر جاتا، وہ اسی سلوک کی مستحق تھی، وہ مجھ سے ہمدردی نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اپنی امارت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔"

سکندر نے یاسمین کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

"اس نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی، شریف بھائی کے علاج کے لئے سو روپے دیئے تھے۔ تم نے جذبات میں آکر اس کی بے عزتی کر دی۔"

راشدہ روتی ہوئی بولی۔

"سکندر بھائی آپ ان دولت مندوں کو نہیں جانتے، میں انہیں خوب جانتی ہوں، ان کا ظاہر کچھ ہوتا ہے باطن کچھ، دولت کے بل بوتے پر یہ انسانوں کا سودا کرتے ہیں۔ لوگوں کی گود خالی کر دیتے ہیں، لوگوں کے ہنستے بستے گھر اجاڑ دیتے ہیں۔ ان سے غریبوں کی خوشیاں نہیں دیکھی جاتیں، یہ اپنے فائدہ کے لئے سب کچھ کر جاتے ہیں، سب کچھ۔۔۔۔"

سکندر راشدہ کی بات سن کر خاموش ہو گیا، وہ اب بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ راشدہ شریف کے زخمی ہونے کی وجہ سے جذباتی ہو گئی ہے اور اس حادثے کا میم صاحب کو ذمہ دار ٹھہرا رہی ہے۔ لیکن اُسے اس بات کا دکھ ضرور تھا کہ وہ شریف کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی چلتی بنی، وہ بڑبڑانے لگا "میم صاحب کے بچے کے ساتھ ایسا حادثہ پیش آتا تو میں دیکھتا کہ کس طرح اسے چھوڑ کر جاتیں۔ شریف بھائی نے جان پر کھیل کر اس کے بچے کو بچایا اور اس نے شکریہ بھی ادا کرنا ضروری نہ سمجھا، سو روپے دے کر احسان جتانا چاہتی تھی، اچھا کیا بھابی نے جو اس کا نوٹ اس کے منہ پر دے مارا۔"

سکندر نے راشدہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"بھابی ابھی سکندر زندہ ہے، شریف کا بھائی زندہ ہے تم فکر نہ کرو، میں شریف بھائی کا علاج کراؤنگا۔ میں اپنا سب کچھ بیچ کر شریف بھائی کو بچا لوں گا۔

شریف جیسا دوست۔

شریف جیسا انسان کبھی مر نہیں سکتا۔

میں اسے مرنے نہیں دوں گا"

سکندر جذبات کی رو میں بہہ کر اپنی محبت، اپنے خلوص کا اظہار کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سب کی آنکھیں بھر آئیں۔

شریف کو دوبارہ ہوش آچکا تھا اور اب اُسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ حادثے میں اس کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی ہے۔ اب نہ تو وہ رکشا چلا سکے گا اور نہ ٹٹو کے پیچھے بھاگ سکے گا۔

تقدیر نے اُسے جس کھڈ میں گرایا تھا اب وہ زندگی بھر اُس سے باہر نکلنے سے قاصر تھا۔ سکندر کو اپنے قریب بیٹھا دیکھ کر شریف روتے ہوئے بولا۔

"سکندر بھائی اب راشدہ اور شکیل کا کیا بنے گا"

سکندر نے شریف کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، ڈاکٹروں نے کہا ہے تم جلد اچھے ہو جاؤ گے۔ اور پھر تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے دیکھتے ہی دیکھتے شکیل جوان ہو جائے گا اور پھر تمہارے دن پھر جائیں گے"

ابھی سکندر نے اپنا جملہ پورا ہی کیا تھا کہ شکیل اور سلیمان بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ شکیل شریف سے لپٹتے ہوئے چلایا۔

"کیا ہوا میرے بابا کو۔"

سکندر نے شکیل کو شریف سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا گھبرانے کی کوئی بات نہیں، شریف بھائی کھڈ میں گر گئے تھے —— جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔"

شکیل روتا رہا۔ ماحول پر اداسی چھائی گئی۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ شکیل کو چپ کراتا، راشدہ کے آنسو پونچھتا۔ شریف کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ جوڑ دیتا۔

خلیل کی زبانی سیٹھ اسمٰعیل شریف کے متعلق سب کچھ جان گئے تھے۔ سیٹھ اسمٰعیل یاسمین کے ظلم اور غریب شریف کے کھڈ میں گر جانے کی خبر سُن کر تڑپ اٹھے، وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے یاسمین کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی یاسمین ہسپتال سے لوٹی، سیٹھ اسمٰعیل کو غصّہ کے عالم میں دیکھ کر خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ سیٹھ اسمٰعیل خاموشی سے یاسمین کا جائزہ لے رہے تھے۔

یاسمین نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اپنی ذاتی ملازمہ اور خلیل کی گورنس کو حکم دیا کہ کراچی واپس چلنے کی تیاری کرو ہم آج ہی واپس جائیں گے۔

یاسمین ملازمہ اور گورنس کو واپسی کا حکم سنا کر بستر پر لیٹ گئی۔ جیسے ہی سیٹھ اسمٰعیل کو یاسمین کے ارادے کا علم ہوا، انہوں نے گرجتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہے بہو —— وہ کراچی واپس کیوں جانا چاہتی ہیں"۔

یاسمین سیٹھ اسمٰعیل کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکلی اور آہستہ آہستہ سیٹھ اسمٰعیل کے کمرے کی طرف بڑھی، سیٹھ اسمٰعیل اور یاسمین کا کاریڈور میں ٹکراؤ ہوا۔ سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین کو اپنے سامنے دیکھ کر پوچھا۔

"تم کراچی واپس جا رہی ہو۔"

یاسمین نے آہستہ سے جواب دیا۔

"جی ہاں۔"

"کیوں جا رہی ہو۔"

"یہاں میرا دل نہیں لگتا۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے گرجتے ہوئے کہا۔

"لوگ مری میں دل لگانے آتے ہیں، تم کیا کہہ رہی ہو یاسمین۔"

"جو بات تھی میں نے بتا دی۔"

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ یاسمین نے کہا۔

"ابا جان آپ تو خواہ مخواہ میری نیت پر شک کر رہے ہیں۔"

"بہو بیگم —— اسمٰعیل نے آج تک بیگانوں پر شک نہیں کیا، تم تو اس گھر کی بہو ہو، تم نے یہ کہہ کر ہمارے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ حقیقت کو چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

یاسمین نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"ابا جان —— میں نے آپ سے کیا چھپایا۔"

"خلیل نے ہمیں حادثے کے متعلق سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کیا بتا دیا ہے۔"

یاسمین نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"یہی نہ تم نے ایک غریب آدمی کو کس بے دردی سے مارا، اور وہ بےچارہ تمہارے ظلم کا نشانہ بن کر کھڈ میں جا گرا — اُف خدایا اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور تم نے ہمیں بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا، خدا نے میرے خلیل کو بچا لیا"

سیٹھ اسمٰعیل جب بولتے بولتے رک گئے تو یاسمین نے جرأت کرتے ہوئے کہا۔

"خلیل کو تو کچھ نہیں ہوا، جس نے غلطی کی تھی ...ا نے اُسے سزا دے دی، اگر کوئی خاص بات ہوتی تو آپ کو بتا دیتی۔"

"کیا یہ کم حادثہ ہے کہ تم نے ایک بے گناہ کو سزا دے دی"

یاسمین غصّہ سے بولی۔

"وہ سزا کا مستحق تھا، وہ خلیل کو ٹٹو پر بٹھا کر ٹٹو کو دوڑا رہا تھا، اگر میرے بچے کو کچھ ہو جاتا تو....."

"تم غلط کہہ رہی ہو بہو بیگم — ایک تو تم نے اُس غریب پر ظلم کیا، دوسرے اُسی کو قصور وار بھی ٹھہرا رہی ہو۔

خلیل جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ کہہ رہا تھا قصور ٹٹو والے کا نہیں اُس کا تھا، وہ بےچارہ تو خلیل کو منع کرتا رہا، لیکن تم نے اُسے اتنا مارا کہ اُس کا ماتھا پھٹ گیا۔ بہو بیگم مجھے دکھ ہوا کہ تمہاری نظروں میں غربت کی کوئی اہمیت نہیں کوئی قدر و قیمت نہیں"

یاسمین نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی اور....."

"اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر واپس جانا چاہتی ہو۔"

یاسمین خاموشی کھڑی تھی۔ سیٹھ اسمٰعیل مسلسل بولے جا رہے تھے۔

"دولت خدا کا عطیہ ہے بہو بیگم، وہ کب واپس لے لے کوئی نہیں جانتا، تمہیں غریبوں سے اتنی نفرت کیوں ہے میں سمجھ نہیں سکا، حالانکہ تم بھی ایک غریب باپ کی بیٹی ہو، تمہیں تو انتہائی سنجیدہ ہمدرد اور صاحب درد ہونا چاہیئے تھا۔ اشفاق کی خصوصیات تم میں کیوں نہیں آئیں۔ کیا تم اس کا خون نہیں ہو۔"

سیٹھ اسمٰعیل کی کھری کھری باتوں سے یاسمین گھبرا گئی، اس سے پہلے اس نے سیٹھ اسمٰعیل کو اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجرموں کی طرح ان کے سامنے کھڑی تھی، اُس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سیٹھ اسمٰعیل شریف کی خاطر اُسے اتنا ذلیل کیوں کر رہے ہیں۔ سیٹھ نے یاسمین پر ایک نظر ڈال کر طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا کہ میں نے تمام جائیداد اور دولت خلیل کے نام کر دی، اگر کہیں غلطی سے تحسین اور تمہیں اس کا مالک بنا دیتا تو کل تم مجھے بھی مفلس و کنگال جان کر گھر سے نکال دیتیں، میں بھی تو کبھی غریب تھا۔

اتنا غریب کہ روٹیوں کے لالے پڑے تھے، قدرت نے مجھے نوازا تو میں اس کے اِس احسانِ عظیم پر اور جھک گیا۔ تحسین سے تمہاری شادی کی وجہ صرف یہی تھی کہ میں نے ایک غریب دوست سے وعدہ کیا تھا، دولت کے آ جانے کے بعد میں اس وعدے سے منحرف ہونا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ تحسین کو افریقہ اور

اور ٹرس پڑوس کے ممالک میں ایسے رشتے مل رہے تھے جو اُسے کروڑپتی بنا دیتے، لیکن میں نے اپنی غربت کے ساتھی اشفاق کو یاد رکھا، تاکہ خدا مجھے یاد رکھے۔

تم نجانے کیوں غریب کو انسان نہیں سمجھتیں، ابتدا میں تو میں یہی سمجھتا رہا کہ نوکر غلطی کرتے ہوں گے، لیکن جب مسلسل نوکر نکالے اور رکھے جانے لگے تو مجھے اسی وقت احساس ہوا کہ تم میں امارت کی بُو ہے۔ تمہیں غریبوں سے پیار نہیں، تم انہیں حقیر، کمتر اور نجانے کیا کیا سمجھتی ہو، جس کا مظاہرہ تم افریقہ، کراچی اور اب مری میں کر چکی ہو۔ تمہاری حقارت کی یہ انتہا ہے کہ ایک شخص نے تمہارے بچے کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا دی اور تم اُس سے منہ موڑ کر کراچی بھاگ رہی ہو، تاکہ وہ تم مصیبت نہ بن جائے لیکن کان کھول کر سن لو کہ تم جانا چاہتی ہو تو جا سکتی، ہم یہاں سے اُس وقت جائیں گے، جب تک اُس غریب کی طرف سے ہمیں اطمینان نہ ہو جائے۔

یاسمین سیٹھ اسماعیل کے ارادوں سے گھبرا گئی، سیٹھ اسمعیل کی موجودگی اور شریف سے ان کی ملاقاتیں اس کے لئے آزمائش سے کم نہیں تھیں، افشائے راز کے ڈر سے وہ کانپنے لگی، اس نے رُکتے رُکتے کہا۔

"میں نے اس کے علاج معالجہ کے لئے سو روپے دیئے تھے، اُس کی بیوی نے میرے منہ پر دے مارے، دراصل ذلت کا یہ صدمہ میرے لئے ناقابلِ برداشت تھا، اسی صدمہ سے گھبرا کر میں کراچی لوٹ جانا چاہتی تھی۔"

سیٹھ اسماعیل کی طرف غصہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسانی جان کی قیمت تمہاری نظروں میں صرف سو روپے ہے۔ کیا

تم اپنی اولاد کا سو روپے میں سودا کر لو گی۔ تم نے اُس کو سو روپے دے کر اس کی غربت کا مذاق اڑایا، اُسے مزید ذلیل کیا۔ اس کی بیوی نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ غیر متوقع نہیں۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بھی یہی کرتا۔"

یاسمین سیٹھ اسمٰعیل کو شریف پر بے حد مہربان دیکھ کر اُن کی توجہ شریف اور راشدہ کی طرف سے ہٹانے کے لئے رونے لگی۔ خلیل یاسمین اور سیٹھ کو دیکھتا رہا، سیٹھ نے خلیل کو مخاطب کر کے کہا۔

"چلو بیٹا ہم اس آدمی کی خبر لے آئیں، جس نے ہمارے اوپر احسان کیا ہے وہ یقیناً انسان کے روپ میں فرشتہ ہو گا۔"

یاسمین سیٹھ کے اس فیصلہ پر چونک اٹھی اور جلدی سے بولی۔

آپ تکلیف نہ کریں، میں خلیل کو لے کر چلی جاتی ہوں۔"

"تاکہ ان کے زخموں کو اور تازہ کر دو۔"

سیٹھ اسمٰعیل خلیل کا ہاتھ تھامے گھر سے نکل گئے اور یاسمین بدحواسی کے عالم میں پاگلوں کی طرح حرکتیں کرتی رہی، کبھی وہ اپنے بال نوچنے لگتی، کبھی بے اختیار منہ پر تھپڑ مارنے لگی۔

سیٹھ اسماعیل کو گھر سے گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا یاسمین کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کافی دیر بعد جب سیٹھ اسمٰعیل لوٹے تو ان کے چہرے پر یک گونا مسرت تھی۔ یک گونا سکون تھا۔ وہ شریف اور راشدہ سے بے پناہ متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے بہت کچھ دینا چاہا لیکن راشدہ اور شریف نے مدد لینے سے اس انداز میں معذرت کی کہ سیٹھ اسمٰعیل

بھی لاجواب ہو کر رہ گئے۔

سیٹھ اسمٰعیل اس وقت تک مری میں رہے جب تک شریف تندرست نہیں ہو گیا، انہوں نے ڈاکٹروں کو خصوصی ہدایات دے رکھی تھیں اور تمام اخراجات اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔

جس کا نہ تو شریف کو علم تھا اور نہ راشدہ کو، وہ تو بس یہی سمجھ رہے تھے کہ ڈاکٹر بہت مہربان ہیں۔ غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ سیٹھ اسماعیل روزانہ شریف کی عیادت کے لئے جاتے رہے، ان کے ہمراہ ننھا خلیل بھی ہوتا، ان لمحات میں شریف کو موقعہ مل جاتا کہ وہ خلیل سے دل بھر کر باتیں کرے۔

پیار کرے۔

اور اپنے دل کی پیاس بجھا لے۔

راشدہ بھی خلیل کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتی۔ خلیل کو اپنی گود میں بٹھائے جی بھر کر پیار کرتی، اور اس طرح ممتا کی آگ وقتی طور پر سرد پڑ جاتی۔ سیٹھ اسماعیل راشدہ اور شریف کو پیار کرتے دیکھ کر یہ سمجھ کر خوش ہوتے کہ خلیل انہیں بھا گیا ہے۔

پیارا لگا ہے۔

معصوم بھولا بھالا ہے۔

لیکن کبھی ان کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ شریف اور راشدہ خلیل کو محض اس لئے پیار کرتے ہیں کہ وہ ایک سیٹھ کا بیٹا ہے۔

بڑے باپ کا بیٹا۔

کیونکہ سیٹھ اسماعیل شریف اور راشدہ کو کئی مرتبہ آزما چکے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی غربت کا سودا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سیٹھ کا احسان لینے سے معذرت کی تھی۔

اگر انہیں اس بات کا علم ہوتا کہ ہسپتال میں اس کے علاج معالجہ پر جو خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ قیمتی دوائیں اور انجکشن آرہے ہیں وہ سیٹھ کے روپے کا نتیجہ ہیں تو شاید شریف علاج مکمل ہونے سے پہلے اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر ہسپتال سے بھاگ نکلتا۔

اس کا علاج بڑی توجہ اور محنت سے ہوتا رہا۔

لیکن اُسے سیٹھ کی عنایت کا پتہ نہ چل سکا۔

ڈاکٹروں نے بڑی عبادت سے شریف کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ جوڑ دی تھی زخم آہستہ آہستہ بھرتے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے شریف کو بیساکھی کے سہارے چلنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی۔

پہلی مرتبہ جب شریف نے بیساکھی کے سہارے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو گر پڑا۔ راشدہ اور سکندر نے اُسے سہارا دیا۔

شریف نے دوبارہ کوشش کی اور وارڈ میں چند قدم چل کر بہت خوش ہوا۔ راشدہ کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو جھلملانے لگے۔ سکندر کی باچھیں کھل گئیں۔

شریف کو چلتا دیکھ کر سیٹھ اسماعیل نے اُسے مبارک باد دی اور پھر

وہ اطمینان سے کراچی لوٹ گئے۔

خلیل کی تعلیم کے لئے تحسین نے اُسے ملک کے سب سے اچھے سکول میں شریک کرا دیا تھا۔ جہاں عموماً امراء کے بچے پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ گھر پر بھی اُسے قابل ترین استاد پڑھانے آتے تھے۔ اُس کی تربیت اور دیکھ بھال کے لئے گورنس بھی موجود تھی۔ لیکن خلیل تعلیم سے زیادہ کھیل کود کی طرف مائل تھا۔

سکول میں اساتذہ اس کی امارت سے مرعوب تھے۔

گھر پر جو استاد پڑھانے آتا تھا وہ بھی خلیل کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح اُسے ایک معقول آمدنی سے محروم ہونے کا خطرہ تھا

خلیل چاہتا تو پڑھ لیتا۔

ورنہ انہیں چھٹی دے دی جاتی۔

اگر کبھی تحسین اس سلسلے میں خلیل کو کچھ کہتا تو یاسمین آڑے آجاتی۔

"ابھی بچے کی عمر ہی کیا ہے۔ پڑھ لے گا"

تحسین تو خاموش ہو جاتا، لیکن سیٹھ اسمعیل کو خلیل کی تعلیم کی طرف سے لاپرواہی بُری طرح کھٹکتی تھی۔ جب یاسمین تعلیم کے سلسلے میں خلیل کی طرف داری کرتی تو سیٹھ اسمعیل کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہو جاتی، وہ دل ہی دل

میں کڑھتے رہتے اور انہیں یاسمین کے رویے پر افسوس ہوتا۔
تحسین کی خاموشی ناگوار گزرتی۔

ایک دن خلیل سکول سے لوٹ کر آیا، کتابیں صوفے پر پھینکیں اور اڑوس پڑوس کے بچوں کے ساتھ کھیلتا رہا، ماسٹر ٹیوشن پڑھانے آیا تو ٹیوشن پڑھنے سے انکار کر دیا، سیٹھ اسماعیل ماسٹر کی بے عزتی پر چیخ اٹھے۔

"خلیل —— اگر تم نے آئندہ ماسٹر صاحب کے ساتھ بدتمیزی کی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا، تعلیم کی طرف سے تمہاری لاپروائی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے"۔

خلیل نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"دادا جان، سکول کے بعد گھر پر مجھ سے نہیں پڑھا جاتا"۔

"کیوں نہیں پڑھا جاتا۔"

سیٹھ اسماعیل گرجنے لگے اور خلیل سیٹھ اسمٰعیل کو گرجتے دیکھ کر آنسو بہانے لگا، زور زور سے رونے لگا، خلیل کے رونے کی آواز سن کر یاسمین اپنے کمرے سے بھاگی ہوئی آئی اور خلیل کو پیار کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ کیوں رو رہے ہو"!

"دادا جان نے مجھے ڈانٹا ہے۔ کھیلنے سے منع کیا ہے"۔

یاسمین نے سیٹھ اسماعیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ابا جان ہر وقت کی روک ٹوک بچے کے ذہن پر اچھا اثر نہیں ڈالتی، بچہ ہی ہے۔ کھیل کے بعد پڑھ لے گا"۔

سیٹھ اسماعیل یاسمین کی مداخلت پر بگڑ گئے۔

"بہو بیگم تم خلیل کو نکما کر دو گی۔ تمہارا یہ پیار خلیل کو لے ڈوبے گا تمہاری بے جا محبت کا نتیجہ ہے کہ اسے تعلیم سے زیادہ کھیل کود سے رغبت ہے۔ یہ تمہاری محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ خلیل اپنے اساتذہ کی عزت نہیں کرتا، اور جو استاد کی عزت نہیں کرتا وہ تمہاری، میری کیا عزت کرے گا"

یاسمین نے سیٹھ اسمٰعیل کی بات کا بُرا مانتے ہوئے کہا۔

"ابا جان آئندہ میں خلیل کے سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گی"

سیٹھ اسماعیل نے یاسمین کے بگڑے ہوئے موڈ کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"ممتا کے معنی یہ تو نہیں ہوتے کہ تم اس کی ہر ناجائز بات پر اُس کا ساتھ دو، اس کی ہر غلطی کو نظرانداز کر دو، ان ماں باپ کے دلوں میں جھانک کر دیکھو جنہیں اپنے بچوں کو پڑھانے کی حسرت ہے لیکن انہیں سہولتیں میسر نہیں۔

بہو تم تو پڑھی لکھی ہو۔ لیکن جب جاہلوں جیسی باتیں کرتی ہو تو مجھے ذہنی تکلیف ہوتی ہے۔ دولت کے سہارے زندہ رہنے والے بہت جلد یہ سہارا کھو دیتے ہیں۔ تعلیم کے سہارے زندگی کی عمر بہت طویل ہو جاتی ہے۔ قدم قدم پر تعلیم اُس کے لئے زینے کا کام دیتی ہے"

یاسمین نے آہستہ سے کہا۔

"پڑھ کر اس نے کون سی ملازمت کرنی ہے، اللہ کا دیا سب

کچھ ہے۔ تقدیر میں ہو گا تو پڑھ لے گا۔"

یاسمین اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور سیٹھ اسماعیل غصے سے کمرے میں ٹہلتے رہے۔

جب سے شریف حادثے کا شکار ہوا تھا شکیل کو اپنے مستقبل کی زیادہ فکر تھی، گو شریف کی ٹانگ جڑ گئی تھی لیکن اُسے سخت محنت کرنے سے روکا گیا تھا۔ معمولی محنت مزدوری سے گھر کا خرچ بھی مشکل سے پورا ہوتا تھا، شکیل کے تعلیمی اخراجات اژدھا کی طرح منہ کھولے اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ شکیل مزید تعلیم حاصل کرنے کی بجائے ملازمت کرنے کا خواہاں تھا تاکہ وہ اپنے بابا کا ہاتھ بٹا سکے۔

اپنی امی کو سکون دے سکے۔

لیکن راشدہ کی خواہش تھی کہ شکیل اتنا پڑھ لے کہ ان کی اندھیری دنیا میں اجالا پھیل جائے۔ راشدہ نے شکیل کے ارادے جان کر اُس سے التجا کی تھی کہ وہ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے دل لگا کر پڑھے، گھریلو اخراجات سے بے فکر ہو کر پڑھے۔

شکیل نے راشدہ سے وعدہ کیا، اس پر راشدہ کی باتوں کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ تعلیم اس کا اوڑھنا بچھونا بن گئی ——— شکیل تھا اور اُس کی کتابیں۔

سکول سے لوٹنے کے بعد وہ گھر پر زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی میں صرف کرتا۔ کبھی سلیمان اُسے کھیلنے کی دعوت دیتا تو شکیل اس سے معذرت کر کے اپنی کتابوں میں کھو جاتا۔ سلیمان شکیل کو ہر وقت پڑھتا دیکھ کر اُس کا مذاق اڑاتا۔ لیکن شکیل سلیمان کی باتوں کو نظر انداز کر کے اپنی دھن میں مگن رہتا۔ کیونکہ اُس نے اپنے بابا کی آنکھوں میں اکثر بے بسی کے آنسو دیکھے تھے۔ راشدہ کی آنکھوں میں مایوسیوں کے سائے دیکھے تھے۔

اُس کی دلی خواہش تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر اس قابل ہو جائے کہ بابا کی آنکھوں میں بے بسی کے چھلکتے آنسو مسرّت کے آنسوؤں میں تبدیل ہو جائیں۔

اس کی دلی آرزو تھی کہ اُس کی امی کی آنکھوں میں مایوسی کی بجائے مسرّت و شادمانی کی چمک آجائے۔

کیونکہ اب وہی اُن کی اُمیدوں کا واحد سہارا تھا۔

اس سے اس کی امی اور بابا نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اور وہ اپنے والدین کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا، جب شکیل پڑھنے بیٹھتا تو چراغ میں تیل نہ ہوتا، راشدہ مایوسی سے اُس کی طرف دیکھتی اور وہ مسکراتا ہوا کتاب لے کر میونسپلٹی کے بجلی کے کھمبے کے نیچے جا بیٹھتا اور اس وقت تک پڑھتا رہتا جب تک اُس میں پڑھنے کی سکت ہوتی۔

سکندر شکیل کو دیکھ کر اپنی مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے راشدہ اور شریف سے کہتا۔

"میرا دل کہتا ہے شکیل ضرور بڑا آدمی بنے گا۔" پھر ٹھنڈی آہ بھر کر کہتا۔

"ایک میرا سلیمان بھی ہے جو پڑھنے سے بھاگتا ہے۔"

راشدہ پیار بھری نظروں سے شکیل کو دیکھتی اور کہتی

"سکندر بھائی اب تو یہی ایک امید رہ گئی ہے، شکیل کو پھلتا پھولتا دیکھنے کے لئے ہم زندہ ہیں۔ ورنہ زندگی تو ہم سے کبھی کی روٹھ چکی ہے۔ شکیل اور شریف کا خیال نہ ہوتا تو میں اس بے رحم دنیا سے منہ موڑ لیتی۔ لیکن ان حالات میں میں ابھی مرنا نہیں چاہتی، زندہ رہنا چاہتی ہوں۔

شریف کی خدمت کے لئے،

شکیل کے مستقبل کے لئے۔"

سکندر پُر اعتماد لہجے میں بولا۔

"بھابی تمہاری یہ آرزو جلد پوری ہوگی، شکیل ہونہار بچہ ہے تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔"

شریف دن بھر چارپائی پہ لیٹا رہتا یا پھر چھوٹی موٹی محنت کر کے اپنا وقت پورا کرنے کی کوشش کرتا، شریف کا تمام بار راشدہ نے اٹھا رکھا تھا۔

شریف بے بسی سے راشدہ کو دیکھتا رہ جاتا، ان لمحات میں راشدہ مسکرا دیتی۔ شریف کا دل چاہتا کہ وہ راشدہ کو کام کرنے سے روک دے۔

لیکن زندگی کے دن پورے کرنے کے لئے کسی نہ کسی کو کام کرنے کی ضرورت تھی۔

شریف زیادہ محنت طلب کام کرنے کا اہل نہ تھا۔

شکیل ابھی بچہ تھا۔

اب راشدہ رہ گئی تھی جو زندگی کی گاڑی کو تنہا کھینچ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دن گزرتے گئے، شکیل نے اچھے نمبروں سے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔

مسرت کے ان لمحات میں سبھی خوش تھے۔

البتہ سلیمان کے فیل ہو جانے کا دکھ تھا۔

ناکامی کے بعد تو سلیمان نے مزید تعلیم جاری رکھنے سے انکار کر دیا تھا اور اب وہ سوتے جاگتے فلموں میں کام کرنے اور ہیرو بننے کے خواب دیکھتا رہا۔

جب بھی وہ کوئی نئی فلم دیکھتا۔ اس کے دل میں ہیرو بننے کی تڑپ اور زیادہ ہوتی اور وہ شدت سے اُس دن کا انتظار کرنے لگتا۔ جب اس کی فلم بھی اسی طرح ریلیز ہو گی اور لوگ اس کے فن کی قدر کریں گے۔

اُسے ہیرو کہہ کر مخاطب کریں گے۔

عزت، دولت، شہرت اُس کی لونڈی ہو گی۔

خلیل نے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک کر لیا تھا۔ یاسمین خلیل کی کامیابی پر بے حد خوش تھی، سیٹھ اسماعیل کو خلیل کے سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہونے کی کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ویسے بھی سیٹھ اسمٰعیل نے خلیل کو کچھ کہنا سننا کم کر دیا تھا۔

جیسے ہی خلیل نے کالج میں داخلہ لیا اُسے یہ دُنیا بڑی ہی سہانی نظر آئی۔ دولت کے سہارے اس نے چند ہفتوں میں کالج میں کئی دوست پیدا کر لئے تھے۔ ان میں الٹرا ماڈرن روشی اُسے سب سے زیادہ پسند تھی۔

روشی کی قیمتی کار۔

نت نئے فیشن۔

شاہ خرچی کے کالج بھر میں چرچے تھے اور خلیل کو اس بات پہ فخر تھا کہ ایسی حسین و جمیل، دولت مند لڑکی اُس کی دوست ہے جس پر کالج کے تمام لڑکے فریفتہ تھے۔ روشی اور خلیل کالج میں اکٹھے رہتے، اکٹھے گھومتے، کالج کے لڑکے خلیل کی قسمت پہ رشک کرنے لگے تھے۔ روشی بلاشبہ انسانی پیکر میں آسمانی حوروں کا جمال رکھتی تھی۔

اُس کی غزالی آنکھیں،
مسکراتے ہونٹ،
اور چہرے پر شہزادیوں کا سا جلال دکھائی دیتا تھا۔
بڑے باپ کی بیٹی روشی خلیل کے دل و دماغ پر چھا گئی۔
خلیل پہلے ہی دن روشی کو دل دے بیٹھا تھا اور اُسے حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنا تمام زور لگا دیا تھا۔
روشی بھی خلیل کو پسند کرتی تھی۔
روشی کی پسند کی وجہ خلیل کا مردانہ حسن۔
خلیل کی بے پناہ دولت نہیں تھی۔
بلکہ وہ خلیل میں اس لئے دلچسپی لے رہی تھی کہ خلیل ٹینس کا اچھا کھلاڑی تھا۔
روشی بھی ٹینس اچھا کھیلتی تھی۔
کھیل ہی کھیل میں دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور پھر ان کی قربت ایک دوسرے کے دل میں دھڑکن بن کر سما گئی، کالج کے بعد جب روشی اور خلیل کلب میں ٹینس کھیلنے جاتے تو لوگ ان نوخیز کھلاڑیوں کو دیکھ کر مسکرا اُٹھتے۔ عموماً دونوں اکٹھے ہی کھیلتے تھے۔ اکٹھے کھیل کر انہوں نے کئی اعزاز جیتے تھے۔ حسبِ معمول جب خلیل اور روشی ٹینس کھیل کر کلب سے نکلے تو خلیل نے کہا۔
"آج دل چاہتا ہے کسی کنج تنہائی میں بیٹھ کر تمہارے حُسن و جمال کی

پرستش کروں۔

روشی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بڑی مدّت کے بعد پرستش کا خیال آیا۔"

خلیل نے عاشقوں کی طرح ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اب تک دل و دماغ کو قابو میں رکھا تھا، لیکن آج دونوں نے بغاوت کر دی ہے۔"

روشی ہنستی رہی اور پھر ہنستے ہنستے اُس نے خلیل کی درخواست منظور کر لی۔ خلیل نے اپنی کار کلب میں چھوڑ دی اور روشی کی کار میں جا بیٹھا۔

خلیل روشی کو لئے ہاکس بے پہنچا تو سمندر کی موجوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

روشی اور خلیل سمندر کی گیلی گیلی ریت پر لیٹے محبت کے عہد و پیماں کرتے رہے۔

خلیل بھرپور جوانی کے دور سے گزر رہا تھا۔ اس دور سے جس میں عشق و محبت کی تمنا ہوتی ہے اور دل ہر وقت حُسن اور حُسن کے جلووں کا متلاشی رہتا ہے۔

روشی ایسی حسین کافرہ کی قربت اس کی رگوں میں تموّج کی سی کیفیت پیدا کر رہی تھی، خلیل آن کی آن کے لئے جذبات کے دھارے پر بہنے لگا اور اس کی نظریں روشی کے حسین خدوخال کا جائزہ لینے لگیں۔

روشی کا حسن، شباب کی معراج پر مسکرا رہا تھا اس کے جسم کا نکھار

خلیل کو بے قابو کر رہا تھا لیکن روشنی آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔ جیسے سکون و چین کے گہوارے میں جھول رہی ہو۔

شکیل کالج جانے کے لئے باہر نکلا تو سلیمان بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ کالج کے گیٹ پر پہنچ کر سلیمان نے کہا۔

"بھائی تمہارے ساتھ سکول جاتے جاتے بوڑھا ہو چلا ہوں، تم تو ہر سال کامیاب ہو جاتے ہو اور میں ہر سال اعزاز کے ساتھ اُسی کلاس میں رہتا ہوں، اب مجھ سے یہ روز روز کی مصیبت اٹھائی نہیں جاتی، اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ فلموں میں کام کروں گا اور عزت، دولت، شہرت کماؤں گا۔ تم میری فلمیں دیکھ کر جلا کرو گے" شکیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہیرو صاحب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ مجھے نہ تو فلموں سے دلچسپی ہے اور نہ فن کاروں سے، یہ دھندا آپ ہی کو مبارک ہو"

ہیرو نے اکڑ کر کہا۔

"بھائی اپنے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے، نہ تم میں فنکارانہ صلاحیتیں ہیں اور نہ ہیرو جیسی شکل و صورت، پھر کون بد نصیب پروڈیوسر تمہیں گھاس ڈالے گا، ویسے تمہیں فخر ہونا چاہیئے کہ تمہارا دوست ہیرو ہے۔ جس کا تم اپنی محفلوں میں فخر سے ذکر کر سکتے ہو۔

شکیل نے ہیرو کو چپت مارتے ہوئے کہا۔

"لوگ مجھے پاگل کہیں گے، پتھر ماریں گے، مجھے تمہاری دوستی بڑی مہنگی پڑے گی۔"

"ارے تم بھول رہے ہو میرے یار، اگر کالج میں تمہارے ساتھیوں کو یہ پتہ چل گیا کہ تمہارے کسی ہیرو سے دوستانہ مراسم ہیں تو پھر دیکھنا وہ کس طرح تمہاری خاطر مدارات کرتے ہیں، خوشامد کرتے ہیں۔ مجھ سے ملنے، میرے آٹو گراف حاصل کرنے کے لئے تمہاری خوشامد کرتے ہیں۔"

شکیل نے ہیرو سے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا مجھے دیر ہو رہی ہے، تم میرا پیچھا چھوڑو اور جا کر اداکاری کرو۔"

ہیرو نے شکیل کا گریباں تھامتے ہوئے کہا۔

"تم اس طرح مجھ سے جان بچا کر نہیں بھاگ سکتے، تمہیں اعتراف کرنا ہوگا کہ تمہارا دوست عظیم فنکار ہے۔ مستقبل کا عظیم ہیرو۔"

شکیل نے گریباں چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ہیرو صاحب شرافت سے اپنا راستہ لیجئے ورنہ میں ایسی اداکاری کروں گا کہ تم ہفتوں پانی نہ مانگ سکو۔"

شکیل نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ہیرو نے چھلانگ لگا کر دور ہوتے ہوئے کہا۔

"اے بدنصیب انسان تو ایک فنکار کی توہین کر رہا ہے، دنیا جس کے قدموں میں جھکنے والی ہے۔"

شکیل مسکراتا ہوا کالج کے اندر چلا گیا اور ہیرو کالج کے گیٹ پر کھڑا گیٹ سے گزرتی ہوئی لڑکیوں کو دیکھ کر بار بار ماتھے پر وحید مراد کی طرح بال جماتا رہا۔

لڑکیاں ہیرو کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی گزر رہی تھیں اور ہیرو سمجھ رہا تھا کہ یہ مسکراہٹیں دراصل اس کے لئے خراجِ تحسین ہیں۔

اس کی عظمتوں کے لئے نذرانہ ہے۔

وہ بڑی دیر تک گیٹ پر کھڑا خراجِ تحسین وصول کرتا رہا۔

نذرانے بٹورتا رہا۔

تصور ہی تصور میں شوخ و چنچل لڑکیوں میں گھرا اُن سے فلم اور فن پر باتیں کرتا رہا۔ انہیں آٹوگراف دیتا رہا۔

لیکن جب کالج کے پٹھان چوکیدار نے اُسے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹ جانے کے لئے کہا تو وہ تصورات کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں آگیا۔

نہ تو شوخ لڑکیاں تھیں۔

نہ آٹوگراف لینے والے پرستار۔

البتہ چوکیدار اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا اُسے گھور رہا تھا۔

خلیل کالج سے لوٹا تو اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد تھا، وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا، چائے کا وقت آگیا، سیٹھ اسماعیل، تحسین، یاسمین بیٹھے چائے پی رہے تھے، خلیل کو موجود نہ پاکر سیٹھ اسماعیل نے نوکر سے پوچھا۔

"خلیل کالج سے آگیا ہے"

"جی ہاں سرکار، وہ تو کبھی کے آچکے ہیں"

سیٹھ اسماعیل بولے۔

"پھر وہ چائے پر کیوں نہیں آئے"

نوکر نے ادب سے کہا۔

"سرکار کہہ رہے تھے سر میں درد ہے میں آرام کروں گا"

خلیل کے سر میں درد کا ذکر سن کر یاسمین چائے پیتے پیتے اٹھ کھڑی ہوئی تحسین نے یاسمین کو بوکھلائے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"کہاں جا رہی ہو"

"ذرا خلیل کو دیکھ آؤں"

"چائے تو پی لو —— پھر چلی جانا"

یاسمین نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آکر پی لوں گی ذرا خلیل کی خبر لے آؤں، ہر وقت کی پڑھائی سے اس کی صحت گرتی جا رہی ہے، صحت کی طرف سے بڑا لاپروا ہوتا جا رہا ہے۔"

سیٹھ اسماعیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تبھی تو روتے روتے سیکنڈ ڈویژن آئی ہے"

سیٹھ اسماعیل کا قہقہہ اور ان کا طنز یاسمین کو ناگوار گزرا، لیکن خاموشی سے خلیل کے کمرے کی طرف بڑھی، اب اُس نے غصّے کو پی جانے میں بڑی مہارت حاصل کر لی تھی، یہی وجہ تھی کہ سیٹھ اسماعیل کی ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود یاسمین خاموش رہتی۔

جیسے ہی یاسمین نے خلیل کے کمرے میں قدم رکھا، کمرے میں اندھیرا دیکھ کر بجلی جلا دی، اور خلیل کے قریب جا کر پیار سے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔

"کیا بات ہے بیٹے، تم ابھی تک لیٹے ہو، طبیعت خراب تھی تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

خلیل نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی ممی۔ سر میں ہلکا ہلکا درد تھا، سوچا تھوڑی دیر آرام کر لوں تو ٹھیک ہو جائے گا، لیکن لیٹنے سے درد کی شدت

میں اضافہ ہو گیا ہے۔"

یاسمین گھبرا کر بولی۔

"خدا خیر کرے۔ میں پہلے ہی سوچ رہی تھی کہ تمہاری صحت کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ تم دن بدن کمزور کیوں ہوتے جا رہے ہو، اب تمہاری لاپروائی برداشت نہیں کر سکتی، میں ابھی ڈاکٹر کو بلا کر تمہارا تفصیلی معائنہ کراتی ہوں۔"

یاسمین تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ خلیل آوازیں دیتا رہا، لیکن یاسمین خلیل کی آوازوں کو نظر انداز کرتی ہوئی تیزی سے ٹیلی فون کی طرف بڑھی اور یکے بعد دیگرے اُس نے کئی ڈاکٹروں کو ٹیلی فون کیا اور پھر بھاگتی ہوئی خلیل کے کمرے میں جا پہنچی، خلیل یاسمین کی بدحواسی پر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ یاسمین خلیل کو اس طرح بیٹھے دیکھ کر بولی۔

"گھبراؤ نہیں بیٹا، بس ڈاکٹر آتے ہی ہوں گے۔"

خلیل نے چونک کر یاسمین کی طرف دیکھا اور حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے کتنے ڈاکٹروں کو بلایا ہے۔"

یاسمین نے خلیل کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس سے کیا، بس تھوڑی دیر اور انتظار کرو۔"

خلیل نے یاسمین کی طرف بے بسی سے دیکھا اور خاموشی سے لیٹ گیا، سیٹھ اسماعیل اور تحسین یاسمین کا انتظار کر رہے تھے، اسی اثناء میں نوکر نے آکر اطلاع دی۔

"ڈاکٹر حیات آئے ہیں"

سیٹھ اسماعیل اور تحسین تعجب سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ڈاکٹر حیات کی آمد نے دونوں کو وقتی طور پر چونکا دیا تھا۔

سیٹھ اسمٰعیل اور تحسین بیک وقت سوچ رہے تھے کہ کیا خلیل اتنا سخت بیمار ہے۔ جس کی وجہ سے یاسمین نے ڈاکٹر حیات کو بلایا ہے۔ ابھی وہ کچھ فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ نوکر نے آکر اطلاع دی۔

"ڈاکٹر ارشد، ڈاکٹر رؤف اور ڈاکٹر امتیاز بھی آئے ہیں"

نوکر کی اطلاع نے سیٹھ اسمٰعیل پر سکتہ طاری کر دیا، تحسین بھاگا ہوا ڈرائنگ روم میں گیا اور ڈاکٹروں کو لئے خلیل کے کمرے میں پہنچا۔ یاسمین نے ڈاکٹروں کو دیکھ کر التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"خدا کے لئے میرے بچے کو بچا لیجئے، نجانے اُسے کیا ہو گیا ہے۔ دن بدن اس کی صحت گرتی جا رہی ہے"

یاسمین کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ خلیل اُچھل کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے یاسمین سے بولا۔

"ممی آپ تو ذرا سی بات کا افسانہ بنا دیتی ہیں، مجھے ایسی کون سی تکلیف تھی کہ آپ نے ان سب حضرات کو تکلیف دی"

یاسمین نے خلیل کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"آپ سب مل کر اس کا معائنہ کیجئے تاکہ میری ممتا کو قرار آجائے"

خلیل انکار کرتا رہا، ڈاکٹر حیات، ڈاکٹر ارشد، ڈاکٹر رؤف اور ڈاکٹر

امتیاز خلیل کا معائنہ کرتے رہے، خلیل کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹروں نے مسکرا کر تحسین کی طرف دیکھا اور ڈاکٹر حیات بولے۔

"میں تو ڈر گیا تھا کہ صاحبزادے خدانخواستہ سچ مچ کسی مرض کا شکار ہو گئے ہیں، لیکن یہ تو بالکل تندرست ہیں"

تحسین یاسمین کی حماقت پر بھٹ پڑا اور ڈاکٹر حیات سے بولا۔

"ڈاکٹر صاحب میری درخواست ہے کہ آپ بیگم کو بھی چیک اپ کر لیں، مجھے تو ان کی تندرستی پر شبہ ہو رہا ہے"

ڈاکٹروں نے قہقہہ لگایا، یاسمین بگڑتے ہوئے بولی۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں، اس کے سر میں درد کیوں ہو رہا تھا"

ڈاکٹر حیات نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"مسز تحسین سر درد تو کوئی پریشانی کی بات نہیں"

تحسین غصے سے یاسمین کو دیکھتا ہوا ڈاکٹروں کو لئے کمرے سے نکل گیا، سیٹھ اسمٰعیل ابھی تک خاموش بیٹھے تھے، ڈاکٹروں کو آتا دیکھ کر گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"ڈاکٹر میرا بچہ تو ٹھیک ہے نا"

ڈاکٹروں نے قہقہہ لگایا، ڈاکٹر رؤف نے کہا۔

"صرف سر میں درد تھا اور کوئی خاص بات نہیں"

سیٹھ اسمٰعیل اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا کہا صرف سر میں درد تھا"

ڈاکٹر امتیاز نے کہا۔

"جی ہاں ۔۔ صرف سر میں درد تھا اور مسز تحسین گھبرا گئیں۔"

ڈاکٹروں کو رخصت کر کے تحسین لوٹا تو سیٹھ اسماعیل نے گرجتے ہوئے کہا

"یہ کیا مذاق ہے، خلیل کے سر میں درد تھا اور بہو بیگم نے ڈاکٹروں کی فوج بُلا لی۔"

تحسین خاموش کھڑا تھا، یاسمین کو آتے دیکھ کر سیٹھ اسمٰعیل نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم، تم بات بات پر اپنی امارت کا مظاہرہ کرنے لگتی ہو، ایسی کون سی بات تھی جس نے تمہیں اس قدر بوکھلا دیا کہ تمہیں ڈاکٹروں کی فوج بلانی پڑی۔"

یاسمین نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"خلیل نے تو مجھے نہیں بتایا تھا کہ اُس کے سر میں درد ہے۔ وہ بالکل سُم پڑا تھا، مَیں اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔"

اسی وقت خلیل بھی اپنے کمرے سے نکل آیا، اس نے یاسمین کی بات سن لی تھی۔ سیٹھ اسمٰعیل کو غصّے کی حالت میں دیکھ کر بولا۔

"دادا جان میں نے تو ممی کو بتا دیا تھا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، معمولی سا درد ہے خود بخود کم ہو جائے گا۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم، تمہاری ذرا سی نادانی سے ڈاکٹروں نے یہی تاثر لیا ہو گا۔

کہ دولت مند ہر بات میں اپنی امارت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور یہ باتیں مجھے پسند نہیں، دنیا میں ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں جو مہلک سے مہلک مرض میں مبتلا ہیں اور انہیں ڈاکٹر کو دکھانے کی سکت نہیں، اور ایک تم ہو کہ سر درد کے علاج کے لئے ملک کے چار نامور ڈاکٹروں کو بلا لیا، انہیں گراں قدر فیس دے ڈالی۔"

یاسمین مجرموں کی طرح کھڑی تھی، تحسین بھی خاموش تھا، خلیل نے موقعہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے وہاں سے کھسک جانے ہی میں بہتری سمجھی، سیٹھ اسمٰعیل غصّے کے عالم میں کمرے میں ٹہلتے رہے اور پھر یکایک تحسین کو مخاطب کر کے بولے۔

"تحسین اب بھی تمہیں ہوش آجانا چاہیئے، دولت کا مقصد یہ نہیں جو بہو بیگم نے سمجھ رکھا ہے، اگر میری تمام دولت بھی دکھی انسانیت کے کام آجائے تو افسوس نہ ہو گا، لیکن اس طرح دولت کو لٹتے دیکھ کر میں خاموش تماشائی بنا نہیں رہ سکتا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اس طرح شان و شوکت کا مظاہرہ نہیں کیا، اس لئے کہ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ دولت کے حصول کے لئے مجھے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔"

تحسین سیٹھ اسمٰعیل کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا، یاسمین کی حماقت نے اسے اپنے باپ کی نظروں میں ذلیل کر دیا تھا اور یاسمین کی طرح وہ بھی باپ کی نظروں میں مجرم بن کر رہ گیا تھا۔

مسلسل پڑھائی کی وجہ سے شکیل بیمار پڑ گیا۔ راشدہ کے ہوش وحواس جاتے رہے، امتحانات سر پر آگئے تھے وہ گھبرا رہی تھی کہ بیماری کی حالت میں شکیل کس طرح امتحان دے سکے گا۔ حادثے کے بعد سے راشدہ نے شریف کو رکشا چلانے سے روک دیا تھا، جس کی وجہ سے گھر کے اخراجات بڑی مشکل سے پورے ہو رہے تھے۔ شکیل کی بیماری نے راشدہ کے سامنے ایک اور مصائب کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔

شکیل کی فوری تندرستی کے لئے دوا کی ضرورت تھی۔

دوا کے لئے روپیوں کی ضرورت تھی۔

اور روپے راشدہ کے پاس نہیں تھے۔

کافی سوچ بچار کے بعد راشدہ بھاگی ہوئی گئی اور صندوق میں سے اپنے سہاگ کا جھومر شریف کو دیتے ہوئے بولی۔

"اُسے بیچ کر شکیل کی دوا لے آیئے، تاکہ وہ جلد تندرست ہو کر امتحان دے سکے۔"

شریف راشدہ سے جھومر لے کر چند لمحوں تک اُسے دیکھتا رہا اور

پھر انتہائی دکھ سے بولا۔

"راشدہ میں زندگی بھر تمہیں کوئی سکھ نہ دے سکا۔ تمہارے سہاگ کی آخری نشانی بھی بیچ کر میں اپنی نظروں میں ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔"

شکیل بستر پر لیٹا ماں باپ کی شفقت اور بے بسی کی داستان سنتا رہا، راشدہ نے شریف کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"شکیل بھی تو ہماری امیدوں کا مرکز ہے، میری زندگی کے ماتھے کا جھومر ہے۔ تم شکیل پر ایک معمولی زیور کو ترجیح دے رہے ہو۔"

راشدہ کی بات شریف کو لاجواب کر گئی اور وہ جھومر تھامے گھر سے نکل گیا، شکیل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے رقت بھری آواز میں کہا۔

"امی آپ میرا کتنا خیال رکھتی ہیں۔"

اس سے آگے شکیل کچھ نہ کہہ سکا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، راشدہ نے شکیل کے آنسو اپنے آنچل میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

"پگلا کہیں کا اتنا بڑا ہو گیا ہے ذرا سی بات پر آنسو بہانے لگ جاتا ہے۔ تیرے لئے اگر میری زندگی بھی کام آ جائے تو میں اس سے دریغ نہیں کروں گی، خدا میری عمر بھی تجھے دے دے۔ زیور ہوتا ہی اسی دن کے لئے ہے کہ آڑے وقت پر کام آئے۔"

ابھی راشدہ نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا تھا کہ لوگ شریف کو اٹھائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ شریف کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھ کر راشدہ چیخ اٹھی۔

"کیا ہوا میرے سرتاج کو۔"

ایک آدمی نے کہا۔

"ایک تیز رفتار کار شریف بھائی کو روندتی ہوئی چلی گئی، اور اس حادثے میں شریف کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔"

راشدہ شدتِ غم سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گئی۔

بیمار شکیل گھبرا کر اٹھا، وہ کبھی شریف کو دیکھتا اور کبھی راشدہ کو، سکندر بھی اس حادثے پر مغموم تھا۔ رات گئے جب ہسپتال میں شریف کو ہوش آیا تو وہ یہ دیکھ کر چیخ اٹھا کہ ڈاکٹر نے اس کی ایک ٹانگ کاٹ دی تھی، راشدہ سرہانے شریف کے سرہانے بیٹھی تھی، شکیل اپنا دکھ درد بھول کر شریف کی تیمار داری کر رہا تھا، سکندر نے شکیل کو جاگتے دیکھ کر کہا۔

"بیٹا شکیل تم بیمار ہو آرام کرو، میں اور بھابی شریف بھائی کی دیکھ بھال کریں گے۔"

شکیل نے اداس لہجہ میں کہا۔

"چاچا آرام ہم غریبوں کے مقدر میں کہاں۔ میری قسمت سو رہی ہے، میں جاگ رہا ہوں۔"

سکندر دوبارہ شکیل سے کچھ بھی نہ کہہ سکا، راشدہ کی زبان پر تالے پڑے ہوئے تھے، شریف کے اپاہج ہو جانے سے شکیل کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ستا رہا تھا۔

روشی آخری پرچہ دے کر ہال سے نکلی اور کار میں بیٹھی خلیل کا انتظار کرتی رہی، جونہی خلیل پرچہ ختم کر کے ہال سے نکلا روشی دوڑی ہوئی اس کی طرف گئی۔

"کیسا ہوا پرچہ"

"ونڈر فل"

"ویری گڈ"

روشی خلیل کے ساتھ چلتی ہوئی کار کے قریب پہنچی اور کار میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"خلیل امتحانات کی بوریت سے تو نجات مل گئی، اب چھٹیوں کا کیا پروگرام ہے"

خلیل نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ کالج بند ہو جانے کے بعد ہم چھٹیاں کس طرح گزاریں گے"

روشی بولی۔

"ڈیڈی تو گرمیاں گزارنے کے لئے مری جا رہے ہیں، وہ مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، میرے لئے تمہاری جدائی ناقابلِ برداشت ہے۔"

روشی نے التجا آمیز نظروں سے خلیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کالج تو بند ہو چکے ہیں، دو تین ماہ کے لئے تم بھی مری آ جاؤ، مری کی برف پوش پہاڑیوں کے دامن میں، خنک ہواؤں کے دوش پر ہم خوب گھومیں گے، جی بھر کر ٹینس کھیلیں گے۔"

خلیل سوچنے لگا۔ خلیل کو خیالات کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر روشی بولی

"کیا سوچ رہے ہو خلیل۔"

"سوچ رہا ہوں کہ ممی مری جانے کی اجازت دیں گی بھی یا نہیں۔"

"وہ کیوں۔"

خلیل نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا، لیکن پچھلے کئی سیزن اسی طرح گزر گئے، جب بھی میں نے مری جانے کا ذکر کیا ممی نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ ممی تو مری کے نام سے گھبرا جاتی ہیں۔"

روشی نے خلیل کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہاری ممی بڑی کنجوس ہیں۔"

خلیل نے تردید کرتے ہوئے کہا

"نہیں روشی وہ تو بڑی پیاری ہیں۔ مری سے ان کی کچھ تلخ یادیں وابستہ ہیں ــــ"

"اگر تم مری نہ آؤ گے تو میں اداس ہو جاؤں گی۔"
روشنی نے پیار بھرے انداز میں کہا۔ خلیل روشنی سے وعدہ کر کے اپنی کار کی طرف بڑھا اور راستہ بھر یاسمین کو منانے کے طریقے سوچتا رہا۔

شکیل کے سامنے کھانے کے برتن رکھے تھے، اور شکیل اداس بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا، راشدہ برتن اٹھانے آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ شکیل نے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا، بلکہ وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا، راشدہ نے پیار سے شکیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا تم نے کھانا نہیں کھایا۔ کیا سوچ رہے ہو"

شکیل نے راشدہ کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا دیں۔

راشدہ دوبارہ بولی۔

"کھانا کھالو، ٹھنڈا ہو چلا ہے"

شکیل راشدہ سے لپٹ گیا اور روتا ہوا بولا۔

"امی مجھ سے یہ کھانا نہیں کھایا جاتا، مجھے یہ کھانا کھاتے ہوئے شدت سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ بابا معذور نہیں ہوئے بلکہ میں معذور ہو گیا ہوں"

راشدہ نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اداس نہ ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا"

تشکیل چیخ اٹھا۔

"اداس کیسے نہ ہوں امی، تم دن بھر محنت مزدوری کرتی ہو، بابا اپاہج ہو گئے، مجھ سے یہ دکھ نہیں دیکھے جاتے۔ کیا سارے جہاں کے دکھ درد ہمارے لئے ہی رہ گئے ہیں۔ امی میں ان دکھوں کے آگے دیوار بن کر کھڑا ہو جانا چاہتا ہوں کچھ کرنا چاہتا ہوں"

راشدہ سمجھاتے ہوئے بولی۔

"پڑھ لکھ کر تم بڑے آدمی بن جاؤ گے تو پھر ہمارے سارے دکھ درد دور ہو جائیں گے۔

شکیل غصے سے بولا۔

"غریب اپاہج باپ کا بیٹا پڑھ لکھ کر بھی بڑا آدمی نہیں بن سکتا امی، مجھے کوئی بڑا آدمی بننے نہیں دے گا۔ اگر میں بڑا آدمی بن گیا تو معاشرے میں انقلاب آجائے گا، پھر لوگ غریب کس کو کہیں گے، امیروں، غریبوں میں امتیاز ختم ہو جائے گا، اچھی ملازمت، اچھی تنخواہ، اچھی زندگی ہم غریبوں کے لئے نہیں صرف ان کے لئے جن کا اس دنیا میں کوئی پہلے ہی سے بڑا آدمی موجود ہے، مجھ جیسے نوجوان کیلئے ہے تو ٹھوکریں ہیں، زمانے میں ہمارے لئے یہی کچھ ہے، اس لئے کہ بڑے آدمی ٹھوکریں نہیں کھاتے، وہ ٹھوکر لگنے سے پہلے منزل پر پہنچ جاتے ہیں"

شکیل جذبات میں بہا اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا، یکایک ہیرا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"غلط بالکل غلط تم بھی ٹھوکر لگنے سے پہلے منزل پر پہنچ سکتے ہو میں

تمہارے لئے نوکری کا بندوبست کر لیا ہے"
شکیل نے ہیرو کی بات کو مذاق سمجھتے ہوئے پوچھا۔
"کیا بندوبست کیا ہے"
ہیرو فخر سے بولا۔
"نوکری، فرسٹ کلاس نوکری، کل مجھے آفر ہوئی تھی، لیکن مجھے وہ کام بھلا نہیں لگا، اُس میں میری فنکارانہ توہین تھی۔ تم ضرورت مند ہو، ممکن ہے تمہیں پسند آجائے۔ ہم تو ٹٹو پر ٹیڈی لڑکیوں کو سیر کرائیں گے، ان کے حُسن کے گیت گائیں گے، انہیں سبز باغ دکھائیں گے اور ایک کے سو کمائیں گے۔
راشدہ نے ہیرو سے پوچھا۔
"سلیمان بیٹے کیسی نوکری ہے"
سلیمان جھنجھلا کر بولا۔
"انٹی میرا نام سلیمان نہیں ہیرو ہے، وہ سلیمان مرگیا جو زندگی پر بوجھ تھا، اب جو شخصیت آپ کے سامنے کھڑی ہے وہ ہیرو کی ہے، عظیم ہیرو کی، جو فن وعظمت کا روشن مینار ہے، شکیل اٹھتے ہوئے بولا۔
"چلو ہیرو نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ آؤ چلیں"
شکیل ہیرو کے ساتھ گھر سے نکل گیا اور راشدہ دامن پھیلائے خدا کے حضور دعائیں مانگتی رہی، شکیل کے مستقبل کے لئے، شکیل کی بہتری کے لئے، شکیل کی زندگی کے لئے۔

خلیل اور روشی ٹینس کھیل رہے تھے، ہیرو شکیل کو لئے ٹینس کورٹ میں پہنچا، خلیل اور روشی ایک دوسرے کو ہرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبھی روشی کا پلہ بھاری ہو جاتا، کبھی خلیل کا، شکیل بڑی دلچسپی سے دونوں کو کھیلتا دیکھ رہا تھا آخر روشی جیت گئی اور دونوں ہنستے ہوئے کورٹ سے باہر آئے اور ستانے کے لئے کرسیوں پر بیٹھ گئے، ہیرو پر خلیل کی نظر پڑی،

خلیل نے پوچھا۔

"ہیرو لڑکا لائے ہو"۔

ہیرو نے آگے بڑھ کر کہا۔

"جی ہاں — بڑا ہی سمارٹ، پڑھا لکھا، بڑے لوگوں کے مزاج کو خوب سمجھتا ہے۔ آپ کی خدمت کر کے مسرت محسوس کرے گا"

خلیل نے ایک نظر شکیل پر ڈالی اور بولا۔

"کیا نام ہے تمہارا"

"شکیل"

"گڈ — مسٹر شکیل کام کچھ بھی نہیں ہم جب کھیلیں گے تو تم پیچھے کھڑے رہو

گے اور بال اٹھا کر ہمیں دو گے، دیکھ لو کتنا آسان کام ہے، سو روپے ملیں گے، کہو منظور ہے۔"

شکیل نے کہا۔

"آپ کی مہربانی ہے، آپ کی خدمت کرتے کرتے شاید میں بھی کچھ سیکھ جاؤں۔"

خلیل نے شکیل میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں ٹینس سے دلچسپی ہے"

"دلچسپی سے تو شوق کی تکمیل نہیں ہوتی۔"

خلیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آدمی سلجھے ہوئے معلوم ہوتے ہو، ہم تمہارے شوق کی تکمیل میں مدد دیں گے، تمہیں اپنے ساتھ پریکٹس کرائیں گے"

خلیل نے روشنی کی طرف مڑ کر کہا۔

"شکیل یہ ہیں مس روشنی، ملک کی نامور کھلاڑی ہیں۔" شکیل نے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ جیسے نامور کھلاڑیوں کو کھیلتا دیکھ کر میں بہت کچھ سیکھ جاؤں گا۔"

روشنی نے شکیل پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"کھیل ہر ایک کے بس کا روگ نہیں، بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

خلیل نے روشنی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیوں بے چارے کو نروس کر رہی ہو، ہو سکتا ہے یہ ہم دونوں سے اچھا کھیلنے لگے۔"

روشنی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میرا تجربہ یہی کہتا ہے، مدتوں سے ٹینس کھیل رہی ہوں، تب جا کر اس

مقام پر پہنچی ہوں "۔

خلیل نے روشنی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

" عورتوں کے تجربے ہمیشہ غلط ہوتے ہیں "۔

" مردوں کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں "۔

روشنی بگڑ گئی شکیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

" میری وجہ سے مس صاحبہ کا موڈ خراب ہو گیا "۔

خلیل بولا۔

" ان کا موڈ بنتے بگڑتے دیر نہیں لگتی تم کیوں فکر مند ہو گئے "۔

ہیرو نے روشنی کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

" مس صاحبہ تو غصہ میں بڑی خوبصورت لگتی ہیں "۔

" بکو مت "۔

روشنی کی ڈانٹ سن کر ہیرو اچھل پڑا، خلیل نے روشنی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

" روشنی خواہ مخواہ تم نے اس غریب کو ڈانٹ دیا "۔

روشنی اٹھ کر چلی گئی، خلیل اُسے دیکھتا رہا۔ جب روشنی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو خلیل نے شکیل سے کہا۔

" تم کل سے کام پر آجانا "۔

" شکریہ "۔

شکیل شکریہ ادا کر کے ہیرو کے ساتھ واپس ہوا، ہیرو راستہ بھر شکیل کو مبارکباد دیتا رہا، اس پر احسان جتاتا رہا۔

سلطان اپنے مکان کے سامنے بیٹھا حقہ پی رہا تھا، ہیرو گنگناتا ہوا اُس کے قریب پہنچا، سلطان نے ہیرو کو دیکھ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے ہیرو آج بہت خوش دکھائی دے رہے ہو"

ہیرو نے سلطان کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"سلطان ابن سلطان آج مجھے ایک اچھا سا گھوڑا دے دو۔ جس کو دیکھتے ہی میری ٹیڈی میم ایک دم پگھل کر موم بن جائے"

سلطان بولا۔

"ہیرو تم حساب کتاب کے کھرے نہیں، کل بھی پورے پیسے دے کر نہیں گئے تھے۔ مجھے اپنی جیب سے ڈال کر مالک کو دینے پڑے، جب تک اپنے گھوڑے تھے فکر نہیں تھی"

ہیرو ہنس کر کہنے لگا۔

"سلطان جی، ایٹمی دور میں تم ایمانداری، دیانتداری کی دکان سجائے بیٹھے ہو، ارے میرے پیارے بھائی زندہ رہنا ہے تو ہاتھ کی صفائی دکھاؤ، جھوٹ بولو، بے ایمانی کرو، پھر دیکھتے ہی دیکھتے تم سلطان سے مسٹر سلطان

بن جاؤ گے اس جھونپڑے کی جگہ شاندار محل کھڑا ہو گا اور اُس کے اوپر لکھا ہو گا۔
ہٰذا من فضلِ ربّی۔"
سلطان بگڑ کر بولا۔

"ہیرو دنیا میں سب تم جیسے چار سو بیس نہیں بن سکتے، میں اپنے مالک کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ میرا دوست بھی ہے اور میرا محسن بھی، تمہیں گھوڑا چاہیئے تو پہلے پیسے دو، پھر گھوڑا لے جانا، ورنہ چلتے بنو۔"
ہیرو ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

"سلطان تم زندگی بھر سلطان یعنی دولت مند نہیں بن سکتے، نام سلطان رکھ لینے سے تقدیر نہیں بدلتی، ترقی کرنا ہے، آگے بڑھنا ہے تو تمہیں جھوٹ بولنا پڑے گا، اتنا جھوٹ کہ لوگوں کو اس پر سچ کا گمان ہونے لگے، بے ایمانی رشوت، مالک سے غداری ہی سے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں عزت، دولت، شہرت نصیب ہوتی ہے۔"

سلطان ہیرو کی باتوں سے اکتا کر حقہ اٹھائے مکان کے اندر جانے لگا، ہیرو نے پانچ روپے کا نوٹ سلطان کو تھماتے ہوئے کہا۔
"یہ رکھ لو، حساب کتاب چلتا رہے گا۔"

سلطان نوٹ جیب میں ڈال کر خاموش ہو گیا اور ہیرو گھوڑا کھول کر چلتا بنا، شریف بیساکھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا سلطان کے قریب پہنچا سلطان کو گم سم کھڑے دیکھ کر پوچھا۔
"کیا سوچ رہے ہو سلطان بھائی۔"

"کم بخت مجھے جھوٹ، بے ایمانی اور غداری کا سبق پڑھانے آیا تھا"

شریف پوچھنے لگا۔

"کون آیا تھا"

سلطان غصّے سے بولا۔

"وہی گھوڑے کی صورت والا جو خود کو ہیرو کہتا ہے"

شریف ہنس کر بولا۔

"سکندر بھائی نے تو اُسے آدمی بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن اُس پر ہیرو بننے کا بھوت سوار ہے"

سلطان جل کر بولا۔

"وہ ہیرو کیا بنے گا شریف بھائی، وہ تو ہیرو کا نوکر بننے کے لائق نہیں، ہیرو تو تمہارا شکیل ہے"

شریف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شکیل پاگل نہیں جو اپنا مقصد بھول کر خواب دیکھتا رہے"

سلطان نے شریف کی بات کی تائید کی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بھائی، شکیل کا ہیرو سے کیا مقابلہ"

شریف اور سلطان ہنستے رہے، باتیں کرتے رہے اور حقہ کا دور چلتا رہا اور دونوں سکندر کی بدنصیبی پر افسوس کرتے رہے۔

ہیرو تہذیب کو ٹٹو پر بٹھائے ٹٹو کو ایک گھاٹی پر چڑھانے کی کوشش میں پسینہ پسینہ ہو چلا تھا. مگر ٹٹو تھا کہ آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا. زچ ہو کر ہیرو تہذیب سے بولا.

" میم صاحب ٹٹو نے تو آگے بڑھنے کی قسم کھا رکھی ہے، تم مجھ پر سوار ہو جاؤ، پلک جھپکتے چوٹی پر پہنچا دوں گا. دام زیادہ نہیں ہوں گے صرف پانچ روپے اور دے دینا."

تہذیب بگڑ کر بولی.

" تم آدمی ہو یا گدھے، کہیں انسان. انسان پر سواری کرتا ہے."

ہیرو ٹھنڈی سانس لے کر بولا.

" پیٹ سب کچھ کرا دیتا ہے میم صاحب، شاید آپ کو ابھی تجربہ نہیں ہوا ——"

تہذیب ٹٹو پر سے اُتر کر پیدل گھاٹی چڑھنے لگی، ہیرو اس کی خوشامد کرتا رہا. لیکن تہذیب نے اُسے لفٹ نہیں دی، ہیرو بے بسی سے چاروں طرف دیکھنے لگا، سامنے سے تشکیل کو آتا دیکھ کر ہیرو خوشی سے چلّایا.

شکیل بھائی، میری آسامی جا رہی ہے، کم بخت سلطان ابن شیطان سے ایسا ٹٹو دیا ہے کہ آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتا، ذرا جلدی سے ٹٹو راگ چھیڑ دو تاکہ ٹٹو چل پڑے، اور میم صاحب خوش ہو جائے۔ آدھی کمائی تمہاری جھولی میں ڈال دوں گا۔

شکیل نے مسکرا کر ہیرو کی طرف دیکھا، ہیرو نے ہاتھ جوڑ دیئے، شکیل نے ٹٹو کو پیار کیا اور اپنا مخصوص گیت چھیڑ دیا، ٹٹو خود بخود چل پڑا، ہیرو ٹٹو کو بھگاتا ہوا تہذیب کے پاس جا پہنچا۔

"میم صاحب اس کو چابی لگ گئی ہے اب یہ کہیں نہیں رکے گا۔"

تہذیب مسکرا کر ہیرو کو دیکھنے لگی، ہیرو نے شرماتے ہوئے ماتھے پر بال جا کر تہذیب کی طرف دیکھا۔ تہذیب ہیرو کے پاگل پن پر ہنس پڑی، ہیرو بھی زور زور سے ہنسنے لگا پھر تہذیب کو ٹٹو پر سوار ہونے میں مدد دی اور ٹٹو کے آگے آگے چلا آ رہا۔ تہذیب ہیرو سے پوچھنے لگی۔

"یہ کون گا رہا ہے"

ہیرو خوش ہو کر بولا۔

"ہے تو میرا دوست، بس شکل و صورت ایسی ہی ہے، لیکن نام شکیل ہے۔ کم بخت کی آواز میں ایسا جادو ہے کہ انسان تو انسان جانور بھی موم ہو جاتے ہیں، ابھی کی بات ہے یہ کم بخت اڑ گیا تھا شکیل نے ٹٹو راگ چھیڑا اور یہ مست ہو کر چل پڑا۔"

تہذیب نے ہنس کر پوچھا۔

"یہ ٹٹو راگ کیا ہوتا ہے"
ہیرو نے ٹٹو راگ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"جس طرح ملہار، دیپک راگ ہوتا ہے اسی طرح ٹٹو راگ ہے دیپک راگ سے دیئے جل اٹھتے ہیں اور ٹٹو راگ سے ٹٹو چل پڑتے ہیں"

ہیرو اپنی اس وضاحت پر خود ہی ہنسنے لگا۔ تہذیب بھی ہنس پڑی۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارا دوست بھی ٹٹو ہے۔ جبھی تو ٹٹو اس کی زبان سمجھتا ہے —"

ہیرو اکڑ کر بولا۔

"اس کی بات چھوڑیئے میم صاحب، میں بھی اُسے زیادہ لفٹ نہیں دیتا، کہاں ایک ہیرو اور کہاں وہ بد نصیب انسان، بس دن رات پڑھتا رہتا ہے۔ بڑے آدمیوں کی طرح سوچتا ہے، میم صاحب ایک غریب آدمی کا بیٹا بڑا آدمی نہیں بن سکتا، وہ تو پاگل ہے جو غریب والدین کی دولت اور اپنی عمر تباہ کر رہا ہے۔ میں نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ فلموں میں کام کرو۔ میں ہیرو تو ہوں ہی تمہیں بھی کہیں نہ کہیں ولن کرا دوں گا۔"

تہذیب ہیرو کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

"اس نے تمہاری بات نہیں مانی"

ہیرو برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اُس میں فنکارانہ صلاحیتیں ہی نہیں ہیں، وہ کیسے میری بات مانتا"

ہیرو فخر سے بولا۔

"میم صاحب فنکار تو پیدائشی فنکار ہوتا ہے۔"

تہذیب ہیرو کی مضحکہ خیز صورت دیکھ کر بولی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

ہیرو خوش ہو کر کہنے لگا۔

"پھر اسی خوشی میں پانچ روپے اور دے دیجئے، تاکہ ہم بھی یاد کریں گے کہ کسی رئیس زادی سے واسطہ پڑا تھا۔"

تہذیب نے دس روپے کا نوٹ ہیرو کے ہاتھ میں تھما دیا، ہیرو خوشی سے ناچنے لگا، تہذیب بولی۔

"اب واپس چلو۔"

ہیرو خوش ہو کر بولا۔

"اگر آپ کہیں تو میں اس وقت جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں۔"

تہذیب نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو۔"

ہیرو ڈرتے ڈرتے بولا۔

"ہم غریبوں کو تو صرف جہنم کا راستہ ہی معلوم ہے، جنت کے دروازے تو آپ جیسی ہستیوں کے لئے کھلے ہیں، جہاں صرف دولت مند اپنی الاٹمنٹ کرا سکتے ہیں۔"

تہذیب نے ہیرو کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ٹٹو آہستہ آہستہ گھاٹی پر سے اتر رہا تھا اور تہذیب ٹٹو پر بیٹھی بار بار خود کو سنبھالتی رہی، ہیرو نے

پھر تہذیب سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی، اُسے اس بات کا دُکھ تھا۔ تہذیب نے اُسے ڈانٹ پلا کر ایک فنکار کی روح کو مجروح کیا تھا۔

محض اس لئے کہ وہ امیرزادی تھی۔

اُسے صرف ڈانٹنا آتا ہے۔

اور غریب کے مقدر میں ڈانٹ ہی ڈانٹ لکھی ہے۔

تہذیب گھاٹی سے اتر کر اپنی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔ ہیرو کو اس بات کا علم بھی نہ ہو سکا، جب اُس نے مڑ کر دیکھا تو تہذیب غائب تھی، اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو دور اُسے تہذیب جاتی نظر آئی، ہیرو کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی قسمت اس سے روٹھ کر جا رہی ہے۔

پہلے تو ہیرو نے سوچا کہ دوڑ کر اپنی روٹھی ہوئی قسمت کو منالے، لیکن اسے تہذیب کی ڈانٹ یاد آگئی اور اُس کے ارادے متزلزل ہو گئے۔

تہذیب اُسے اچھی لگی تھی۔

بالکل فلم کی ہیروئین کی طرح۔

لیکن وہ ہیرو سے منہ موڑ کر چلی گئی۔

اور ہیرو اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

خلیل اور روشنی ٹینس کھیلنے میں محو تھے اور شکیل گیند اٹھا کر انہیں دے رہا تھا، کھیل ختم کر کے خلیل اور روشنی ایک دوسرے کی باہوں میں باہیں ڈالے کورٹ سے نکل گئے دونوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

خلیل روشنی کو پکڑنے کی کوشش میں ایک دو مرتبہ گرتے گرتے بچا اور پھر روشنی اس کے قابو آ گئی۔

خلیل روشنی کو باہوں کے شکنجے میں جکڑتے ہوئے بولا۔

"اب بھاگ کر کہاں جاؤ گی سرکار۔"

"دور بہت دور جہاں کوئی آ نہ سکے۔"

خلیل نے مسکرا کر روشنی پر اپنی گرفت اور تنگ کر دی۔

روشنی چلا اٹھی۔

"ہائے اللہ میری تو پسلیاں ٹوٹ رہی ہیں۔"

"پہلے وعدہ کرو کہ ہمیں گانا سناؤ گی، رقص کرو گی تو ہم چھوڑتے ہیں ورنہ....."

روشنی نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"ورنہ کیا؟"

خلیل نے روشنی کو آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"ورنہ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے؟"

روشنی خلیل کی باہنوں سے نکل کر ناچتی رہی، گاتی رہی اور خلیل اُس کے حسین جسم کے زاویوں پر نظریں جمائے دیکھتا رہا، رقص کرتے کرتے جب روشنی تھک کر لیٹ گئی — تو خلیل بولا۔

"تمہیں رقص کرتے دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری وادی محوِ رقص ہو، کتنا اچھا ناچتی ہو۔"

روشنی ہنس کر بولی۔

"مجھے نچانا بھی آتا ہے؟"

خلیل بولا۔

"وہ تو ہر حسینہ جانتی ہے؟"

روشنی بولی۔

"معلوم ہوتا ہے کافی حسیناؤں سے تمہارا واسطہ پڑا ہے؟"

خلیل روشنی کے بالوں سے کھیلتا ہوا بولا۔

"روشنی تم پہلی اور آخری حسینہ ہو، اس سے پہلے تو صرف خواب میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔"

خلیل اور روشنی اخروٹ کے پیڑوں تلے لیٹے تھے، ارد گرد اونچے ... لوں اور بیلوں نے انہیں دنیا کی نظروں سے چھپا دیا تھا۔ روشنی جذبا

انتشار کی لذت سے مخمور ہوئی جا رہی تھی، آنکھیں آنکھوں کو چوم رہی تھیں، ہاتھ ہاتھ میں پہنچ کر کانپنے لگے، ہونٹوں پر تھرتھراہٹ آگئی۔ شدت جذبات سے چہرے دمک اُٹھے، خلیل کا چہرہ روشی کی طرف بڑھنے لگا اور روشی کی پلکیں جھکنے لگیں، اور مری کی پہاڑیاں حسن و عشق کے ملاپ پر مسکرا اُٹھیں۔

شکیل نے جب سے خلیل اور روشی کی رومانی جوڑی دیکھی تھی اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس دنیا میں اکیلا ہے۔ اُس کے لئے کوئی روشی نہیں۔

اُس کے دل کی دھڑکنوں کو سننے والا کوئی نہیں۔

شکیل پر جب اداسی کا بوجھ بڑھ جاتا تو وہ مری کی وادیوں میں بے مقصد گھومتا رہتا، گاتا رہتا اور اداسی کا بوجھ کم کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن یہ بوجھ اُس پر مزید بڑھتا ہی چلا جاتا۔

آج جب وہ ٹینس کورٹ سے نکلا تو اُس کی اُداسی بڑھ گئی تھی۔ وہ بے مقصد وادی میں گھومتا رہا۔

اخروٹ کے ایک پیڑ تلے تہذیب بیٹھی کوئی ناول پڑھ رہی تھی، جب شکیل اُس کے قریب سے گزرا تو قدموں کی آہٹ پر تہذیب چونک کر دیکھنے لگی، شکیل کو جاتا دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھی۔

"سنیئے"

شکیل کے قدم رک گئے، اُسے اپنے کانوں پر دھوکا ہوا، لیکن جب

مڑ کر دیکھا تو تہذیب اسکی طرف مسکراتی ہوئی دیکھ رہی تھی شکیل کچھ سوچ کر آگے بڑھا

"سنائیے"۔

تہذیب اپنی دارفتگی پر بوکھلا گئی۔ اُس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔

اور وہ جلدی سے بولی۔

"جی کچھ نہیں"۔

شکیل کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کھیلنے لگی اور وہ تہذیب پر ایک سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ تہذیب شکیل کو اُس وقت تک دیکھتی رہی جب تک شکیل اُس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

تہذیب کو اپنے آپ پر بڑا غصّہ آیا، جھنجلا کر اُس نے کتاب بند کی اور بڑبڑانے لگی۔

"وہ آیا اور میں کچھ نہ کہہ سکی"۔

اس کا راستہ نہ روک سکی۔

صرف اُسے جاتا دیکھتی رہی۔

وہ مجھے کیوں اچھا لگنے لگا ہے۔

اُسے تو میں نے صرف دور ہی دور سے دیکھا ہے۔

یا پھر اُس کے مدھر گیت سنے ہیں۔

وہ گاتا نہیں جادو کرتا ہے۔

مسکراتا نہیں دل چھلنی کرتا ہے۔

وہ خاموش رہتا ہے لیکن اس کی نظریں بولتی ہیں۔

اس کے قدموں کی چاپ سن کر میرا دل کیوں دھڑکتا ہے۔

تہذیب تم پاگل ہو۔

ایک اجنبی نوجوان میں دلچسپی لے رہی ہو۔

جس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

کون جانے اس کی منزل کون سی ہے۔

تہذیب خیالات کی گہرائیوں میں ڈوبی شکیل کے متعلق سوچتی رہی، بادل اس کے سر پر منڈلانے لگے۔ بارش کے آثار دیکھ کر تہذیب بھاگتی ہوئی اپنی کوٹھی کی طرف بڑھی، لیکن بارش نے اُسے راستہ ہی میں آگھیرا، اور وہ بھیگی ہوئی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ کپڑے تبدیل کر کے بستر میں جا گھسی۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

بارش برس کر ابھی تھمی تھی۔

مری کی اندھیری رات میں، ندی نالوں اور جھرنوں نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے جو تھک کر وادیوں کے نشیب میں اُتر آئے تھے، انہیں چیل اور دیودار کے بیڑ ساں ساں کی لوریاں دے کے سلا رہے تھے بارش کے تھمتے ہی گیدڑ جنگل سے نکل آئے تھے۔ اور بے سُرا راگ الاپ رہے تھے تہذیب اپنے بستر پر لیٹی سوچ رہی تھی۔

مری کا شہر تو گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

لیکن نیند تہذیب کی آنکھوں سے دور تھی۔

وہ عجیب ذہنی کش مکش میں مبتلا تھی۔

اس سے پہلے وہ کبھی ایسی کیفیت سے دوچار نہ ہوئی تھی۔

خلیل اور روشی کھیل میں مصروف تھے اور شکیل اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا، خلیل نے شکیل کو ملازم تو رکھا تھا لیکن وہ شکیل کے ساتھ بڑے پیار اور خلوص سے پیش آتا۔

اُسے مسٹر شکیل کہہ کر مخاطب کرتا۔

روشنی خلیل کی ضرورت سے زیادہ ہمدردی پر اکثر اُس سے الجھ پڑتی لیکن خلیل مسکرا کر کہتا

"روشی ڈارلنگ مجھے نجانے کیوں شکیل سے لگاؤ ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ دل شکیل کے احترام پر کیوں مجبور ہے۔ یہ میں خود فیصلہ نہ کر سکا۔ بہر حال شکیل مجھے اچھا لگتا ہے اور میں اس کی عزت کرتا ہوں۔"

روشی ترش روی سے بولی۔

"تم اپنا فیصلہ مجھ پر نہیں ٹھوپ سکتے، میں ایک نوکر کی عزت نہیں کر سکتی۔ نوکر اور مالک کے درمیان ایک فاصلہ ضرور ہونا چاہیئے، ورنہ نوکر اور آقا کی تمیز مٹ جاتی ہے اور پھر نوکر سر چڑھ کر بولتے ہیں۔"

"روشنی شکیل ایسا نہیں، تم دیکھتی نہیں وہ کتنا مہذب، کتنا سنجیدہ ہے، پڑھا لکھا ہونے کے باوجود محنت مزدوری سے نہیں گھبراتا یہی اُس کی عظمت کی دلیل ہے۔

روشنی طنزیہ انداز میں بولی۔

"مجبور انسان سب کچھ کرتے ہیں۔ پھر اُسے ٹینس کا شوق تھا اور وہ نوکری کے ساتھ ساتھ اپنا شوق بھی پورا کر رہا ہے اس کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔"

خلیل قہقہہ لگا کر بولا۔

"سو روپے دے کر تم اس کی سات پشتوں پر احسان جتانا چاہتی ہو، موجودہ دور میں سو روپے کی اہمیت ہی کیا ہے"۔

"جب کمانے لگو گے تو سو روپے کی اہمیت کا اندازہ ہو گا، باپ دادا کی دولت پر عیش کرنے والے نوجوان کبھی روپے کو اہمیت نہیں دیتے۔"

خلیل اور روشنی میں شکیل کے لئے کشمکش جاری تھی۔ روشنی شکیل کو لفٹ دینے پر تیار نہیں تھی اور خلیل روشنی کے ان خیالات سے نالاں تھا۔

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پیداوار کہتا تھا۔ لیکن روشنی اپنی روش سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

شکیل اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر جا رہا تھا، راستہ میں ایک پیڑ کے نیچے ہیرو سر تھامے بیٹھا رو رہا تھا۔ شکیل نے ہیرو کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا عورتوں کی طرح بیٹھے رو رہے ہو۔"

ہیرو شکیل سے لپٹ کر رونے لگا۔

"شکیل بھائی میں لٹ گیا، میں تباہ ہو گیا

بلکہ میرا خانہ خراب ہو گیا۔

"ارے کچھ بتاؤ گے بھی یا نہیں"

ہیرو آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

"میم صاحب کے لئے ٹٹو لایا تھا۔ میم صاحب غائب ہے۔ سلطان تو ایڈوانس لے چکا ہے، میں لٹ گیا"

"کاروبار میں تو نفع نقصان ہوتا ہی رہتا ہے"

"میں ایسا کاروبار نہیں کرتا، جس میں نفع کے ساتھ نقصان بھی جیک کر آجائے"

شکیل نے ہیرو کو پریشان دیکھ کر کہا۔

"مرے کیوں جاتے ہو، پہاڑی کے دوسری طرف چلے جاؤ، چشمے کے کنارے تمہیں میم صاحب مل جائے گی"

ہیرو بغیر کچھ کہے سنے اُچھل کر ٹٹو پہ بیٹھا اور ٹٹو کو دوڑاتا ہوا پہاڑی کی دوسری طرف چلا گیا۔ اور شکیل مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔

تہذیب ایک جھرنے کے قریب گم سم بیٹھی تھی، ہیرو ٹٹو کو دوڑاتا ہوا تہذیب کے قریب پہنچا اور انتہائی مسرت سے بولا۔

"السلام علیکم"

تہذیب ہیرو کی آواز پر چونک اُٹھی، ہیرو مسکراتا ہوا بولا۔

بھلا کرے تشکیل کا جس نے آپ کا اتہ پتہ بتا دیا۔ ورنہ میں دن بھر ادھر انتظار کرتا رہتا اور ٹٹو کے مالک سے ادھار کرنا پڑتا۔"

تہذیب نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"آج ہم سیر نہیں کریں گے۔"

"ہائیں سیر نہیں کریں گی — سیر نہیں کرنی تھی تو ایڈوانس بکنگ کیوں کرائی تھی، مجھ غریب کے ساتھ یہ مذاق کیوں کیا تھا۔ مجھے ایسا مذاق ہرگز پسند نہیں۔"

تہذیب نے ڈانٹ کر کہا۔

"بکو مت — اپنا کرایہ لو اور چلتے بنو۔"

ہیرو نے تہذیب کی ڈانٹ کا نوٹس لیتے ہوئے کہا۔

"مس صاحبہ ہم غریب ضرور ہیں بھیک منگے نہیں، بغیر محنت کئے ہمیں کرایہ نہیں چاہیئے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"ہر غریب آدمی عجیب ہی نظر آتا ہے۔"

تہذیب نے ہیرو کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہیرو معاف کرنا — میں ذہنی طور پر پریشان تھی، اور تمہیں ڈانٹ دیا، میں سیر کروں یا نہ کروں ٹٹو کا روزانہ تمہیں کرایہ مل جایا کرے گا۔"

ہیرو نے تہذیب کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو آپ کی آنکھوں میں بہت کچھ نظر آتا ہے اور یہ بیماری خطرناک ہے۔"

"کیا نظر آیا ہے میری آنکھوں میں۔"

ہیرو نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"بہت کچھ۔"

"آخر کچھ بتاؤ بھی۔"

"کیا بتاؤں میم صاحب، یہ بات بڑی ہی خطرناک ہے۔"

"جاؤ ہیرو ہم تم سے نہیں بولتے۔"

تہذیب نے روٹھتے ہوئے کہا اور ہیرو تہذیب کی اس ادا پہ مرمٹا، اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ کو کسی سے پیار ہو گیا ہے۔ اس پیار نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے۔ راتوں کی نیندیں، دن کا چین جاتا رہا ہے۔۔۔"

پھر ہیرو شرماتے ہوئے بولا۔

"دوسری طرف بھی یہی حال ہے، آگ دونوں طرف لگی ہوئی ہے، ایک کا دل جل رہا ہے دوسرے کا کباب بن رہا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم۔"

"ہائیں مجھے معلوم نہیں ہوگا تو اور کسے معلوم ہوگا۔"

تہذیب مسکرا کر گنگنانے لگی، ہیرو خوشی سے اُچھل کر ٹٹو پر جا بیٹھا اور ٹٹو کو دوڑاتے ہوئے گنگنانے لگا۔ تہذیب بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی

جھرنے کے ساتھ ساتھ چل پڑی، اس کے پاؤں تلے گیلے پتھر اور گھاس تھی اور اوپر چیل کے پیڑوں نے سایہ کر رکھا تھا۔ جنگلی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے اس پر نشے کی سی کیفیت طاری کر دی، روح کے زخموں کی ٹیسیں تھم گئیں اور وہ اور تیز چل پڑی، سامنے بادل کا سپید سا ٹکڑا اس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا جب اس ٹکڑے نے اُسے قریب آ کر اپنی نمناک آغوش میں چھپا لیا تو تہذیب نے بے خودی میں آنکھیں بند کر لیں اور اس نے بانہیں پھیلا دیں، بادل نکل گیا، لیکن اس کی خنکی نے تہذیب کے دل و دماغ سے ساری تلخیاں دھو ڈالیں۔ دل میں درد اور کرب نہ رہا، سینے میں چبھن نہ رہی۔

ایک بیل کے نم آلود پتے اس کے رخساروں کو چھیڑ کر پرے ہٹ گئے تو تہذیب پر مرد کے پہلے بوسے جیسا خمار چھا گیا۔ تہذیب نے آنکھیں کھولیں، وادی کے ذرّہ ذرّہ میں اُسے حُسن بکھرا نظر آیا۔ تہذیب چڑھائی چڑھ رہی تھی، لیکن اب وہ لاشعوری طور پر آگے بڑھتی جا رہی تھی، اُس نے ذرا رُک کر اوپر دیکھا اور چیل کے تنے کو تھام کر گہری سانس لی۔

بادل کا ایک گالا چیل کے پیڑوں کو چھیڑ چھیڑ کر بھاگ رہا تھا پھر یکایک تین چار گالے ایک دوسرے کے تعاقب میں تہذیب کے قریب آ گئے۔

وہ مسکرا اُٹھی اور آگے بڑھ کر ان بادلوں سے گذرنے لگی، ڈھلان پر اس کا پاؤں پھسلا۔ لیکن وہ سنبھل گئی اور ایک جھاڑی کا سہارا لے کر پہاڑی پر چڑھنے لگی، اُسے عجیب سا سکون محسوس ہونے لگا۔ جیسے یہ بادل کے ننھے ننھے گالے اس کے دکھ درد کو دھو ڈالنے کے لئے ہی آسمانوں سے آ رہے ہوں۔

شکیل بھی گھومتا ہوا اِدھر آنکلا، اخروٹ کے پیڑ تلے کھڑی ہوئی تہذیب نے اُسے شوخ نگاہوں سے دیکھا. شکیل دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا.

اور تہذیب نے اخروٹ کے پیڑ کی اوٹ میں اس طرح انگڑائی توڑی جیسے اس کے بدن کا سارا نشہ ٹوٹ رہا ہو.

تہذیب پیار بھری نظروں سے شکیل کو جاتے دیکھتی رہی، اُسے آواز دینا چاہا، مگر آواز نے اُس کا ساتھ نہ دیا — اور شکیل اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا. تہذیب سوچنے لگی کہ وہ کس طرح اپنے دل کی دھڑکنیں شکیل کو سنائے. کس طرح اپنے دلی جذبات کا اظہار کرے، وہ عورت تھی اور عورت کا دوسرا نام مجبوری ہے.

سرفراز اور رانی ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے، دونوں خاموش تھے، سرفراز سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا اور رانی خون کے گھونٹ پی رہی تھی۔ رانی کو اس بات کا شدید صدمہ تھا کہ جو راز اس نے چوبیس ۲۴ سال اپنے سینے میں چھپائے رکھا تھا، وہ اب سرفراز کے سینے میں پہنچ چکا تھا۔ راشدہ کی تحسین کے بجائے شریف سے شادی کا راز پہلے ہی اُسے بڑا مہنگا پڑا تھا۔

اور اب تو سرفراز یہ بھی جان چکا تھا کہ خلیل یاسمین کا لڑکا نہیں۔

تحسین کا خون نہیں

بلکہ راشدہ کی کوکھ سے جنم لینے والا خلیل، شریف کا دوسرا بیٹا، یاسمین کی گود میں پہنچ کر تحسین کا لڑکا بن گیا۔

سیٹھ اسماعیل کی دولت کا وارث بن گیا۔

رانی سوچ رہی تھی کہ اب اس دوسرے راز کی قیمت اُسے کتنی ادا کرنی پڑے گی۔

اب تو سرفراز کے لئے یاسمین بھی کرنٹ اکاؤنٹ کی سی حیثیت رکھتی تھی۔

بیرر چیک ـــــ جو کسی وقت بھی کیش ہو سکتا تھا۔

سرفراز نے طویل خاموشی کا طلسم توڑتے ہوئے کہا۔

"باجی میں چلتا ہوں ـــــ مجھے کراچی جانا تھا، سوچا کہ کراچی جانے سے پہلے تم سے ملتا جاؤں"

کراچی کا نام سن کر رانی چونک اٹھی، اور بے بسی سے سرفراز کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"سرفراز ـــ تم کتنے سنگدل ہو، مسلسل چوبیس سال سے تم مجھے بیئرر چیک کی طرح استعمال کر رہے ہو، اور میں خاموشی سے تمہاری مٹھی گرم کرتی رہی ہوں ـــ اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ مزید تمہیں کچھ دے سکوں، میں نے یاسمین کی خوشی کے لئے اپنا سب کچھ تمہاری جھولی میں ڈال دیا اور تم ہو کہ پھر بھی مطمئن نہیں ـــ میرے بڑھاپے پر ترس کھاؤ، آخری وقت تو مجھے رسوا نہ کرو۔ تمہارا خون سفید کیوں ہو گیا ہے۔ تمہیں تڑپانے میں کیوں لطف آتا ہے ـــ"

سرفراز نے مسکرا کر رانی کی طرف دیکھا اور پھر یکایک سنجیدہ ہو کر بولا۔

"جو خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے وہی خون میری رگوں میں بھی گردش کر رہا ہے، تم مجھے سنگدلی کا طعنہ دے رہی، سنگدل تو تم ہو، راشدہ کی زندگی تم نے تباہ کی، راشدہ کو تم نے تڑپایا، اُس سے اس کا لکھ پتی منگیتر تم نے چھین کر اُسے ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور کے پلے باندھ دیا۔ اُس سے اس کا درخشاں مستقبل چھین لیا۔

اور اُسے ہمیشہ کے لئے سسکنے پر مجبور کر دیا۔

سنگدل تم ہو یا میں باجی، اس کا فیصلہ تم خود کر لینا۔

میں نے تو وہی کچھ کیا جس میں تم خوش تھیں۔ تم نے اپنی خوشیاں خریدنے کے لئے مجھے دام دیئے اور آج کہہ رہی ہو کہ میں نے تمہیں تباہ کر دیا۔

راشدہ پر ان گنت ظلم کرتے ہوئے کبھی تم نے سوچا تم کیا کر رہی ہو۔ راشدہ کے کوکھ سے جنم لینے والے خلیل کو اُس سے چھینتے ہوئے، بیچاری راشدہ پر کبھی تمہیں ترس آیا، جس آگ کو تم نے اپنے دامن سے ہوا دی، اب اُس آگ کے شعلوں سے اپنا دامن کس طرح بچا سکتی ہو۔

مَیں تو صرف اتنا گناہگار ہوں کہ تمہارے اشارے پر ناچتا رہا۔ تمہیں خوشیاں چاہیئں تھیں اور مجھے مال، دونوں خود غرض تھے دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے تھے۔

لیکن اب میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میں اپنے ضمیر کی آواز پر نادم ہوں، مَیں اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ میں سیٹھ اسمٰعیل اور خلیل کو حقائق سے آگاہ کر کے اُن سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں"

رانی چلّا اٹھی۔

"سرفراز کسی کا گھر اجاڑنا گناہ ہے"

سرفراز بڑے اطمینان سے بولا۔

"اگر یہ گناہ ہے ـــ تو ایک گناہ اور سہی"

رانی سر پکڑ کر بیٹھ گئی، سرفراز اٹھ کھڑا ہوا، رانی نے سرفراز کے مردہ ضمیر کو

جاگتے دیکھ کر اُس کے قدم تھام لئے اور گڑگڑا کر بولی۔

"سرفراز خدا کے لئے میری بچی کا گھر تباہ نہ کرو،

میرے پاس نقد تو کچھ بھی نہیں، مَیں اپنی تمام جائیداد تمہارے نام کر دیتی ہوں، میرے گناہوں پر پردہ پڑا رہنے دو۔"

رانی سرفراز کے قدموں سے لپٹی روتی رہی اور سرفراز مسکراتا رہا، رانی کی بے بسی پر قہقہے لگاتا رہا اور پھر دھیرے سے بولا۔

"تم کہتی ہو تو ایک گناہ اور سہی"۔

میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔

ضمیر کو پھر تھپک تھپک کر سلا دوں گا۔

تمہارے گناہوں پر اور دبیز پردہ ڈال دوں گا

تمہارے بڑھاپے کی لاج رکھ لوں گا۔

یاسمین سونے چاندی میں کھیلتی رہے گی، اور تم اُسے دیکھکر خوش ہوتی رہو گی۔

سرفراز رانی سے اُس کے گناہوں پر پردہ ڈالنے کی قیمت وصول کر کے خاموشی سے چلتا بنا۔

رانی جیتی ہوئی بازی ہار چکی تھی۔ اب اُس کے پاس نہ تو دھن دولت تھی اور نہ جائیداد۔

اب وہ زندگی سے زیادہ موت کی طلب گار تھی، موت جس سے وہ ڈرتی تھی۔

موت جس کا ذکر سن کر اُس پر دہشت طاری ہو جاتی تھی، لیکن آج شدت سے وہ زندگی سے بیزار نظر آ رہی تھی، موت کے دامن میں پناہ لینے کی خواہش اُس کے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔

وہ موت کو گلے لگانا چاہتی تھی۔

اور موت اُس سے دور کھڑی اُس کی بے بسی پر قہقہے لگا رہی تھی۔

خلیل ٹینس کورٹ میں اکیلا کھڑا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا، روشی کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا شکیل خاموش کھڑا خلیل کی اضطرابی حالت کا جائزہ لیتا رہا۔ جب خلیل کو بے حد پریشان دیکھا تو شکیل سے نہ رہا گیا۔

"کیا بات ہے صاحب آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں"۔

"روشی ابھی تک نہیں آئی شکیل، معلوم ہوتا ہے وہ ہم سے ناراض ہو گئی ہیں"۔

شکیل مسکرا کر بولا۔

"آج کل کی نازک اندام لڑکیوں کے وعدے بھی ان کی طرح بے حد کمزور ہوتے ہیں، مگر وہ آپ سے ناراض کیوں ہو گئیں"۔

"تمہاری وجہ سے"۔

شکیل حیرت سے خلیل کا منہ تکتا رہ گیا۔ خلیل شکیل کو حیران دیکھ کر بولا۔

"ہاں شکیل، وہ نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں ضرورت سے زیادہ لفٹ دوں، وہ تمہیں صرف نوکر سمجھتی ہیں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا، مجھے تم بھائیوں کی طرح عزیز ہو، میں تم سے اس قدر قریب کیوں ہو گیا ہوں یہ میں خود نہیں

جانتا، لیکن میں دل سے مجبور ہوں، اگر روشنی کی ناراضگی کی وجہ صرف تم ہو تو مجھے روشنی کی پروا نہیں جو انسان غریب کو انسان نہ سمجھے، غریب سے نفرت کرے وہ کل مجھ سے بھی منہ موڑ سکتی ہے، دولت تو آنی جانی ہے ــــ"

شکیل نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھ جیسے غریب انسان کے لئے مس روشنی کو ناراض کر دیا، اگر وہ نہیں چاہتیں کہ آپ مجھ سے انسانوں جیسا سلوک کریں تو وہ حق بجانب ہیں، اس لئے کہ دولت مندوں کی نظروں میں غریب انسان نہیں ہوتا، ان کی نظروں میں تو وہ انسان ہے جس کا تن اُجلا ہو من بے شک میلا ہو، وہ صرف تن کی پرستش کرتے ہیں، خوب صورت من نہیں دیکھتے، اس لئے من سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں، کوئی لگاؤ نہیں، میرے پاس اجلا تن نہیں، پھر کون میرے اُجلے من کو دیکھے"

شکیل نے انتہائی افسردہ انداز میں کہا۔

"خلیل صاحب میں اس ماڈرن دنیا کا قائل نہیں، اس لئے کہ میں ماڈرن نہیں۔ ماڈرن انسان کہلانے کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو انتہائی چالاک، مکار ہو آج کل کے دور میں وہی انسان ماڈرن بن سکتا ہے جو جھوٹا، فریبی اور چالباز ہو اُس کی گفتگو میں لوچ ہو، دلکشی ہو، دل میں خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور ہونی چاہیئے، یہ آپ کی ماڈرن تہذیب کے آداب ہیں اور میں ان آداب سے نابلد ہوں"

ماڈرن انسان کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا اونچا محل ہو، لمبی کاریں ہوں اور اس کی دوستی نت نئی لڑکیوں سے ہو، جو ہر روز پرانے جوتوں کی طرح لڑکیاں بدلنے کا عادی ہو، وہی ماڈرن تہذیب کا ستون بن سکتا ہے۔

یہی اس دنیا کا چلن ہے، یہی لوگ قابل عزت ہیں، یہی لوگ شریف کہلاتے ہیں، میں شریف عیار اور نیک چلن اوباش بننا نہیں چاہتا۔ اسی لئے دنیا مجھ پر ہنستی ہے، سوسائٹی میں مجھ جیسے انسان کے لئے کہاں جگہ نکل سکتی ہے۔

مس روشنی ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ شکیل صرف اُن کا ملازم ہے ان کے محبوب کی برابری نہیں کر سکتا، آپ نے مجھ سے ہنس کر بات کی تھی، میرے دل میں آپ کے لئے بے پناہ قدر و منزلت پیدا ہو گئی تھی اور میں بھی ایک انجانی کشش کے تحت آپ کے قریب آتا گیا، بالکل ایسے ہی جیسے خون خون سے مل جاتا ہے لیکن اب مجھے احساس ہوا کہ یہ سب محض ایک خوش فہمی تھی، آپ کے خون میں ماڈرن تہذیب کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں اور مجھ غریب کے خون میں افلاس و نحوست کے گندے جراثیم موجود ہیں۔ آپ کا میرا کیا مقابلہ۔

مقابلہ تو ہمیشہ برابر کا ہوتا ہے۔

شکیل جذبات کی رو میں بہتا گیا۔ خلیل خاموش کھڑا اس کی صورت دیکھتا رہا، شکیل کے اُجلے من میں جھانکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اُسے کھدر کے کپڑوں

کے نیچے ایک خوب صورت اُجلا اُجلا من نظر آیا، خلیل کے دل میں شکیل کی عزت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی، اس نے آگے بڑھ کر شکیل کو گلے سے لگا لیا اور انتہائی جذباتی ہوتا ہوا بولا۔

"شکیل تم میرے بھائی ہو، میرے عظیم دوست ہو، میں نے آج تمہارا اُجلا من دیکھ لیا ہے۔ زندگی بھر تم مجھے بھائیوں کی طرح پاؤ گے، مجھ میں کوئی فرق محسوس نہ کرو گے۔"

خلیل چند ثانیے خاموش رہا پھر یکایک بولا۔

"چھوڑو اس قصہ کو یہ بتاؤ تمہیں کچھ کھیلنا بھی آتا ہے۔"

"معمولی سا کھیل لیتا ہوں۔"

خلیل شکیل کو کورٹ میں گھسیٹتا ہوا بولا۔

"تو پھر آؤ میدان میں، تم بھی کیا یاد کرو گے کسی کھلاڑی سے واسطہ پڑا تھا۔"

شکیل مسکراتا ہوا خلیل کے مدِ مقابل کھڑا ہو گیا، پھر خلیل اور شکیل کھیلتے رہے، چند لمحوں بعد ہی خلیل نے اندازہ لگا لیا کہ شکیل جس قدر خاموش ہے اتنا ہی گہرا بھی ہے۔ پہلا گیم ہار جانے کے بعد خلیل شرمندگی مٹانے کے لئے بولا۔

"تمہیں آزما رہا تھا، ایک گیم اور ہو جائے، تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کسی کھلاڑی سے واسطہ پڑا ہے۔"

شکیل اور خلیل کھیلتے رہے، خلیل انتہائی احتیاط اور ہوشیاری سے کھیلنے

کے باوجود شکیل سے دوسرا گیم بھی ہار گیا اور خلیل حیرت سے شکیل کا منہ دیکھنے لگا۔

"تم واقعی بہت اچھا کھیلتے ہو —— ایک دن بہت بڑے کھلاڑی بن جاؤ گے۔"

شکیل تشکر آمیز انداز میں بولا۔

"صاحب یہ تو رئیسوں کا کھیل ہے۔"

"ارے کھیل میں غریب اور امیر کا کوئی امتیاز نہیں۔"

شکیل سنجیدہ ہو گیا اور دکھ بھرے انداز میں بولا۔

"یہ امتیاز تو ہر جگہ موجود ہے، میں غریب ہوں مجھے غریب ہی رہنے دیجئے، مجھے ایسے خواب نہ دکھایئے جو میری غربت کا مذاق اڑائیں"

خلیل شکیل سے بے حد متاثر دکھائی دے رہا تھا وہ پوچھنے لگا۔

"تم پڑھنے بھی ہو۔"

شکیل بولا۔

"بی۔ اے کا امتحان دیا ہے۔ آج کل بے کار تھا، اس لئے آپ کی نوکری کر لی۔ تاکہ ماں کا کچھ ہاتھ بٹا سکوں، بابا اپاہج اور بیمار ہیں۔"

خلیل انتہائی مسرت سے بولا۔

"شکیل میں نے تمہیں بھائی بنا کر گھاٹے کا سودا نہیں کیا، میرا دل کہہ رہا تھا شکیل عظیم ہے، میرا بھائی عظیم ہے، اور اب میں اپنے بھائی کو ٹینس کا عظیم کھلاڑی بنا دوں گا، بہت بڑا آدمی، عزت، دولت، شہرت تمہاری لونڈی ہوگی، لیکن تمہیں

ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ جو کچھ میں کہوں گا تم اس پر عمل کرو گے، تمہیں اپنی سب سے عزیز شے کی قسم کھانی ہوگی۔"

"کیا وعدہ کرنا ہوگا۔ کیسی قسم کھانی ہوگی۔"

"تم دنیا والوں پر یہ ظاہر نہیں کرو گے تم ایک غریب اور اپاہج باپ کے بیٹے ہو، بلکہ اپنے آپ کو لینڈ لارڈ کے بیٹے بتاؤ گے، ایک بڑے بزنس مین کے صاحبزادے ظاہر کرو گے۔"

طنزیہ ہنسی شکیل کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"خلیل صاحب میں نے کہا تھا نا کسی غریب کی اس دنیا میں عزت کہاں، غریب اپاہج باپ کا بیٹا بڑا آدمی نہیں بن سکتا، مجھ میں وہ خصوصیات نہیں ہیں جو سرمایہ داروں کی خراد پر ڈھلے ہوئے انسانوں میں ہوتی ہیں۔ ایسی حیرت انگیز خصوصیات جو انسان کو انسان تو نہیں بنا سکتیں بلکہ شریف عیار بنا دیتی ہیں، یہ کیسی تہذیب ہے آپ کی جس میں بیٹا اپنے باپ کا نام نہیں لے سکتا، میں تو فرضی باپ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مجھے ایسی ماڈرن تہذیب سے دور ہی رہنے دیجیے، مجھے جھوٹ سے نفرت ہے، میں شاید کبھی بھی ایسا نہ کہہ سکوں گا۔"

خلیل شکیل کو مناتے ہوئے بولا۔

"اچھا تم کچھ نہ کہنا، میری خاطر خاموش رہنا، میں تمہاری خاطر جھوٹ بول لونگا۔"

خلیل شکیل کا ہاتھ پکڑے اُسے گھسیٹے لیے جا رہا تھا کہ روشنی آگئی اور

خلیل پر بگڑ کر کہنے لگی ۔

"اس جانور کو کہاں لئے جا رہے ہو"

خلیل چیخ کر بولا ۔

"مس روشی ایسا مت کہو، شکیل میرا بھائی ہے"

شکیل سنجیدگی سے بولا ۔

"مس صاحبہ ٹھیک ہی تو کہتی ہیں"

خلیل شکیل کی بات کو نظر انداز کر کے اُسے گھسیٹتا ہوا لے گیا، روشی کو خلیل سے ایسی بے رُخی کی اُمید نہیں تھی ۔

اُس نے اُسے اپنی بے عزتی سمجھی، غصہ میں بھری روشی کو کچھ سوجھائی نہیں دیا تو وہ راکٹ پھینک کر چلتی بنی ، خلیل مڑ کر تضحیک آمیز انداز میں روشی کو گڈ بائی کہہ کر آگے بڑھ گیا ۔

شریف چارپائی پر لیٹا کھانس رہا تھا۔ سکندر اُس کے قریب بیٹھا اُسے تسلیاں دے رہا تھا۔ اس نے شریف کو روپے دیتے ہوئے کہا۔

"شریف بھائی یہ روپے اپنے علاج معالجہ کے لئے رکھ لو۔"

"کب تک اپاہج پر رحم کھاتے رہو گے۔ میں اب نہ تو تمہارا کام کر سکتا ہوں اور نہ تمہارا احسان چکانے کے قابل ہوں۔"

سکندر شریف کا دل رکھنے کے لئے کہنے لگا۔

"یہ قرض سمجھ کر رکھ لو، جب شکیل کمانے لگے تو مجھے لوٹا دینا۔"

راشدہ کمرے میں چائے لے کر داخل ہوئی، اُس نے شریف اور سکندر کی گفتگو سن لی تھی۔ چائے کا پیالہ سکندر کو تھماتے ہوئے بولی۔

"سکندر بھائی تمہارے احسان پہلے ہی کیا کم ہیں، مزید ہمیں شرمندہ نہ کرو۔"

"بھابی یہ احسان نہیں ایک بھائی کی حیثیت سے میرا فرض ہے۔"

شکیل کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

"سکندر چچا اب آپ کو یہ تکلیف کرنے نہیں دوں گا، اب میں اپنا

فرض ادا کروں گا، وہ فرض جو ایک اپاہج باپ کے جوان بیٹے پر لازم ہوتا ہے، جب تک کوئی معقول ملازمت نہیں مل جاتی میں محنت مزدوری کروں گا۔"

راشدہ اپنا جھومر شکیل کو دیتے ہوئے بولی۔

"شکیل اسے فروخت کر کے اپنے بابا کی دوا لے آؤ، جب نوکر ہو جاؤ تو اپنا فرض ادا کرنا، پڑھ لکھ کر میں تمہیں محنت مزدوری کرنے نہیں دوں گی۔"

شکیل راشدہ کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور جھومر ہاتھ میں لئے گھر سے نکلا۔ گھر کے دروازہ پر پہنچ کر اس کے قدم رک گئے، وہ بار بار اپنی ماں کے سہاگ کی آخری نشانی کو دیکھتا رہا، شکیل کے کانوں میں شریف کے الفاظ گونجنے لگے۔

"راشدہ میں زندگی بھر تمہیں کوئی سکھ نہ دے سکا، تمہارے سہاگ کی آخری نشانی بھی بیچ کر میں اپنی نظروں میں خود کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا ——"

شریف کے الفاظ بازگشت بن کر شکیل کے کانوں میں گونجتے رہے اور بار بار اس کی نظریں جھومر پر پڑتی رہیں، پھر یکایک اس کی نظر رکشا پر پڑی لیکن اسے شریف کی نصیحت یاد آ گئی۔

"بیٹا محنت مزدوری کر لینا مگر رکشا نہ چلانا۔"

شکیل عجیب کش مکش میں مبتلا تھا کبھی وہ جھومر کو دیکھتا اور کبھی اس

کی نظر رکشا پہ جا کر رُک گئی، آخر اُس نے دل و دماغ پر قابو پا کر جھومر کو اپنی جیب میں ڈالا اور رکشا لے کر چل پڑا۔

ماں کے سہاگ کی نشانی محفوظ رکھنے کے لئے۔

باپ کی دوا کے لئے، اُس نے محنت کرنے میں عار محسوس نہیں کی۔

شکیل رکشا لئے مال روڈ پر سے گزر رہا تھا۔ سواریوں کے انتظار میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہا تھا، یکایک خلیل اِدھر آ نکلا، شکیل کو رکشا چلاتے دیکھ کر اُس کے ارادے خاک میں ملتے نظر آئے، غصّے سے اُس کے ماتھے پر بل پڑ گئے، خلیل نے شکیل کو روک کر کہا۔

"میں تمہیں بڑا آدمی دیکھنا چاہتا ہوں اور تم رکشا ڈرائیور بننا چاہتے ہو۔"

"غریب آدمی صرف جانور بن سکتا ہے صاحب بڑا آدمی نہیں، سواری کرنی ہو تو رکشا میں بیٹھ جائیے، ورنہ میرا راستہ چھوڑ دیجئے، مجھے جلدی ہے۔"

خلیل شکیل کو مناتے ہوئے بولا۔

"شکیل — میرے دوست، میرے بھائی تم ناراض ہو گئے روشی کی باتوں کا بُرا نہ ماننا، روشی اور خلیل میں بڑا فرق ہے، میں ایک دولت مند باپ کا بیٹا ضرور ہوں، لیکن اپنے دل میں غریبوں کے لئے درد محسوس کرتا ہوں، مجھے تمہارا دکھ درد اپنا دکھ درد محسوس ہوتا ہے، تم مجھے بھائی کی طرح عزیز ہو۔"

شکیل انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"صاحب رئیس کے لڑکے ہو۔ کسی رئیس زادے کو اپنا دوست، اپنا بھائی

بناؤ، تاکہ تمہاری عزت میں فرق نہ آسکے۔"

شکیل رکشا لے کر آگے بڑھ گیا، خلیل اُس کے پیچھے دوڑتا ہوا بولا۔

"ارے کہاں چل دیئے۔"

"مزدوری کرنے صاحب، بابا کے لئے دوا لے جانی ہے"

خلیل دس روپے کا نوٹ شکیل کو تھماتے ہوئے بولا۔

"یہ لو روپے اور بابا کی دوا لے آؤ۔"

"میں بھیک نہیں لوں گا خلیل صاحب، مجھے صرف محنت کا معاوضہ چاہیئے"

آپ رکشا میں بیٹھ جایئے تاکہ میں آپ کو سیر کرا دوں۔"

خلیل منت کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہم دونوں رکشا کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔"

"نہیں خلیل صاحب یہ مجھ سے نہ ہوگا، آپ اپنے روپے واپس لے لیں"

خلیل مسکراتا ہوا بولا۔

"یہ تو گاہک کی مرضی ہے، چاہے میں رکشا میں بیٹھوں یا تمہارے ساتھ ساتھ چلوں۔"

شکیل نے ایک نظر خلیل پر ڈالی اور متانت سے بولا۔

"بہتر ہے آپ کوئی اور رکشا لے لیں"

خلیل شکیل کو جاتے دیکھ کر جلدی سے رکشا میں بیٹھ گیا اور شکیل رکشا لے کر دوڑنے لگا۔ شکیل ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ خلیل رکشا سے اُتر پڑا اور شکیل سے کہنے لگا۔

"تمہیں رکشا کھینچتے دیکھ کر مجھے بڑا لطف آیا، کار تو روز ہی چلاتا ہوں آج رکشا چلا کر اس کا بھی لطف اٹھانا چاہتا ہوں۔"

شکیل خلیل کی بات سن کر حیران رہ گیا، خلیل نے شکیل کو اور بھی حیران کر دیا۔

"شکیل تم رکشا میں بیٹھو۔ میں بھی رکشا چلانے کا تجربہ کر لوں۔"

"شکیل نے خلیل کی بات ماننے سے انکار کر دیا، لیکن خلیل زبردستی شکیل کو رکشا میں بٹھا کر خود رکشا کھینچنے لگا، خلیل رکشا لئے دوڑ رہا تھا۔ شکیل حیران تھا کہ یہ کیسا ماڈرن نوجوان ہے جو ماڈرن تہذیب کے نشانات کو ملیا میٹ کرنے کے درپے ہے۔

ایک موڑ پر روشی کی خلیل سے مڈبھیڑ ہو گئی، خلیل کو رکشا چلاتے اور شکیل کو رکشا میں بیٹھے دیکھ کر وہ غصے سے پاگل سی ہو گئی اور گرجتے ہوئے بولی:

"یہ کیا بے ہودگی ہے مسٹر خلیل، اگر ڈیڈی تمہیں دیکھ لیں گے تو کیا کہیں گے، وہ تو تمہاری شادی کے خواب دیکھ رہے ہیں اور تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ میری امیدوں کو خاک میں ملانا چاہتے ہو میں نے تمہیں پہلے ہی دن کہا تھا کہ اس جانور کو زیادہ منہ نہ لگانا، گھٹیا لوگوں کی صحبت میں رہ کر انسان خود بھی گھٹیا ہو جاتا ہے، تم اتنے گھٹیا ہو جاؤ گے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

روشی غصے سے چلی گئی، شکیل رکشا سے اتر پڑا اور خلیل مسکراتا ہوا بولا۔

"شکیل تم روشی کی باتوں کا برُا نہ ماننا، تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو کچھ میں کہوں گا۔ جو کچھ میں کروں گا تم میری نقل کرو گے، بڑا آدمی بننے کے لئے انسان کو بڑے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں، بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، جب تم بڑے آدمی بن جاؤ گے تو پھر دیکھنا، روشی جیسی کئی لڑکیاں تمہارے گرد منڈلاتی پھریں گے، محض رکشا کھینچ کر نہ تو تم اپنا پیٹ بھر سکتے ہو اور نہ والدین کی خدمت کر سکتے ہو۔ اگر والدین کی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، انہیں سُکھ چین کے گہوارے میں جھولانا چاہتے ہو تو پھر تمہیں وہ کچھ کرنا پڑے گا جو میں کہوں گا۔"

شکیل نے خلیل کی باتوں پر غور کرنے کے بعد دھیرے سے کہا۔

"صاحب آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

خلیل ناراض ہوتے ہوئے بولا۔

"شکیل میں صرف خلیل ہوں، مجھے صرف خلیل کہو۔"

شکیل مسکرا کر بولا۔

"اچھا خلیل بھائی اپنی مس صاحبہ کو تو منالو، وہ روٹھ کر جا رہی ہیں۔"

خلیل رکشا لے کر دوڑتا ہوا روشی کے قریب پہنچا اور اُسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

"میم صاحب ہم تم کو سیر کرائے گا، پہاڑیوں کی چوٹیوں پر لے جائے گا۔"

روشی بگڑتے ہوئے بولی۔

"بکو مت ___ جاؤ کسی اور میم کو سیر کراؤ۔"

خلیل مچلتے ہوئے بولا۔

"پہلے ہم آپ کو سیر کرائے گا۔"

خلیل زبردستی روشنی کو رکشا میں بٹھا کر دوڑ پڑا، روشنی چلاتی رہی۔

"خلیل رکشا روک دو۔۔ ورنہ میں چھلانگ لگا دوں گی، میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔"

خلیل روشنی کے غصے کو نظرانداز کر کے رکشا لئے تیز تیز دوڑتا رہا، اس کے غصے کو ہوا دینے کے لئے گاتا رہا۔ شکیل بھی رکشا کے پیچھے دوڑتا ہوا خلیل کے گائے ہوئے بول دہراتا رہا۔ گاتے گاتے خلیل نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مسکرا دیا۔ شکیل بھی خلیل کو مسکراتا دیکھ کر مسکرا اٹھا۔

اس دوران میں روشنی مسلسل شور کرتی رہی۔ خلیل کو برا بھلا کہتی رہی۔ جب روشنی کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تو خلیل نے روشنی کو آنکھ مار کر اپنے پیار کا اظہار کیا۔ روشنی نے منہ موڑ لیا۔ شکیل نے خلیل کی نقل کرتے ہوئے روشنی کو آنکھ مار دی۔ روشنی غصے سے بے قابو ہو کر چلانے لگی۔ جونہی خلیل نے رکشا روکا۔ روشنی نے رکشا سے اُتر کر شکیل کے منہ پر ایک بھرپور تھپڑ رسید کر دیا۔

شکیل جو بڑا آدمی بننے کے لئے ماڈرن تہذیب کو اپنانے چلا تھا حیرت سے اپنا گال سہلاتا کھڑا تھا۔ روشنی تیز تیز قدم اٹھانے چلی جا رہی تھی۔ خلیل بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا اور تھوڑے ہی فاصلے پر اُسے جا پکڑا۔ روشنی نے اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"خلیل مجھے چھوڑ دو، ورنہ میں تمہاری بے عزتی کر دوں گی۔"

خلیل نے بانہوں کے شکنجے کو اور تنگ کرتے ہوئے کہا

"جو بے عزتی کرنی تھی وہ تو تم کر چکی ہو۔ تم نے شکیل کے منہ پر نہیں میرے منہ پر تھپیڑ مارا ہے۔"

روشنی نے خلیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں نے تمہاری بے عزتی نہیں کی، تم نے میرے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تم نے ایک ذلیل آدمی کے کہنے پر میرے منہ پر کالک مل دی ہے، اگر ڈیڈی دیکھ لیتے تو جانتے ہو کیا ہوتا۔"

"کیا ہوتا۔"

"زندگی بھر ہمارا ملاپ مشکل ہو جاتا، تم جنگلوں میں ہائے روشنی ہائے روشنی پکارتے پھرتے اور میں اپنی ناکامی پر زندگی بھر آنسو بہاتی رہتی۔"

خلیل نے یکایک روشنی کو آزاد کر دیا۔ روشنی حیرانگی سے خلیل کو دیکھتی رہی، خلیل بولا۔

"تمہارے ڈیڈی بڑے تنگ نظر ہیں۔ محنت مزدوری سبھی کرتے ہیں، سبھی کا ایک نظریہ ہوتا ہے کہ دولت کمائی جائے۔ غریب رکشا کھینچتا ہے اور تمہارے ڈیڈی کی طرح بڑے لوگ بلیک مارکیٹنگ سمگلنگ کرتے ہیں، شرافت کا لبادہ اوڑھ کر ایک دوسرے کی جیب کاٹتے ہیں۔

اور ہر ممکن طریقے سے اپنے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں کوئی طریقہ کوئی وسیلہ ان کیلئے ناجائز نہیں ہوتا، زندگی کی تگ و دو ان کے نزدیک غیر اخلاقی ہوتی ہے

اگر تم بھی اپنے ڈیڈی کی روش پر چلنا چاہتی ہو۔

زمین پر رہ کر آسمان پر اڑنا چاہتی ہو تو زندگی کے سفر میں شاید میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔

غربت اور امارت کے درمیان جو حدِ فاصل تم قائم کرنا چاہتی ہو۔ اُسے گرانا ہو گا۔

میں تمہیں چاہتا ہوں۔

میں تمہاری چاہت، سے بھی باخبر ہوں۔

تم مجھے اچھی لگتی ہو۔

شاید تمہاری جدائی میں آنسو بھی بہاؤں۔

لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں محض تمہاری چاہت کے لئے اپنے ضمیر کو کچل دوں۔ تمہیں حاصل کرنے کے لئے ایک غریب کو دوست کہنا چھوڑ دوں۔ اسے بھائی کہہ کر نہ پکاروں۔"

روشی عجیب "تذبذب کے عالم میں مبتلا تھی۔

دوراہے پر کھڑی صحیح راستے کی متلاشی تھی۔

خلیل کے جذبات اس کے سامنے کھُلی کتاب کی طرح تھے۔

وہ شکیل کو چھوڑنے۔

اُسے غریب سمجھ کر دھتکار دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

روشی کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ خاموش ہو جائے، اور پھر کسی موقعہ پر شکیل پر ایسا وار کرے کہ خود خلیل اس کے وار کی داد دینے پہ مجبور ہو جائے۔

اس نے اپنے فیصلے کو اپنے سینے کی گہرائیوں میں محفوظ کر لیا، اور خلیل سے معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"ہیلو ڈارلنگ تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔"

خلیل خوش ہو کر بولا۔

"صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔ میں نے بڑی تلخ باتیں کی ہیں —— یقیناً تمہیں بری لگیں ہوں گی۔ لیکن میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔

تمہیں جو مرض لاحق تھا اس کے لئے کڑوی کسیلی دوا ہی ضروری تھی، شکر ہے کہ ایک ہی خوراک نے تمہارے ہوش و حواس درست کر دیئے اور تم آسمانوں سے زمین پر اُتر آئی ہو۔"

خلیل باتیں کرتا رہا، اس دوران روشی مسکراتی رہی۔

گو یہ مسکراہٹ مصنوعی تھی۔

محض خلیل کو دکھانے کے لئے۔

خلیل کا دل جیتنے کے لئے۔

اور خلیل روشی کو مسکراتا دیکھ کر اپنی قسمت پر نازاں تھا۔

اُسے خوشی تھی کہ اس نے روشی کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔

روشی جو اس کی زندگی تھی۔

جس کو اپنانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

شکیل باپ کو دوا پلا کر فارغ ہوا تو اس کی نظر راشدہ پر پڑی، جو خاموش بیٹھی تھی، اُس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ شکیل سے ناراض ہے، شکیل نے آگے بڑھ کر راشدہ کے گلے میں باہیں ڈال دیں، راشدہ غصہ سے بولی۔

"شکیل مجھے تنگ نہ کرو، میں تم سے نہیں بولتی"

"امی جان ــــ آپ مجھ سے ناراض ہیں، اگر آپ مجھ سے نہیں بولیں گی تو آپ کا شکیل ایک دن بھی زندہ نہیں رہے گا، آپ کو تو فخر کرنا چاہیئے کہ میں نے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے محنت کی ہے، اپنا خون پسینہ بہا کر روپے کمائے ہیں، وہ مائیں تو اپنی اولاد پر فخر کرتی ہیں جن کے بچے پڑھ لکھ کر بھی محنت کرنے سے نہیں شرماتے، آپ ان نوجوانوں کو اچھا سمجھتی ہیں جو پڑھ لکھ کر صرف کلرک بن کر رہ جائیں، محنت کرنا اپنی تذلیل سمجھیں۔

کاش ہمارے نوجوانوں کے ذہن بدل جائیں۔

یہ فرسودہ روایات کا طلسم ٹوٹ جائے۔

پھر اس ملک میں کوئی بے روزگار نہیں ہوگا۔

کوئی تقدیر کا تماشائی نہیں رہے گا۔

امی تقدیر تو انسان خود بناتا ہے"۔

راشدہ نے شکیل کو سینے سے لگا لیا، مسرت سے اُس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے، راشدہ کو روتا دیکھ کر شکیل کا دل بھی بھر آیا، شکیل نے راشدہ کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"امی اب تو آپ ناراض نہیں"۔

"نہیں شکیل — تم گھبرایا نہ کرو"۔

"کیسے نہ گھبراؤں امی، چوبیس سال سے میں نے اس گھر کی عزت کو گھٹتے اور غربت کو بڑھتے دیکھا ہے۔ اب جب کہ میں کچھ کرنے کے قابل ہوا ہوں تو کیونکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہ سکتا ہوں"۔

راشدہ پیار سے شکیل کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"خدا تمہیں خوش رکھے بیٹا۔ شاید اس گھر کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالنے کے لئے ہی تم نے میرے کوکھ سے جنم لیا ہے۔ خدا تمہیں اپنے ارادوں میں کامیاب کرے —"

شکیل خوش ہو کر بولا۔

"امی جس کو ماں کی دعائیں نصیب ہوں اُس کے بگڑے کام بن جاتے ہیں ہاں امی میں تو ایک بات بتانا ہی بھول گیا تھا، جس کے پاس میں نوکری کرتا ہوں وہ بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے اس نے مجھے اپنا بھائی بنایا ہے، وہ مجھ سے بھائیوں جیسا پیار کرتا ہے میری وجہ سے اپنی منگیتر سے بھی لڑ پڑا، امی وہ بہت ہی پیارا ہے کسی دن میں اُسے آپ سے ملاؤں گا، آپ اُس سے مل

کر بہت خوش ہوں گی۔"

شکیل کی باتیں سن کر راشدہ کو اس کا اپنا خلیل یاد آگیا، شکیل باتیں کر رہا تھا اور وہ خلیل کے متعلق سوچ رہی تھی۔ شکیل راشدہ کو خیالات میں ڈوبا ہوا دیکھ کر بولا

"امی میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں اور نجانے آپ کہاں پہنچی ہوئی ہیں"

"میں تو اپنے بیٹے کے پاس تھی اور کہاں جا سکتی ہوں بیٹا"۔

شکیل انتہائی مسرت سے بولا۔

"امی میرے دوست نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے ٹینس کا نامور کھلاڑی بنا دے گا۔ امی وہ بہت اچھا کھیلتا ہے"۔

"تم بھی تو اچھا کھیلتے ہو بیٹا"۔

"ہاں امی میں نے کل اُسے ہرا دیا تھا، وہ ہار کر بھی انتہائی خوش ہوا"۔

اس نے ضرور کسی اچھی ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہوگا۔ ورنہ لوگ تو ہار کر پاگل ہو جاتے ہیں، دوسرے کی جیت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔

تم اپنی جیت پر فخر نہ کرنا بیٹا۔

ہار جیت تو زندگی کے ساتھ ہے۔"

شکیل خاموشی سے راشدہ کو دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے پر پڑی ہوئی جُھریوں کے پیچھے سے اس کا ماضی جھانک رہا تھا، دردناک ماضی، راشدہ نمناک خلاؤں میں بھٹکتی رہی، پھر اس کے سینے میں جیسے زلزلہ آگیا، وہ گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

روشی اور خلیل ٹینس کورٹ میں پہنچے تو روشی شکیل کو دیکھ کر حیران رہ گئی، آج اس کی نظروں کے سامنے جو شکیل کھڑا تھا اُس شکیل سے مختلف تھا جس کو وہ دو ماہ سے دیکھ رہی تھی.

کھدر کے کپڑوں میں ملبوس شکیل کی جگہ ایک سمارٹ شکیل نے لے لی تھی

آج شکیل کے کپڑے انتہائی ماڈرن تھے.

بڑے سلیقے سے بال سنوارے ہوئے تھے.

روشی شکیل کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اور خلیل شکیل کی تبدیلی پر مسکرا رہا تھا.

خلیل خوش تھا کہ شکیل نے اس کے دیئے ہوئے کپڑے سلیقے سے پہنے تھے.

بالوں کو دلکش انداز میں سنوارا تھا.

روشی کو حیران دیکھ کر بولا.

"کیا سوچ رہی ہو ڈارلنگ، کیا آج کھیلنے کا موڈ نہیں."

روشی چونک کر راکٹ تھامے کورٹ میں آئی اور خلیل کے ساتھ کھیلتی رہی. شکیل بڑی مستعدی سے گیند اٹھا کر انہیں دے رہا تھا.

کھیل کے خاتمے کے بعد خلیل روشنی کی کمر میں ہاتھ ڈالے وادی میں گھومنے نکل گیا۔ شکیل دونوں کو جاتے دیکھتا رہا، جب دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے تو شکیل بھی گھر کی طرف چل دیا۔

راستہ میں اُسے ہیرو مل گیا، ہیرو شکیل کی تبدیلی پر حیران نظروں سے اُسے دیکھتا رہا اور پھر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"شکیل بھائی یہ تبدیلی کیسی؟"

"کیسی تبدیلی ہیرو۔"

"یہی کہ تم ایک دم سمارٹ اور ماڈرن بن گئے ہو۔"

شکیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کیا تمہیں میری تبدیلی اچھی نہیں لگی۔"

"ارے یہ بات نہیں بھائی، میں تو خوش ہوں، بہت خوش، کھدر کے کپڑوں میں تو تم ایک دم بدھو لگتے تھے، مجھے تو کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے۔" شکیل بولا:

"نہ دال ہے نہ کالا تم کہاں جا رہے ہو۔"

"میم صاحب کی تلاش میں، کئی دنوں سے نظر نہیں آئی۔"

شکیل نے ہیرو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

ہیرو کیا ہمیشہ اسی طرح لڑکیوں کے پیچھے بھاگتے رہو گے؟

"میرے جدِ امجد بھی تو لیلیٰ کے چکر میں تھے، مجنوں کا میں حقیقی وارث ہوں" ہیرو مسکرا کر آگے بڑھ گیا اور شکیل ہیرو کے پاگل پن پر مسکرا کر رہ گیا۔

صبح بڑی خوش گوار تھی۔ ہواؤں کے دوش پر بادل وادی میں تیر رہے تھے اور ہوا خوشبوؤں سے لدی ہوئی تھی۔ شکیل بڑی دیر سے وادی میں گھوم رہا تھا۔

بادلوں سے کھیل رہا تھا۔

خوشبو بسی ہواؤں میں گنگنا رہا تھا۔

مسرت کی تلاش میں دیوانہ وار بھٹک رہا تھا۔

یکایک اسے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ شکیل نے گھوم کر دیکھا۔ روشنی سرپٹ گھوڑا دوڑائے آرہی تھی۔ شکیل نے اندازہ لگا لیا کہ گھوڑا روشنی کے قابو میں نہیں۔ جیسے ہی گھوڑا شکیل کے قریب سے گزرا، روشنی مدد کے لئے پکارنے لگی۔ شکیل گھوڑے کے ساتھ دوڑ پڑا اور پھر چند قدموں پر اس نے گھوڑے کو روک لیا۔ روشنی نے شکیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ شکیل تم نے مجھے بچا لیا، ورنہ میں تو اپنی زندگی سے مایوس ہو چلی تھی۔"

شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی دینے والا خود زندگی کی حفاظت کرتا ہے، اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں مس روشی"۔

روشی مسکرا کر رہ گئی، شکیل نے ہاتھ بڑھا کر روشی کو گھوڑے کی پیٹھ پر سے اتار لیا، روشی اُسے بادلوں کی طرح ہلکی نظر آئی۔ وہ روشی کو ہاتھوں پر اٹھائے وادی کی اس طرف بڑھا جہاں گھنی جھاڑیاں تھیں۔

روشی شکیل کی گود سے نکلنے کے لئے ہاتھ پیر مارتی رہی، لیکن شکیل کی مضبوط باہوں سے وہ خود کو آزاد کرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ شکیل کو گھنی جھاڑیوں کی طرف بڑھتے دیکھ کر روشی گھبرا گئی اور وہ پہلے سے زیادہ جدوجہد کرنے لگی، شکیل مچلتی ہوئی روشی کو دیکھ کر بولا۔

"میم صاحب گھنی جھاڑیوں کی چھاؤں میں چل کر بیٹھیں گے"۔

روشی تنک کر بولی۔

"شکیل ہوش کے ناخن لو، تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے"۔

"اپنے دوست کی محبوبہ، جاپانی گڑیا"۔

روشی نے غصّے سے شکیل کی طرف دیکھا اور شکیل نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی، روشی دھم سے زمین پر گر پڑی، زمین سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"تم زیادہ ہی فری ہوتے جا رہے ہو اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی"۔

شکیل روشی کو دیکھ کر مسکراتا رہا، روشی خود کو آزاد پا کر تیزی سے پہاڑی کے نشیب میں اُتر گئی۔ شکیل روشی کو جاتے دیکھ کر بولا۔

"مس صاحبہ مسٹر خلیل کی گود میں پہنچ کر تو آپ پھول کی طرح کھل اٹھتی

ہیں، میں بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو آپ بُرا مان جاتی ہوں۔"

روشی تک شکیل کی آواز نہ پہنچ سکی، شکیل بڑبڑانے لگا۔

"مسٹر خلیل میں تو اپنا وعدہ نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نقل کرتے کرتے کہیں میں اپنے آپ سے بھی تو جاتا رہوں۔"

شکیل گنگناتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔

راستہ بھر وہ سوچتا رہا۔

کیا یہ ماڈرن تہذیب مجھے راس آئے گی۔

کیا میں خلیل کے نقشِ قدم پر چلنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

بادلوں کے گالے اس کے سر پر سے گزر رہے تھے۔ خنکی سے فضا رچی ہوئی تھی، ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ مری کی وادی بارش سے دلہن کی طرح نکھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ بارش میں بھیگتا ہوا شکیل گھر پہنچا۔

شام کے وقت جب شکیل کورٹ میں پہنچا تو روشی اکیلی بیٹھی بور ہو رہی تھی، صبح کے واقعہ کو شکیل تو بھول چکا تھا لیکن روشی کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ ابھی تک اس سے ناراض ہے۔

روشی کو اکیلی بیٹھے دیکھ کر شکیل بولا۔

"کیا آج کھیلنے کا موڈ نہیں"

"نہیں"

"کیوں"

شکیل نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا، روشی بولی۔

"مسٹر خلیل کا انتظار کر رہی ہوں"

"آیئے میں آپ کا ساتھ دوں"

روشی نے ایک نظر شکیل پر ڈالی اور اسے سنجیدہ پا کر رالکٹ لئے کورٹ میں چلی آئی۔ روشی اور شکیل کھیلتے رہے، روشی شکیل کو کھیلتے دیکھ کر حیران تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شکیل اتنا اچھا کھیلتا ہے۔

اسے شکیل کے کھیلنے کا اسٹائل بے حد پسند آیا، لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش رہی۔

کہ اگر اس کا شکیل پر اظہار کر دیا تو وہ اور سر چڑھ جائے گا۔

صبح کے واقعہ کے بعد اُس نے شکیل سے محتاط رہنے کی ٹھان لی تھی۔

جب مسلسل کئی گیم ہار چکی تو روشی کی حالت عجیب تھی۔ غصہ اور جھنجلاہٹ کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ اور یہ غصہ اس وقت انتہا کو پہنچ گیا جب شکیل نے خلیل کی طرح اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے وادی میں گھومنے کی دعوت دی۔

روشی غصے سے پاگل ہو گئی اور پھر اپنے غصے کا اظہار شکیل کے منہ پر تھپڑ مار کر کر دیا۔ شکیل روشی کے غیر متوقع سلوک پر حیران تھا۔

وہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس پر روشی اس قدر گرم ہو گئی، اُس نے تو خلیل کی نقل کی تھی۔ خلیل سے کیا ہوا وعدہ نبھایا تھا۔

لیکن روشی شکیل اور خلیل کے درمیان ہونے والے معاہدے سے بے خبر تھی، وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ شکیل خلیل کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

خلیل کی دوستی پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔

روشی اپنی جگہ صحیح تھی اور شکیل اپنی جگہ درست تھا۔

شکیل نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ خلیل کی نقل کرتے ہوئے مزید ذلت برداشت نہیں کرے گا، خلیل کو صاف صاف کہہ دے گا کہ وہ بڑا آدمی بننا نہیں چاہتا۔

روشنی چشمے کے کنارے خاموش بیٹھی تھی، خلیل اُسے اداس دیکھ کر بولا۔

"کیا بات ہے تم خاموش بیٹھی ہو"

روشنی چند لمحوں تک غضب ناک نگاہوں سے خلیل کو دیکھتی رہی اور پھر اس نے نفرت سے منہ موڑ لیا۔ خلیل روشنی کے غصے کی وجہ جاننے کی دوبارہ کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"اگر تم بتانا نہیں چاہتی ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا لیکن تمہیں اداس دیکھ کر مجھے الجھن ہوتی ہے"

روشنی تیزی سے خلیل کی طرف مڑی اور چلاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا چیخ چیخ کر دنیا والوں کو سناؤں کہ نوکر نے مالکن کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے"

خلیل اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

"روشنی یہ تمہارا وہم ہے۔ تم خواہ مخواہ اُس غریب کے پیچھے پڑی ہو شکیل ایسا نہیں، غریب آدمی کبھی بھی پہاڑ سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کر سکتا"

"مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ تم اس کی وکالت کرو گے"

خلیل سنجیدگی سے بولا۔

"دل مجھے اس کی وکالت پر مجبور کرتا ہے"۔

خلیل چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔

"چھوڑو شکیل کے قصے کو آؤ پہاڑی پر چلیں"۔

خلیل نے روشنی کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور روشنی کا غصہ جاتا رہا،

روشنی اٹھلاتے ہوئے بولی۔

"ڈارلنگ مجھ سے اتنی بلندی پر چڑھا نہیں جائے گا"۔

"خلیل روشنی کو بازوؤں پر اٹھاتے ہوئے بولا۔۔

"ابھی ان بازوؤں میں اتنی سکت ہے کہ تمہارا بوجھ اٹھا سکیں"۔

خلیل روشنی کو بازوؤں پر اٹھائے پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ شکیل دور کھڑا

روشنی اور خلیل کو دیکھتا رہا۔

پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر روشنی خلیل کی گود سے آزاد ہوئی اور کہنے لگی۔

"تمہاری باہوں میں پہنچ کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری دُنیا

یہی ہے"۔

خلیل مسکرا کر اس کے گالوں پر محبت کے پھول کھلاتا رہا اور روشنی محبت

کے ان پھولوں کو چُن کر مالا بناتی رہی، محبت کی نشانی سمجھ کر۔ محبت کی فضاؤں

میں کھلے پھول دیر تک جھکتے رہے۔

روشنی اور خلیل دُنیا و مافیہا سے بے خبر ایک نئی دُنیا بسانے میں مصروف

تھے پہاڑیوں کے پیچھے آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادلوں کے کنارے نارنجی

ہونے لگے تھے، تاریکی پھیلتے دیکھ کر دونوں آہستہ آہستہ پہاڑی کی بلندی سے اترنے لگے، نشے میں چور شرابی کی طرح دونوں لڑکھڑا رہے تھے:

کتاب خانہ مسعود جھنڈیر
میلسی (پاکستان)
نمبر شمار ....
کتاب نمبر...................

خلیل کو مری گئے دو ڈھائی ماہ ہو چلے تھے، یاسمین اور تحسین خلیل کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ اس عرصہ میں یاسمین نے خلیل کو کئی مرتبہ فون پر لوٹ آنے کی تاکید کی تھی، لیکن خلیل یاسمین کو ٹرخاتا رہا۔ جس کا ذکر یاسمین نے نہ تو تحسین سے کیا تھا اور نہ سیٹھ اسمٰعیل سے۔

سیٹھ اسمٰعیل ویسے بھی خلیل سے کچھ بے تعلق سے رہنے لگے تھے، انہیں خلیل اور روشی کے رومانس کی اطلاعات مل چکی تھیں۔

خلیل کی فضول خرچیوں کا انہیں علم ہو چکا تھا۔

لیکن وہ خاموش خلیل کی بے راہ روی کو دیکھ رہے تھے؟

یاسمین کے بے جا لاڈ و پیار کو نوٹ کر رہے تھے۔

تحسین کی بے بسی کا تجزیہ کر رہے تھے۔

ایک دن تحسین نے یاسمین کو ٹیلیگرام دیتے ہوئے کہا۔

"آپ کے صاحبزادے کا ٹیلیگرام آیا ہے۔ فوراً پانچ ہزار روپے منگوائے ہیں ——"

"بھیج دیجئے نا —— پہاڑ پر ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔"

"یاسمین ـــــ تم ہوش میں تو ہو، ان ڈھائی مہینوں میں تم خلیل کو دس ہزار روپے بھیج چکی ہو، جس کا اباجان کو علم نہیں، جس دن انہیں خلیل کی فضول خرچی کا علم ہو جائے گا، اس دن اباجان کا غصّہ ہم پر قہر بن کر نازل ہو گا"

یاسمین نے تحسین کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں تو ہر وقت روپے جوڑنے کی فکر رہتی ہے۔"

"اور تم لٹانے پر تلی بیٹھی ہو"

یاسمین بگڑتے ہوئے بولی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے میں نے دولت اس گھر میں آکر دیکھی ہے"

تحسین غصّہ سے بولا۔

"اگر دولت دیکھی ہوتی تو اس طرح دولت کو نہ لٹاتیں۔ میں تو ایک پیسہ بھی نہیں بھیجوں گا، صاحبزادے مری سے لوٹنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ بس جب موڈ آیا ٹیلیگرام دے دیا کہ پانچ ہزار روپے بھیج دو، دس ہزار روپے بھیج دو"

سیٹھ اسمٰعیل نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا

"تحسین بیٹے ـ خلیل کوئی بھیک منگے باپ دادا کا بیٹا نہیں جو تم روپے بھیجتے ہوئے گھبرا رہے ہو۔ وہ پانچ ہزار منگوا رہا ہے۔ تم اسے دس ہزار، بیس ہزار بھیج دو۔ تاکہ وہ دل کھول کر مری میں عیش کر سکے۔

یہی عمر تو عیش کرنے کی ہے۔

ساری عمر کمانے کے لئے پڑی ہے۔

اگر خلیل کو وہاں روپے پیسے کی تکلیف ہو گی تو وہ کیا سوچے گا۔ دوست احباب

ہیں اس کی ناک کٹ جائے گی اور بہو بیگم کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

دولت ہوتی ہی اسی لئے ہے کہ دل کھول کر لگائی جائے۔

اسی طرح خاندان کا نام روشن ہوتا ہے۔

اسی سے سوسائٹی میں عزت ہوتی ہے۔

لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔

دنیا مرید ہوتی ہے۔

تحسین سیٹھ اسمٰعیل کے طنز کو محسوس کر رہا تھا لیکن یاسمین خوش تھی کہ اب خلیل کو روپے بھیجنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ——— رہی، وہ یہ سمجھتی تھی کہ سیٹھ اسمٰعیل نے جو کچھ کہا تھا وہ طنزاً کہا تھا۔ لیکن وہ انجان بنی رہی اور سیٹھ اسمٰعیل کی باتوں پر اُس نے توجہ نہیں دی۔

تحسین سیٹھ اسمٰعیل کے رویے سے گھبرا رہا تھا۔

ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر خوف کھا رہا تھا۔

سیٹھ اسمٰعیل کی مسلسل خاموشی اُسے کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہو رہی تھی۔

شکیل صاف ستھرے کپڑے پہن کر بڑے اچھے موڈ میں گنگناتا ہوا پہاڑی راستے پر سے گزر رہا تھا، راستے میں اُسے تہذیب مل گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رک گئے۔ تہذیب شکیل کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"آپ"

"آپ کو کسی اور کا انتظار تھا۔"

شکیل نے بھی اُسی طرح مسکراتے ہوئے جواب دیا، تہذیب جھینپ کر بولی۔

"ہو سکتا ہے وہ خوش نصیب آپ ہی ہوں"

"زہے نصیب، بندہ کس قابل ہے"

شکیل نے بے تکلفی سے تہذیب کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چشمے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"مس تہذیب —— آپ تو مصور کا خواب ہیں، یہ کشمیری سیب کی طرح اُبھرے اُبھرے سُرخ گال، باریک ستواں ناک، تنگ دہانہ —— واللہ دل چاہتا ہے کہ بس آپ کو دیکھتا ہی رہوں۔

باتیں کرتا رہوں۔

"آپ کی سنوں اپنی سناؤں"۔

جب نڈر اور بے خوف انداز میں شکیل تہذیب کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے چشمے کی طرف لے چلا تو تہذیب کو شکیل کا یہ انداز بے حد اچھا لگا،

پھر اس کی باتیں سن کر اس کے دل کے تار بجنے لگے،

شکیل باتیں کرتا رہا۔

اور وہ اُس کے خوبصورت چہرے، اونچی گردن، فراخ ماتھے اور کشادہ سینے کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی چال میں ایک عجیب اعتماد تھا، ایک عجیب وقار تھا جس نے تہذیب کے دل میں ایک عجیب ارتعاش سا پیدا کر دیا، وہ کھوئی کھوئی نظروں سے شکیل کو دیکھتی رہی،

اُس کے ہونٹوں پر مسرت کے انجانے گیت مچلتے رہے۔

شکیل تہذیب کی جادو اثر آواز میں ڈوب ڈوب کر اُبھرا۔ اور اُبھر اُبھر کر ڈوب گیا۔ پھر یکایک تہذیب سے سوال کر بیٹھا۔

"کیوں میم صاحب اب تو میں بڑا آدمی بننے کا حق دار ہوں نا"۔

تہذیب ہنس کر بولی۔

"بڑے آدمی کے کیا سینگ ہوتے ہیں"۔

"یہی تو میں بھی سوچتا ہوں"۔

تہذیب شکیل کا قرب پاکر بے خود ہوئی جا رہی تھی۔

شکیل کو مہربان پاکر اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھی

اس نے شکیل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"مسٹر شکیل آج میں بے حد خوش ہوں، اتنی خوش کہ بیان نہیں کر سکتی۔"

"وہ کیوں۔"

تہذیب شرماتی ہوئی بولی۔

"آج آپ نے نظر کرم فرمائی ہے۔"

شکیل قہقہہ لگا کر بولا۔

میم صاحب کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، میں تو ریہرسل کر رہا تھا تاکہ زندگی کے ڈرامہ میں کامیاب ہو سکوں۔

بڑا آدمی بننے کے لئے ہی کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔

تہذیب کی مسرتوں پر اوس پڑ گئی، وہ حسرت بھری نظروں سے شکیل کو دیکھتی رہی اور شکیل اُسے ذہنی کش مکش میں اُلجھا چھوڑ کر چلتا بنا۔ تہذیب کے حسین خواب چکنا چور ہو گئے۔ شکیل کو بے حد خوشگوار موڈ میں دیکھ کر اُسے اپنی منزل قریب نظر آئی تھی۔

لیکن شکیل اُسے منزل کے قریب بھٹکتا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اُسے شکیل پر غصّہ بھی آیا۔

پیار بھی۔

غصّے اور پیار سے ملے جُلے جذبات نے اُسے سنجیدہ بنا دیا۔

شریف، راشدہ اور شکیل بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، ہیرو انتہائی خوشی کے عالم میں گرتا پڑتا مکان میں داخل ہوا ہیرو کی بدحواسی دیکھ کر سب ہنس پڑے۔ شکیل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ہیرو کیا بات ہے بڑے خوش دکھائی دے رہے ہو"۔

ہیرو اپنی پھولی ہوئی سانس پر قابو پا کر شکیل کو گھسیٹتا ہوا مکان سے باہر لے گیا اور مسرت بھرے انداز میں بولا۔

"وہ آگئی — آگئی"۔

"کون آگئی"۔

ہیرو بولا"

"جان بہاراں، جان ہیرو، میری ہیرو ین، کم بخت راولپنڈی چلی گئی تھی اور میں اس کی یاد میں آنسو بہاتا رہا"۔

شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں، جاؤ عیش کرو"۔

"میں تمہیں بتانے آیا تھا کہ اب ہم بھی وادی کی سیر کریں گے، گھومیں گے،

پھریں گے اور خوشی کے ترانے گائیں گے، خبردار جو آنکھ اُٹھا کر دیکھا، یاد رکھنا میرا نام بھی ہیرو ہے"

شکیل ہیرو کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"میں ہیرو اور ہیروین کے درمیان ولن بننا نہیں چاہتا"۔

ہیرو مسرت سے اُچھل کر شکیل کا منہ چوم کر بھاگ کھڑا ہوا، شکیل مکان میں لوٹ آیا تو راشدہ نے پوچھا۔

"کیا بات تھی شکیل، ہیرو کیا کہہ رہا تھا"

شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پاگل ہے"۔

نیلو اور اس کی ماں وادی میں گھوم رہے تھے، ہیرو نیلو کا چھوٹا سا کتا اٹھائے ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، ہیرو کو نیلو کی ماں کی موجودگی کھٹک رہی تھی، اس نے نیلو کو مخاطب کر کے کہا۔

"آپ نے خواہ مخواہ اپنی والدہ ماجدہ کو تکلیف دی، بڑھاپے میں پہاڑوں پر چڑھنا اترنا ان کے بس میں نہیں، اگر خدانخواستہ کسی ڈھلوان سے پھسل کر گر پڑیں تو......"

نیلو کی ماں ہیرو کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"اے موئے تو مجھے بڑھیا سمجھتا ہے۔ بوڑھی ہو گی تیری ماں۔ تیری بہن۔ میں تو ابھی جوان ہوں، دیکھتا نہیں لوگ نیلو سے زیادہ میری طرف دیکھتے ہیں، مجھے تو لوگوں کی گھورتی نظروں سے پسینہ آجاتا ہے"۔

ہیرو نے نیلو کی ماں کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"کون کہتا ہے آپ بوڑھی ہیں، بوڑھے ہوں آپ کے دشمن، واہ وا کیا جوانی پائی ہے۔ جو بات آپ میں ہے۔ وہ آپ کی صاجزادی میں کہاں، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے مس نیلو آپ کی صاجزادی نہیں، آپ مس نیلو کی صاجزادی ہیں۔"

نیلو کی ماں خوش ہو کر پچاس روپے کا نوٹ ہیرو کو دیتے ہوئے بولی۔

"تم بہت اچھے نوجوان ہو، ہم کو تم جیسا نوجوان بہت اچھا لگتا ہے۔ جو سچی بات کہتے ڈرتا نہیں۔"

ہیرو نوٹ جیب میں ٹھونستے ہوئے بولا۔

"تھینک یو ینگ لیڈی۔ آپ تو دل کی بھی جوان ہیں، ایک اور پچاس کا نوٹ نکالیئے اور پھر میری جادوگری دیکھئے، ہم آپ کو نیلو کی صاجزادی کی صاجزادی بنا دیں گے۔"

نیلو کی ماں خوش ہو کر پچاس روپے اور ہیرو کو دیتے ہوئے بولی۔

"ہیرو تم روز ہمارے پاس آجایا کرو، ہم اکٹھے گھومیں گے، اکٹھے سیر کریں گے۔"

ہیرو نیلو کی ماں کی بات سن کر چکرا کر گر پڑا، نیلو کی ماں ہیرو کو اٹھاتی ہوئی بولی۔

"تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

ہیرو بڑا سا منہ بنا کر بولا۔

"آپ کی باتیں سن کر خوشی سے چکر آ گیا تھا۔"

نیلو کی ماں خوش ہو کر پچاس روپے کا ایک اور نوٹ دیتے ہوئے بولی۔

"تم بہت کمزور ہو، خوشی کی بات سن کر تمہیں چکر آگیا، اپنی صحت کا خیال رکھو، خوب کھایا پیا کرو۔"

ہیرو نیلو کی ماں سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نیلو کی ماں اس پر مہربان ہوئی جا رہی تھی، ایک جگہ تھک کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"ہم یہاں تھوڑی دیر آرام کرتے ہیں، تم اور بے بی گھوم پھر آؤ، پھر بے بی یہاں آرام کرے گی اور ہم دونوں سیر کریں گے۔"

ہیرو مسرت بھرے انداز میں بولا۔

"تھینک یو مس صاحبہ — تھینک یو"۔

ہیرو نیلو کے ساتھ آگے بڑھ گیا، نیلو ہنستی ہوئی بولی۔

"ہیرو تم بہت شریر ہو، آج تم نے میری ممی سے ڈیڑھ سو روپے اینٹھ لئے، وہ تو نوکروں کو ایک روپیہ دے کر تین دن تک ان سے حساب لیتی ہیں۔"

ہیرو مسکرا کر بولا۔

"عورتوں کی کمزوری کو میں خوب سمجھتا ہوں۔"

نیلو اشتیاق بھرے لہجے میں بولی۔

"اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"

ہیرو سینہ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تم تو میری کمزوری ہو نیلو۔"

نیلو ہنس پڑی اور ہیرو اُس کو ہنستا دیکھ کر کھل اٹھا۔

ٹینس کورٹ میں روشی اکیلی بیٹھی تھی. شکیل کو آتا دیکھ کر جانے لگی روشی کو جاتے دیکھ کر شکیل بولا.

"کہاں چلیں میم صاحب"

"جہنم میں"

شکیل نے آگے بڑھ کر روشی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا.

"آیئے میں آپ کو جہنم کے دروازے تک چھوڑ آؤں"

روشی ہاتھ چھڑاتی ہوئی بولی.

"خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا"

شکیل روشی کو بازؤوں پر اٹھاتا ہوا بولا.

"جہنم بہت دور ہے آپ تھک جائیں گی"

روشی غصہ میں آپے سے باہر ہو گئی اور پھر تھپڑوں، گھونسوں سے شکیل کی مرمت کر دی. خلیل نے دور سے شکیل کو روشی کو اٹھائے جھاڑیوں کی طرف جاتے دیکھا تو اس کا خون کھولنے لگا، وہ تیزی سے دوڑنے لگا، روشی ابھی تک شکیل کی باہوں میں جکڑی ہوئی اُس کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور

شکیل روشنی کے ہاتھوں دوبارہ ذلیل ہونے کے بعد سوچ رہا تھا کہ خلیل کے بتائے ہوئے راستے پر وہ نہیں چلے گا۔ وہ خلیل کی نقل نہیں کرے گا، وہ بڑا آدمی بننے کے خواب نہیں دیکھے گا، اسی وقت ایک چیخ وادی میں گونجی شکیل روشنی کو جھاڑیوں میں پھینک کر تیزی سے وادی کے نشیب میں اتر گیا۔ خلیل نے بھی چیخ کی آواز سنی اور پھر اُس نے شکیل کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ شکیل دوڑ کر تہذیب کے بے قابو گھوڑے کو قابو میں کرتا ہوا بولا۔

"اگر آپ کی چیخ کی آواز سن کر میں مدد کے لئے نہ آتا تو آپ کی ہڈیاں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتیں۔ تہذیب شکیل کا ہاتھ تھام کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ اور اُسے گھسیٹتی ہوئی اپنے گھرلے گئی۔

جب خلیل روشنی کے قریب پہنچا تو روشنی کو بے اختیار روتے دیکھ کر بولا۔

"روشنی مجھے معاف کر دو، میری وجہ سے تمہیں شکیل کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑا، میں تمہاری باتوں کو محض مذاق سمجھتا لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شکیل کے ارادے نیک نہیں تھے۔ شاید اس نے مجھے آتے دیکھ لیا تھا، تبھی جان بچا کر بھاگ گیا۔ روشنی روتی ہوئی بولی۔

آج تو اُس نے میری عزت پر ڈاکہ ڈالنے کی ٹھان لی تھی، تمہاری طرح خوب بن ٹھن کر آیا تھا۔ لیکن جانور کپڑے پہن کر انسان نہیں بن سکتا، کپڑوں میں اُس کی درندگی چھپ نہیں سکتی، شروع ہی سے مجھے اُس کی آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں نظر آرہی تھیں، اُس نے کئی مرتبہ زیادتی

کی، لیکن تم اس کی وکالت کرتے رہے، خلیل غصہ میں چیخ کر بولا۔

"روشنی میں اُسے معاف نہیں کروں گا، میں اس ذلیل کو ایسا مزا چکھاؤں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا، اب وہ میرے ہاتھوں زندہ نہیں بچے گا۔"

روشنی خوف زدہ ہو کر بولی۔

"میں تو کل یہاں سے چلی جاؤں گی، کہیں وہ پھر مجھ پر حملہ نہ کر دے، مجھے تو وہ لیٹرا معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری بے حسی نے اُسے اتنا نڈر بنا دیا کہ اس نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کیا، مجھے تو اب مری کی ان پہاڑیوں میں رہتے ہوئے ڈر لگنے لگا ہے۔"

خلیل جوش سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"اب وہ ذلیل انسان تمہاری طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے غلطی کی تھی اس کی مجھے سزا مل گئی۔"

"سزا تو مجھے مل گئی خلیل۔ بے عزت تو میں ہوئی ہوں، اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تم بھی مجھ سے منہ موڑ لیتے، دنیا والے مجھے ہی قصور وار ٹھہراتے، مجھے آوارہ بدچلن ہونے کا الزام لگاتے دنیا میرے لئے تاریک ہو جاتی۔"

اور یہ تاریکی میرا مقدر بن کر رہ جاتی۔

خلیل معذرت کرتا ہوا بولا۔

"روشنی مجھے معاف کر دو۔ میری نظروں نے دھوکا کھایا تھا، میں انسان اور درندے میں تمیز نہ کر سکا، اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں، اب میں اُس

وقت تک سکون کا سانس نہیں لوں گا، جب تک تمہاری عزت پر ہاتھ اٹھانے والے کا ہاتھ نہ کاٹ دوں گا۔"

خلیل غصہ میں روشی کو چھوڑ کر چلا گیا۔

خلیل غصّہ میں بھرا ہوا شکیل کے مکان پر پہنچا اور دروازے کو ٹھوکر مارتا ہوا چلایا۔

"شکیل باہر نکلو، تاکہ میں تمہیں تمہاری حقیقت سے آگاہ کر دوں"

راشدہ شور سن کر دوڑی ہوئی دروازے پر آئی۔ دروازے پر ایک اجنبی نوجوان کو کھڑا دیکھ کر بولی۔

"کیا بات ہے بیٹا"

"شکیل کہاں ہے اُسے باہر بھیجو، میں اُسے اس کی جرأت کا مزا چکھاؤں"

راشدہ خلیل کو غصے میں دیکھ کر کہنے لگی۔

"شاید تم شکیل کے دوست ہو"

"ہاں —— میں نے اس ذلیل انسان کو اپنا دوست بنایا تھا، اپنا بھائی کہا تھا۔ لیکن یہ میری بھول تھی، میں اُس کو سمجھ نہ سکا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے کی بجائے انسان بن جائے، لیکن اس ذلیل انسان نے میری شرافت، میری ہمدردی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میری عزت سے کھیلنے کی کوشش کی۔ میرے ہی منہ پر تھپڑ مارا۔"

راشدہ خلیل کو سمجھاتی ہوئی بولی۔

"بیٹا تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ شکیل ایسا نہیں۔"

خلیل چلا کر بولا۔

"بڑھیا مجھے بیٹا نہ کہہ۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ آئندہ میں کسی ذلیل انسان کو منہ نہیں لگاؤں گا، میں تو اس ذلیل انسان کے ذلیل باپ کو دیکھنے آیا تھا جس نے گندگی کے ڈھیر کو جنم دیا ہے۔"

راشدہ غصے سے کانپتی ہوئی بولی۔

"جوانی کے نشے نے تمہیں بدلگام کر دیا ہے۔ خبردار جو اس کے بابا کو ذلیل کہا، میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔"

شریف شور سن کر بیساکھی کے سہارے باہر نکل آیا اور خلیل سے پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹا کیوں ناراض ہو رہے ہو۔"

خلیل نے حقارت سے شریف کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذلیل بڈھے خبردار جو دوبارہ مجھے بیٹا کہا، کہاں چھپا رکھا ہے اپنے لاڈلے کو۔ کاش وہ مجھے مل جاتا پھر میں دکھاتا کہ نالی کے گندے کیڑے کو کس طرح پیروں تلے مسلا جاتا ہے۔"

شریف نے خلیل پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈال کر کہا۔

"کسی شریف باپ کے بیٹے دکھائی دیتے ہو، لیکن تمہاری پرورش غلط ماحول میں ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں کسی نے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں سکھائی۔"

خلیل طنزیہ انداز میں بولا۔

"خوب ——— اب تم مجھے تہذیب سکھانا چاہتے ہو، گریباں میں منہ ڈال کر دیکھو، پھر کہنا شریف کون ہے ذلیل اور کمینہ کون"

شریف غصے سے کانپ اُٹھا اور انتہائی غصے سے بولا۔

"شرافت کے ٹھیکیدار اگر دوبارہ مجھے ذلیل اور کمینہ کہا تو تیرے سارے کس بل نکال دوں گا، یہ نہ سمجھنا کہ میں اپاہج ہوں، میں بے غیرت نہیں جو تجھ جیسے بدلگام چھوکرے کو گالیاں دیتا دیکھ کر خاموش ہو جاؤں"

خلیل نے آگے بڑھ کر شریف کے منہ پر اس زور سے چانٹا مارا کہ شریف لڑکھڑا کر گر پڑا، خلیل شریف کو ٹھوکریں مارتا ہوا بولا۔

"بڑا آیا عزت والا، تیرے جیسے بے غیرت انسان کو تو میں ٹھوکر مارنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں"

راشدہ دوڑ کر شریف کے اوپر گر پڑی اور چلاتی ہوئی بولی۔

"تمہیں ایک بوڑھے اور معذور آدمی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے، تم جس کو ٹھوکریں مار رہے ہو وہ تمہارے باپ جیسا ہے، دولت کے نشے نے تمہیں اندھا بنا دیا ہے۔ خدا نے تمہیں دولت تو دی لیکن تمیز نہیں دی۔ تم شکیل کو جانور، ذلیل کہہ رہے تھے۔ لیکن تمہاری حرکتیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم جانور ہو۔

ذلیل ہو۔

گندگی کا ڈھیر ہو۔

دور ہو جاؤ میری نظروں سے اگر شکیل آ گیا تو تمہارا سارا نشہ جاتا رہے گا،
پھر تمہارے بڑے تمہاری لاش وادیوں میں ڈھونڈتے پھریں گے۔
میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں۔ میں نے اُسے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے تم
اس قابل نہیں ہو کہ شکیل تمہیں اپنا دوست، اپنا بھائی کہہ سکے۔"
خلیل حقارت سے راشدہ اور شریف کو دیکھتا ہوا چلا گیا۔
راشدہ شریف سے لپٹ کر رونے لگی، اسی اثنا میں شکیل بھی آ گیا، شریف
کو فرش پر پڑا دیکھ کر اُسے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔
"کیا ہوا بابا؟"
شریف آنسوؤں سے تر چہرہ اُٹھا کر بولا۔
"شکیل دور ہو جاؤ میری نظروں سے، میں تمہارا خون پی جاؤں گا، تم
نے بڑا آدمی بننے کی کوشش میں اپنے بوڑھے باپ کو ذلیل کرا دیا، میں تمہاری
صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ جاؤ اُسی بڑے آدمی کے قدموں میں لوٹو جس نے
تمہارے باپ کو ٹھوکریں ماری ہیں۔
شرافت کو ٹھوکریں ماری ہیں۔
عزت کو ٹھوکریں ماری ہیں۔"
شکیل کے آنسو نکل آئے اور اُس نے منت کرتے ہوئے کہا۔
"بابا کچھ تو بتاؤ آخر ہوا کیا ہے؟"
شریف روتا ہوا بولا۔
"ابھی کچھ ہونا باقی ہے، دفع ہو جاؤ میری نظروں سے سمجھ لوں گا کہ مجھ بدنصیب

کے اولاد ہی نہیں ہوئی تھی۔"

شریف روتا رہا اور شکیل بے بسی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ شریف اُٹھ کر بیساکھی کے سہارے اپنے کمرے میں چلا گیا تو راشدہ بولی۔

"تمہارا امیر دوست آیا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ تم نے اس کی غیرت کو للکارا ہے، جب میں نے اور تمہارے بابا نے تمہاری صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے اور تمہارے بابا کو ذلیل کیا، تھپڑ مارے اور پھر ٹھوکر بھی مار کر چلا گیا۔"

راشدہ سسکیاں لے کر روتی رہی اور شکیل خاموش سوچتا رہا۔

"امی جان ——— میں خلیل کی غلط فہمی دور کر دوں گا، اُسے تمہارے قدموں پر ڈال دوں گا، میں اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک وہ اپنی غلطی کی معافی نہ مانگ لے۔"

شکیل تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خلیل کی کوٹھی کی طرف بڑھ رہا تھا، اُس کے چلنے کی رفتار بھاگنے سے کم نہیں تھی اور ہر لمحہ اس کی رفتار میں اضافہ ہو رہا تھا اس کا بس چلتا تو وہ اڑ کر خلیل کے پاس جا پہنچتا۔

جب شکیل کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا تو کوٹھی پر سناٹا طاری تھا اور کوٹھی کے برآمدے میں ایک چوکیدار بیٹھا حقہ پی رہا تھا شکیل تیزی سے چوکیدار کی طرف بڑھا اور اس سے پوچھا۔

"خان — خلیل صاحب کوٹھی پر موجود ہیں"

خان نے حقہ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"وہ چلا گیا۔"

"کہاں گیا۔"

"ہم کو کیا معلوم، کدھر سے آیا تھا کدھر گیا، بس چلا گیا۔"

شکیل کو مایوس لوٹنا پڑا، وہ گھر سے یہ عزم لے کر چلا تھا کہ خلیل کا گریبان پکڑ کر پوچھے گا بتاؤ میری خطا کیا ہے۔

میرا جرم کیا ہے۔

جس کی سزا تم نے میرے بوڑھے اور بے گناہ والدین کو دی ہے۔ وہ والدین جن کا دل دکھانا میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کے برابر سمجھتا ہوں۔

وہ والدین جنہوں نے میرے سکھ کی خاطر اپنی جوانیاں نچھاور کر دیں میں نے تو وہی کچھ کیا تھا جو تم چاہتے تھے۔

پھر تم نے ایسا قدم کیوں اٹھایا، جس سے میرے والدین کے دل میں میرے متعلق شک وشبہ پیدا ہو گیا۔

خلیل تم نے اچھا نہیں کیا۔

تم نے میرے بابا کے منہ پر تھپڑ مارا۔

انہیں ٹھوکریں ماریں۔

کاش اُس وقت میں ہوتا۔

اور تمہیں بتاتا کہ ٹھوکر کا جواب کس طرح دیا جاتا ہے۔

تم روشنی کے جھکانے میں آ گئے۔

دولت مند ہونا۔

دولت مند تو زر، زن، زمین کے چکر میں آنکھیں بند کر کے بڑے سے بڑا جرم کر جاتا ہے۔

اندھے دوست۔

بے وفا ساتھی۔

تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم مجھ سے پوچھے بغیر، مجھ سے ملے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھاؤ گے۔

کاش تم مجھے مل جاتے۔
اور تم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ تم نے جو کچھ کیا ہے وہ جوانی کی بھول تھی
دولت کا نشہ تھا۔
حسین ساتھی کے قرب کا نتیجہ تھا۔
پھر میں تمہیں ٹھوکریں مارتا اور بتاتا کہ غریب بھی ٹھوکر کا جواب ٹھوکر سے دینا
جانتا ہے۔
تم شاید اسی لئے بھاگ گئے۔
تمہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر یہاں رہے تو شکیل قہر بن کر تم پر ٹوٹ
پڑے گا۔
تمہیں اور تمہاری روشی کو ایسا سبق دے گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی
یاد رکھیں۔
پھر تم کسی مظلوم پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔
تم یہ نہ سمجھنا کہ تم مجھ سے دور چلے گئے ہو۔
اتنی دور کہ میں تمہیں پا نہیں سکتا۔
یہ تمہاری بھول ہے۔
میں موت کے فرشتہ کی طرح تمہارا تعاقب کروں گا۔
اور اس بھری دنیا میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔
تم سے تمہاری زیادتی کا حساب لوں گا۔
خواہ اس کے لئے مجھے کتنا ہی سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔

اب میری زندگی کا واحد مقصد یہی ہے کہ تم سے اپنا حساب چکتا کر لوں، تمہیں بتا دوں کہ شکیل جب کسی سے پیار کرتا ہے تو اس کی انتہا کر دیتا ہے۔

اور شکیل کا انتقام اتنا بھیانک ہوتا ہے کہ تم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

شکیل دل ہی دل میں بڑبڑاتا ہوا گزر رہا تھا، اُسے ماحول کی کچھ خبر نہ تھی۔

وہ اپنی دھن میں جا رہا تھا۔

اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

خلیل کے نہ ملنے سے اُسے شدید ذہنی صدمہ ہوا تھا، مایوسی، ناکامی نے اُسے نڈھال کر دیا تھا، تھکن کے احساس نے اُس کے قدم لڑکھڑا دیئے تھے، وہ چلتا چلتا رک گیا اور پھر سستانے کے لئے پیپل کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

وہ انتہائی اداس تھا، اُس کی آنکھیں بند تھیں، جیسے کھلی آنکھوں سے اس بے رحم دنیا کو دیکھنا اُسے گوارا نہ تھا، تہذیب شکیل کو تلاش کرتی ہوئی اِدھر آنکلی اور اُسے بیٹھا دیکھ کر اُس کے قریب آ گئی۔

شکیل آنکھیں بند کئے بدستور اداس بیٹھا تھا۔ تہذیب نے کھانس کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ تہذیب کی کھانسی کی آواز سن کر شکیل نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور تہذیب کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر بولا۔

"جو کسر رہ گئی ہے اب آپ پوری کرنا چاہتی ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

شکیل طنز کرتے ہوئے بولا۔

"دولت مند ہمیشہ اپنی بات کا مطلب سمجھتے ہیں۔ دوسروں کی بات انہیں سمجھ

میں نہیں آتی۔ اس میں آپ کا قصور نہیں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔"

" اگر میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔"

تہذیب نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ تشکیل کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

" آپ بھی اونچے محلوں کی رہنے والی ہیں۔

آپ بھی اُسی مٹی کی بنی ہوئی ہیں جس سے روشنی بنی ہے۔

" روشنی اور تہذیب میں صرف ناموں کا فرق ہے لیکن ...."

تہذیب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" تم دولت مندوں سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتے ہو۔"

" اس لئے کہ دولت مندوں کے دل میں ہم غریبوں کے لئے درد کی بجائے نفرت کا جذبہ موجزن ہوتا ہے، وہ بھی تو ہر غریب کو ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں۔"

تشکیل کے لہجے کی گہری تلخی سے تہذیب چونک اٹھی۔

" سبھی امیر بُرے نہیں ہوتے، مجھے ہی دیکھو، میں بھی لکھ پتی باپ کی بیٹی ہوں کیا میں تمہیں بُری لگتی ہوں۔"

تشکیل نے تہذیب کے شگفتہ بہار آفریں چہرے پر نظریں گاڑھے کہا۔

" غریب کی نظروں میں تو سبھی اچھے دکھائی دیتے ہیں، لیکن دولت مند ایسے نہیں ہوتے۔

ان کا تن اُجلا ہوتا ہے من میلا، میں نے بھی ایک تن کے اُجلے دولت مند کو اپنا دوست بنایا۔

بھائی سمجھ کر پیار کیا۔
اور اس کے کہنے پر عمل کرتا رہا۔
لیکن اس نے میرے اعتماد کی اتنی کڑی سزا دی کہ تم اسکا تصوّر بھی نہیں کر سکتیں
اس نے میری شرافت کی دھجیاں بکھیر دیں۔
اُس نے میرے خلوص کو اپنے پیروں تلے روند دیا۔
میری عزت کا مذاق اڑایا۔
اور پھر مجھ سے آنکھیں چُرا کر چلا گیا"
تہذیب نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔
"میں تو تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ میں کراچی واپس جا رہی ہوں، اگر مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو معاف کر دینا، جتنے دن اس وادی میں گذرے ہیں ان کی خوشگوار یادوں کو اپنے ساتھ لئے جا رہی ہوں۔
یہ یادیں میرا انمول خزانہ ہوں گی۔
میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ۔
اس وادی میں تم پہلے اور آخری انسان ہو جو مجھے اچھے لگے تھے، گو تم غریب تھے، لیکن تم میں انسانیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری بے رخی کے باوجود میں تم سے ملنے چلی آئی"
تہذیب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس سے پہلے کہ یہ آنسو چھلک پڑیں، تہذیب تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی۔
شکیل نے تہذیب کو جاتے دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں، جیسے اُس نے

خواب دیکھا ہو۔

ایسا خواب جو سہانا نظر آتا ہے، لیکن اُس کی تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔ شکیل بڑبڑانے لگا۔

"امیر اور غریب کے درمیان روشنی نے جو دیوار کھڑی کر دی ہے تہذیب تم یہ دیوار گرا کر مجھ تک نہیں پہنچ سکتیں، دولت کی یہ دیوار ہمیشہ قائم رہے گی۔

شکیل نڈھال قدموں سے گھر لوٹا، راشدہ شکیل کو اداس دیکھ کر پوچھنے لگی
"بیٹا کیا نام بتایا تھا اپنے دوست کا"
خلیل ـــــ جو بھاگ گیا۔
خلیل کے نام پر راشدہ چونک اٹھی، اس کے بہتے ہوئے آنسو یکایک تھم گئے اور وہ آج سے چوبیس سال پہلے کی تلخ یادوں میں کھو گئی۔
"خلیل جو اس کا اپنا خون تھا۔"
خلیل جس کو اس نے یاسمین کی گود میں ڈال کر اُس کا سہاگ بچایا تھا وہ خلیل جسکی خاطر یاسمین نے اس کے سر تاج پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ وہ خلیل جس کی وجہ سے شریف حادثے کا شکار ہوا تھا"
لیکن اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اُس کا خلیل ہی وہ بدنصیب نوجوان ہے جس نے اپنی ماں کی تذلیل کی۔
باپ کو ٹھوکریں ماریں۔
اُسے اپنے خون سے ایسی امید نہیں تھی۔
اس کا دل یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا کہ اس کا خون اتنا گندہ ہو

سکتا ہے۔

اس کے خلیل میں اتنی سکت کہاں جو وہ باپ پر ہاتھ اُٹھا سکے، باپ کو ٹھوکریں مار سکے۔

وہ خلیل کوئی اور بدنصیب ہوگا۔

کسی بگڑے ہوئے رئیس کا بیٹا۔

راشدہ عجیب الجھن میں گرفتار تھی، وہ شکیل کی فطرت سے واقف تھی۔ اُس نے کُھل کر اپنے عزائم کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ خلیل سے اپنے بابا کی بے عزتی کا بدلہ لے گا۔

وہ ہاتھ توڑ دے گا جو اس کے بابا پر اُٹھا تھا۔

وہ پیر کاٹ دے گا جس سے اُس نے بابا کو ٹھوکریں ماری تھیں۔

راشدہ اس خیال سے پریشان تھی کہ اگر خلیل ہی اُس کا اپنا خلیل ہوا تو شکیل اور خلیل کا ٹکراؤ اس کا سکون چھین لے گا۔

شکیل اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اُسے خلیل سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اگر خلیل کا وار کارگر ہو گیا تو اس کا شکیل.....

اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی، ممتا کو اس سے آگے سوچنا ہی نہ آتا تھا۔

اُس کے سامنے اب ایک ہی راستہ تھا کہ شکیل کو اپنے ارادے سے باز رکھے۔

لیکن اگر وہ خلیل نہ ہوا اور شکیل نے اسے معاف کر دیا تو اس کا ضمیر ہمیشہ اُسے ملامت کرتا رہے گا کہ اس نے اپنی اولاد کو آپس میں ٹکرانے سے بچانے کی کوشش میں شوہر کی بے عزتی

برداشت کرلی، معذور شوہر کی بے بسی کا مذاق اڑایا۔

راشدہ عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا رہی اور وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی، اس کا دل اور دماغ دونوں اُس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

راشدہ شکیل کا ردِ عمل دیکھنے کے لئے اُس کے کمرے میں گئی، شکیل کو خط لکھنے میں مصروف دیکھ کر وہ خاموش کھڑی شکیل کو دیکھتی رہی، راشدہ اپنے دلی تاثرات سے شکیل کو آگاہ کرتی ہوئی ڈر رہی تھی۔

جب شکیل خط لکھ کر فارغ ہوا اور اس نے نظریں اٹھائیں تو راشدہ کو اپنے سامنے کھڑی دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ آنسو راشدہ کے چہرے پر آبی لکیر بناتے ہوئے فرش پر گر رہے تھے۔ شکیل بے چین ہو کر بولا۔

"امی ــــ آپ رو رہی ہیں، جس ماں کا جوان بیٹا موجود ہو اُس کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہوتے، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں خلیل سے بدلہ لوں گا۔

راشدہ سہم کر بولی۔

"نہیں بیٹا ــــ بدلہ لینے سے معاف کر دینا بہتر ہوتا ہے"۔

"نہیں امی ــــ یہ بزدلی ہے، اگر خلیل کو معاف کر دیا تو بابا کی نظروں میں میں ہمیشہ مجرم رہوں گا۔ میں بابا کی غلط فہمی دور کروں گا، میں آپ کے دودھ کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ یا تو خلیل بابا کے قدموں میں گر کر معافی مانگے گا یا پھر وہ اس دنیا میں نہیں ہو گا"۔

راشدہ چلا اٹھی۔

"شکیل تم نے فیصلہ کرنے میں بہت جلدی کی ہے۔ تم نے میرے دودھ کی قسم کھا کر مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

راشدہ روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی اور شکیل خاموشی سے بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا۔

نیند اُس کی آنکھوں سے دور تھی اور انتقام کی آگ سے اس کا سینہ الاؤ کی طرح دہک رہا تھا۔ وہ بے چین ہو کر بستر پہ کروٹیں بدلتا رہا۔

صبح کا تارا آسمان پر جھلملا رہا تھا، شکیل خاموشی سے بستر سے اُٹھا اور سرہانے رکھا ہوا خط نکال کر ایک نظر خط پر ڈالی اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اُس کمرے میں پہنچا جہاں شریف اور راشدہ سو رہے تھے۔ شکیل نے ایک نظر راشدہ پر ڈالی اور دبے قدموں سے شریف کے سرہانے پہنچ کر چند لمحوں تک شریف کو دیکھتا رہا اور پھر شریف کے سرہانے خط رکھ کر راشدہ کے قدم چھو کر کمرے سے نکل گیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر چند کپڑے چھوٹے سے اٹیچی میں ڈالے اور پھر گھر سے نکل کھڑا ہوا، گھر چھوڑتے ہوئے اُسے دکھ ضرور ہوا، لیکن جلد ہی اپنے جذبات پر قابو پا کر تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا بس کے اڈہ کی طرف بڑھنے لگا۔

راشدہ صبح کی نماز کے لئے اٹھی تو شریف کے سرہانے خط دیکھ کر اُس کا ماتھا ٹھنکا، جلدی سے وہ خط اُٹھا کر پڑھنے لگی۔

"بابا! اس دنیا میں غریب آدمی یا تو محنت مزدوری کر سکتا ہے یا پھر رکشا چلا کر تمہاری طرح اپاہج ہو کر دھرتی کا بوجھ بن کر رہ جاتا ہے، اس دنیا میں غریب

کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، میں نے زندہ رہنے اور باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے ایک خواب دیکھا تھا، میرے دوست نے مجھے بڑا آدمی بننے کے گُر بتائے تھے، جب میں نے اپنے دوست کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنے کی کوشش کی تو وہ مجھ سے ناراض ہو گیا اور اس نے جو کچھ کیا اُس کے لئے میں شرمندہ ہوں۔ میں نے امی سے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنے دوست کو لے کر لوٹوں گا یا تو وہ آپ کے قدموں میں گر کر اپنی گستاخی کی معافی مانگے گا اگر دولت کے نشے اور جوانی کے گھمنڈ میں اُس نے آپ سے معافی نہیں مانگی تو پھر میں اُسے ایسی سزا دوں گا کہ وہ زندگی بھر اپنی حماقت پر پچھتا تا رہے گا۔

میرے گھر سے جانے سے امی کو دکھ ہوگا اور آپ کو ذہنی تکلیف، لیکن اب آپ کے دکھ مجھ سے دیکھے نہیں جاتے، اب میں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا جب دنیا والے آپ کے شکیل کو بھی بڑا آدمی ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔

آپ کا بدنصیب بیٹا

شکیل

راشدہ خط پڑھ کر بے اختیار رونے لگی، اس کے رونے کی آواز سے شریف بھی نیند سے بیدار ہو گیا اور راشدہ کو روتا دیکھ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے بیگم"

راشدہ نے شکیل کا خط شریف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکیل چلا گیا"

"شکیل چلا گیا"

شریف حیرت سے خط کی طرف دیکھتا ہوا بولا اور خط پڑھ کر دھیمی سی آواز میں کہا۔

"میری باتوں نے اُسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا"

شکیل غصّے میں دوست سے الجھ نہ پڑے، خدارا اُسے رکوایئے، میرا دل گھبرا رہا ہے۔

راشدہ رونے لگی شریف نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بیگم میں تو اُسے تلاش نہیں کر سکتا۔ تم ہیرو سے کہو وہ اُسے ڈھونڈ کر لائے گا۔"

شریف کا جملہ ختم ہونے سے پہلے راشدہ بھاگتی ہوئی سکندر کے گھر کی طرف گئی اور روتی ہوئی سکندر کو تمام واقعہ سنا دیا۔ سکندر نے ہیرو کو شکیل کی تلاش میں بھیجتے ہوئے تاکید کی۔

"شکیل کو ساتھ لے کر آنا۔ اگر اس نے آنے سے انکار کر دیا تو تم پھر اس کا ساتھ نہ چھوڑنا ہر حالت میں اس کا ساتھ دینا، دوست کے لئے اپنا آخری قطرہ خون بھی بہا دینا"

ہیرو سکندر کے فیصلے پر خوشی سے اُچھل کر بولا۔

"آپ مطمئن رہیں، میں شکیل کو گھر لانے کی کوشش کروں گا اور اگر وہ واپس نہ آیا تو میں بھی آپ کو منہ نہ دکھاؤں گا"

سکندر کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ہیرو شکیل شریف بھائی" کا سہارا ہے۔
بھابی کی امیدوں کا چراغ ہے۔
تمہارا بچپن کا دوست ہے۔
یہ تمہاری دوستی کی آزمائش ہے۔"
ہیرو کپڑوں کی گٹھری سنبھالتے ہوئے بولا۔
"آپ بے فکر رہیں۔ میں سائے کی طرح شکیل کے ساتھ رہوں گا۔"
ہیرو کپڑوں کی گٹھری اٹھائے بھاگتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

راشدہ کو یقین تھا کہ شکیل لوٹ کر نہیں آئے گا۔ ہیرو اُسے واپس نہیں لا سکے گا۔ لیکن ہیرو کا ساتھ اُس کے شکیل کو کوئی غلط قدم اُٹھانے سے باز رکھے گا۔ شکیل ہیرو کو بے وقوف ضرور سمجھتا تھا۔ لیکن اُسے ہیرو سے بھائیوں جیسی محبت تھی۔

اس لئے کہ سکندر کے اس کے بابا پر بڑے احسانات تھے اور وہ ہمیشہ ان احسانات کا بوجھ اپنے کندھوں پر محسوس کرتا رہا تھا، شکیل بس کے اڈہ پر پہنچ کر راولپنڈی جانے والی پہلی بس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہیرو نے پیچھے سے آکر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ شکیل چونک کر پلٹا اور ہیرو کو گٹھری اٹھائے دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو ہیرو۔"

"اگر یہی سوال میں تم سے کر دوں تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔"

شکیل نے کہا۔

"میں تو کراچی جا رہا ہوں۔"

"کیوں وہاں کیا رکھا ہے۔"

شکیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہاں خلیل رہتا ہے —— وہ خلیل جس کو میں نے بھائیوں کی طرح چاہا۔ لیکن اُس نے غلط فہمی میں جو کچھ کیا میں اُس سے باز پرس کروں گا۔"

ہیرو نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ارے چھوڑو ان رئیس زادوں کو، یہ کیا کسی کو اپنا بھائی، اپنا دوست بنائیں گے، وہ تو صرف لڑکیوں سے دوستی کرنا جانتے ہیں، تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو اور گھر لوٹ چلو۔"

"نہیں ہیرو —— میں اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔ اب میں اُسی وقت گھر لوٹوں گا، جب میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ تم گھر چلو۔"

ہیرو اکڑ کر بولا۔

"میں بھی اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔"

ہیرو دردی صورت بنا کر بولا۔

"اگر تم چلے گئے تو یہ وادی میرے لئے جہنم بن جائے گی۔ بچپن کا ساتھی جدا ہو جائے میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"سوچ لو ہیرو، جذبات میں کئے ہوئے فیصلے پر بعد میں تمہیں پچھتانا نہ پڑے۔"

"بیوقوف پچھتاتے ہیں۔"

اسی اثنا میں بس آ گئی، ابھی بس رُکنے بھی نہ پائی تھی کہ ہیرو اچھل کر بس میں جا بیٹھا۔ شکیل بھی اس کے پیچھے بس میں سوار ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں بس سواریوں سے بھر گئی اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی۔ بس مری کی پُر پیچ وادی سے گزر رہی تھی، اور شکیل حسرت بھری نظروں سے اپنے چھوٹے

سے گاؤں کو دیکھ رہا تھا جو مری کے دامن میں واقع تھا۔

جہاں اُس نے بچپن گزارا تھا۔

جوانی میں قدم رکھا تھا۔

جہاں اس نے بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھے تھے۔

لیکن اب اس کا گاؤں لمحہ بہ لمحہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

شکیل کی اداسی بڑھتی جا رہی تھی۔

لیکن ہیرو کراچی کے سفر کی خوشی میں بے حد خوش تھا۔

شکیل اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ اور ہیرو تصورات کی حسین دنیا میں کھویا نت نئے پروگرام بنا رہا تھا۔

شکیل کی پہلی منزل راولپنڈی تھی۔ چند گھنٹے راولپنڈی میں گزارنے کے بعد شکیل کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔

راستہ بھر طرح طرح کے خیالات اُس کے ذہن کو پریشان کر رہے تھے کبھی وہ سوچتا اگر خلیل نہ ملا تو وہ اپنے بابا کو کیا منہ دکھائے گا۔

اجنبی شہر میں کیونکر وقت کاٹ سکے گا۔

ٹرین تیزی سے منزل کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

کچھ لوگ بیٹھے اونگھ رہے تھے، کچھ اپنے سامان کی حفاظت کے لئے جاگنے پر مجبور تھے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بے فکر پڑے سو رہے تھے ان بے فکروں میں ہیرو بھی تھا جو شکیل سے بے نیاز نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

خلیل کار سے اتر کر ٹینس کورٹ کی طرف بڑھا۔ روشی بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی، خلیل کو آتا دیکھ کر اُس کی طرف بڑھی اور بگڑتی ہوئی بولی۔

"مسٹر خلیل یہ وقت ہے تمہارے آنے کا، تم پریکٹس کی طرف سے دن بدن لاپرواہ ہوتے جا رہے ہو۔ اگر یہی حال رہا تو اس سال ہم ایک میچ بھی نہیں جیت سکیں گے۔"

خلیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"روشی ڈارلنگ —— تم ایک میچ کی بات کر رہی ہو، میں تو فائنل جیت کر رہوں گا، اپنا اعزاز برقرار رکھوں گا۔"

روشی نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔"

"وقت کی لگام میرے ہاتھ میں ہے روشی۔ جس طرف چاہوں گا گھما دوں۔"

روشی خلیل سے بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی، پہلے ہی وہ خلیل کے انتظار میں بوریت محسوس کر رہی تھی۔ وہ خلیل کی بات کا جواب دیئے بغیر ریکٹ اٹھائے کورٹ میں چلی گئی اور پھر دونوں کھیلتے رہے، کلب کے دوسرے

کھلاڑی ان دونوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ دونوں کو ان کے شاندار کھیل پر مبارک باد دے رہے تھے۔

شکیل اور ہیرو جب کراچی پہنچے تو ہیرو کی نگاہیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کشادہ سڑکیں، فلک بوس عمارات،

کاروں میں گزرتے ہوئے سرخ و سپید خوب صورت چہرے، بڑی بڑی سجی ہوئی دکانیں۔

ہیرو کی زندگی مری کی پہاڑیوں میں گزری تھی۔ مری کے دامن میں چھوٹے سے گاؤں سے مری کی پہاڑیوں تک اس کی رسائی ہوئی تھی۔ اس سے آگے دنیا اُس کے لئے ختم ہو چکی تھی۔

اس کی زندگی کا پہلا سفر انتہائی حسین تھا۔

اس کے تصورات سے زیادہ حسین۔

چلتے چلتے اچانک ہیرو کے قدم رک گئے۔ اس کے سامنے سے کار میں ملک کی نامور اداکارہ نجمہ گزری تھی۔ نجمہ کے پہلو میں ایک نوجوان کو بیٹھے دیکھ کر ہیرو کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ شکیل نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"ہیرو کیوں رُک گئے۔"

"نیب دن گاولن کے بچے سے۔"

"کچھ بتاؤ گے بھی یا شور ہی مچاتے رہو گے۔"

ہیرو نے شکیل کے برابر پہنچتے ہوئے کہا۔

"نجمہ کے پہلو میں لنگور کو بیٹھے دیکھ کر مجھے غصہ آگیا تھا، اُسے کیا حق پہنچتا

ہے ایک ہیروئین کے ساتھ گھومنے کا۔"

شکیل نے ہنستے ہوئے ہیرو کو چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا جناب کو حق پہنچتا ہے۔"

"بالکل ——— وہ ہیروئین، میں ہیرو، ہیرو ہیروئین کا جنم جنم کا ساتھ ہوتا ہے ولن کا ہیروئین سے ملاپ ناممکن ہے۔ میں اس پر احتجاج کروں گا۔ میں ولن کی ہڈیوں کا شوربا بنا کر پی جاؤں گا۔"

شکیل نے ہیرو کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"ہیرو صاحب آگے بڑھیئے، ہیروئین کے چکر میں پڑ گئے تو گئے کام سے۔"

ہیرو شکیل کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

"اب تم مذاق کرتے ہو، لیکن وہ دن دور نہیں، جب تم میرے آٹو گراف کے لئے ترسو گے اور میں تمہیں آٹو گراف دینے سے پہلے سوچوں گا کہ یہی وہ شخص تھا جس نے میرا مذاق اڑایا تھا اور آج میرے آٹو گراف کے لئے ترس رہا ہے۔

میری ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین ہے۔

مجھ سے ہاتھ ملانے،

مجھ سے دو باتیں کرنے کے لئے مچل رہا ہے۔

میری عزت، دولت، شہرت پر رشک کر رہا ہے۔"

ہیرو باتیں کرتا رہا۔ شکیل کی نظریں بکار دیں میں گزرتے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں، دکانوں سے شاپنگ کر کے نکلنے والوں کا تعاقب کر رہی تھیں۔

دن بھر شکیل اور ہیرو کراچی کی مختلف سڑکوں پر گھومتے رہے۔

خلیل کو تلاش کرتے رہے۔

لیکن خلیل انہیں نہ مل سکا، ہیرو تھک کر فٹ پاتھ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ارے میرے نادان دوست۔ خلیل کی تلاش میں کب تک ہم سڑکیں ناپتے پھریں گے، میرا کہا مانو تو اُسے صرف ٹینس کلبوں میں تلاش کرو، وہ ضرور کسی نہ کسی کلب کا ممبر ہوگا۔ اس طرح تو ہم زندگی بھر اُسے تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے"

شکیل پژمردہ لہجہ میں بولا۔

"ہیرو یہ کراچی ہے، یہاں بے شمار ٹینس کلب ہیں۔ ہم کہاں کہاں اُسے تلاش کرتے پھریں گے، پہلے کوئی نوکری کا بندوبست کرلیں، پھر دیکھا جائے گا۔ پیٹ پر کب تک پتھر باندھے پھریں گے"

ہیرو نے کہا۔

"تم مجھے سٹوڈیو لے چلو، وہاں پہنچتے ہی تمہیں روزگار کی فکر نہیں رہے گی۔ لوگ مجھے دیکھتے ہی ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور پھر تم ٹھاٹ سے میری کار لئے کلبوں میں اُسے تلاش کرنا"

شکیل ہنس کر بولا۔

"چلو پہلے تمہارے ارمان پورے کر لیتے ہیں۔ پھر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تم کتنے بڑے فنکار ہو"

ہیرو خوشی سے اُچھل کر بولا۔

"ہاں ہاں دیکھ لینا، میری سٹوڈیوز میں کتنی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ تمہاری

آنکھیں کھلی رہ جائیں گی، پھر تم مجھے مسکہ لگاؤ گے۔ ہیرو کسی سے کہہ کر مجھے بھی نوکری دلوادو۔"

شکیل ہیرو کی باتوں سے بوریت محسوس کر رہا تھا۔ قریب سے ایک ٹیکسی گزری ہیرو نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی رکوائی اور شکیل کو گھسیٹتے ہوئے ٹیکسی میں جا بیٹھا اور ڈرائیور سے کہنے لگا۔

"سٹوڈیو چلو۔"

ڈرائیور نے پلٹ کر ایک نظر ہیرو پر ڈالی اور مسکرا کر پوچھا۔

"کون سے سٹوڈیو جناب، نیو ماڈرن، ویسٹرن"

ہیرو بغیر سوچے سمجھے بولا۔

"کیا نیو ماڈرن، ویسٹرن کہہ رہے ہو۔ سٹوڈیو چلو۔"

"صاحب نیو ماڈرن سٹوڈیو چلوں یا ویسٹرن سٹوڈیوز۔"

"ویسٹرن۔"

ہیرو ڈرائیور کو ہدایات دے کر آنے والے مسرت آگیں لمحات میں کھو گیا، جب ٹیکسی ویسٹرن سٹوڈیو کے لان میں رُکی، سامنے برآمدے میں ہیروئین نجمہ اُسی نوجوان کو باتیں کرتی نظر آئی جو کار میں نجمہ کے ساتھ دکھائی دیا تھا، ہیرو نے نجمہ کے ساتھ نوجوان کو باتیں کرتے دیکھ کر شکیل سے کہا۔

"تم ٹیکسی کا کرایہ ادا کرو، میں ذرا دلن سے نپٹ لوں۔ بڑا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔"

اس سے پہلے کہ شکیل ہیرو کو اس حماقت سے باز رکھتا، ہیرو ماتھے پر بال ٹھیک

کرتا ہوا تیزی سے سٹوڈیو کے برآمدے کی طرف بڑھا اور جاتے ہی نوجوان سے الجھ پڑا، نوجوان بڑے اچھے موڈ میں کھڑا ہیروئین سے باتیں کر رہا تھا، اس غیر متوقع حملے سے بے خبر تھا، نوجوان ہیروئین کے سامنے اپنی بے عزتی برداشت نہ کر سکا اور اس نے بھی خوب خوب اپنے جوہر دکھائے،

پہلے تو سٹوڈیو میں موجود لوگوں نے اس ہنگامہ پر کوئی توجہ نہیں دی، کچھ لوگ اسے ریہرسل سمجھتے رہے، لیکن جب تھوڑی ہی دیر میں سٹوڈیو کے گملے ٹوٹنے لگے اور ہیروئین نجمہ کی چیخیں بلند ہوئیں تو سٹوڈیو میں شوٹنگ کرتے ہوئے اداکار، ہدایت کار، کیمرہ مین، ایکسٹرا سب بھاگے ہوئے آئے اور ہیرو پر ٹوٹ پڑے، ہیرو کو پٹتا دیکھ کر شکیل سے نہ رہا گیا اور وہ بھی بھاگا ہوا ہیرو کی مدد کو پہنچا، شکیل کے ایک ہاتھ میں سوٹ کیس تھا اور دوسرے ہاتھ میں ہیرو کے کپڑوں کی گٹھری تھی، نوجوان اور اس کے ساتھی ہیرو کو مار رہے تھے اور ہیرو بھی بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کر رہا تھا.

وہ ایکسٹرا نوجوان جو نوجوان ہیرو اور ہیروئین نجمہ کے میل ملاپ سے خار کھاتے تھے موقع سے فائدہ اٹھا کر ہیرو کی حمایت میں ڈٹ گئے اور پھر دونوں طرف گھمسان کی لڑائی ہونے لگی، شکیل. ہیرو کی حمایت میں ایکسٹرا لڑکوں کو لڑتے دیکھ کر اٹیچی اور گٹھری رکھ کر خود بھی میدان میں اتر گیا، ایک ایکسٹرا نے اٹیچی ہیرو کے سر پر دے ماری. دوسرے نے گٹھری اٹھا کر نوجوان کے حمایتیوں پر اچھالی.

اٹیچی سے کپڑے نکل کر دیکھتے ہی دیکھتے سٹوڈیو کے لان میں بکھر گئے،

شکیل ایک لمحہ کے لئے حسرت بھری نظروں سے اپنے کپڑوں کو دیکھتا رہا۔ ہیرو کی گٹھڑی بھی کھل چکی تھی اور اس کے کپڑے بھی پیروں تلے روندے جا رہے تھے، شکیل کے سامنے ایسے شاندار طریقے سے لڑائی جاری تھی کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی غافل نہ ہو سکا، سٹوڈیو کالان پانی پت کے میدان کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

ہیرو مار کھا کر گر رہا تھا اور گر کر اٹھتے ہی نعرہ لگا کر دوبارہ حملہ کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد کسی منچلے نے پولیس پولیس کا شور مچا دیا اور پولیس کا نام سنتے ہی سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے، ہیرو اور شکیل نے جلدی جلدی کپڑے سمیٹ کر اٹیچی میں ٹھونسے اور بھاگتے ہوئے سٹوڈیو کے گیٹ سے نکل گئے۔

نوجوان ہیرو چوٹوں سے کراہ رہا تھا اور ہیروئین نجمہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نجمہ نے ہی کرایہ کے غنڈوں سے اُس کی پٹائی کرائی ہے۔ ہیروئین نجمہ اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کر رہی تھی اور سٹوڈیو میں لوگ ٹولیوں میں بٹ کر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ہیرو اور شکیل کو سٹوڈیو کے گوشوں میں تلاش کر رہے تھے۔

لیکن شکیل اور ہیرو سٹوڈیو سے دور سڑک کے درمیانی باغیچے میں ہریالی پر لیٹے اپنی چوٹوں کا حساب کر رہے تھے، ہیرو چوٹوں کو بھول کر بڑے فخر سے کہہ رہا تھا۔

”سالا اب دوبارہ ہیروئین سے ملنے کی کوشش نہیں کرے گا۔“

شکیل نے ہیرو کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"بکو مت —— اب تو تمہارے سر سے ہیرو بننے کا بھوت اتر گیا ہو گا اگر دوبارہ سٹوڈیو کا نام لیا تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

چوٹوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا اور جوں جوں درد بڑھتا جا رہا تھا ہیرو کو اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا، ہیرو نے توبہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکیل بھائی —— آئندہ میں ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ دراصل میں ضرورت سے زیادہ غیرت مند ہوں، میں یہ برداشت نہیں کر سکا کہ ہیروئن میری نظروں کے سامنے کسی اور ہیرو سے رومانس کرے، چوٹیں تو لگی ہیں، لیکن وہ بھی زندگی بھر کے لئے رومانس لڑانے سے توبہ کر چکا ہو گا۔"

شکیل نے ڈانٹ پلائی اور پھر ہیرو خاموش بے سدھ ہو کر لیٹا رہا، جب کافی دیر تک ہیرو نے کوئی حرکت نہ کی تو شکیل کو شک گزرا، اس نے ہیرو کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"زندہ ہو یا دلن کے ہاتھوں مار کھا کر چل بسے۔"

ہیرو نے کروٹ بدل کر کہا۔

"چوٹیں تو کچھ زیادہ ہی آئی ہیں۔ لیکن ہیرو مر گیا تو فلمی دنیا کا سہاگ اجڑ جائے گا، مجھے اپنے لئے نہیں فلمی دُنیا کے لئے زندہ رہنا ہے۔"

شکیل باوجود ضبط کے ہنس پڑا، ہیرو نے کراہتے ہوئے کہا۔

"ہماری جان پر بنی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"

شکیل بولا۔

"ابھی تو تم توبہ کر رہے تھے۔ فلمی دنیا پر لعنت بھیج رہے تھے۔ چند لمحوں

بعد پھر تم پر فلمی دنیا کا دورہ پڑا۔

ہیرو سنجیدگی سے بولا۔

"تشکیل بھائی --- میں پیدائشی فن کار ہوں، میں اپنے ضمیر کو کس طرح کچل دوں ---"

"معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہیں مار کھانے کی تمنا ہے، اس مرتبہ تو بچ گئے، لیکن آئندہ میں تمہارا ساتھ نہ دوں گا۔"

شکیل اور رہبر کو کراچی آئے کئی دن گزر گئے تھے، شکیل کی جیب خالی ہوتی جا رہی تھی، شکیل اور رہبر دن بھر کراچی کی سڑکوں پر گھومتے رہتے اور اُن کی نظریں ہر آنے جانے والے کا تعاقب کرتی رہتیں، لیکن نہ تو خلیل ملا اور نہ انہیں کہیں ملازمت ہی مل سکی، ہر جگہ دھکے کھا کھا کر دونوں ہمت ہار بیٹھے تھے۔ اب اُن کے لئے پیٹ کی آگ بجھانا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔

گھومتے پھرتے شکیل اور رہبر ایک ٹینس کلب پہنچے، کئی جوڑے ٹینس کھیل رہے تھے، شکیل کھڑا کھیل دیکھ رہا تھا۔ ایک نوجوان نے شکیل کو کھڑا دیکھ کر پوچھا۔

"اے مسٹر یہاں کیا کر رہے ہو، جاؤ اپنا راستہ لو۔"

شکیل بولا۔

"اپنے ایک دوست کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ بھی ٹینس کا کھلاڑی ہے۔"

نوجوان غصے سے بولا۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

شکیل اور رہبر خاموشی سے کلب سے نکلے ابھی چند قدم ہی آگے بڑھے

تھے کہ ایک کار ان کے قریب سے گزری، ہیرو کی نظر کار پر پڑی تو وہ خوشی سے اُچھل کر بولا۔

"شکیل بھائی —— وہ دیکھو میم صاحب کار سے اُتر رہی ہیں۔"

تہذیب کار سے اُتر کر کار کو لاک کر رہی تھی کہ ہیرو دوڑ کر تہذیب کے قریب پہنچا اور انتہائی مسرت سے بولا۔

"السلام علیکم میم صاحب۔"

تہذیب چونک کر پلٹی اور ہیرو کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر تعجب سے کہنے لگی۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"میں اور میرا دوست ٹھٹرا گ والا کراچی سیر کرنے آئے تھے سوچا آپ سے بھی ملتے چلیں۔"

تہذیب نے حیرانگی سے پوچھا۔

"تمہیں میرا ایڈریس کہاں سے ملا۔"

"ڈھونڈنے والے کو تو خدا بھی مل جاتا ہے، آپ کی تلاش میں ایک ایک کلب، ایک ایک کار، ایک ایک سڑک چھان ماری بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں۔"

تہذیب مسکرا کر بولی۔

تمہارا دوست کہاں ہے۔"

ہیرو خوش ہو کر بولا۔

"وہ دیکھئے سامنے کھڑا ہے"

تہذیب نے فاصلے پر کھڑے تشکیل کو دیکھا اور مسکراتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی اور قریب جاکر بولی۔

"مسٹر تشکیل آپ کو کراچی میں دیکھ کر خوشی ہوئی"

تشکیل ابھی کوئی جواب نہ دینے پایا تھا کہ ہیرو ان دونوں کے قریب پہنچ کر بولا۔

"میم صاحب —— میرا دوست ذرا شرمیلا ہے۔ جیبیں تو آپ کو تلاش کرتے ہوئے خالی ہو گئیں، اب کوئی اچھی سی ملازمت دلوا دیجئے تاکہ کچھ دن کراچی میں عیش کر سکیں، ہمارا تو فاقوں کے مارے بُرا حال ہے"

تشکیل نے ہیرو کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"کیا بک رہے ہو"

"میں بک نہیں رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں، ہیرو کبھی جھوٹ نہیں بولتا، ایسی شرافت کس کام کی، پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہوں لیکن انسان جھوٹ بولے"

تہذیب کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر تشکیل کو مخاطب کر کے بولی۔

"میں ڈیڈی سے کہہ کر آپ کی ملازمت کا بندوبست کرا دوں گی لیکن کچھ دن لگ جائیں گے، اگر آپ ٹینس کے کھلاڑی ہوتے تو آج ہی کام بن جاتا، ہمارے کلب کو ایک اچھے کھلاڑی کی ضرورت ہے"

ہیرو خوشی سے ناچتا ہوا بولا۔

"میم صاحب شاید آپ کو معلوم نہیں۔ میرا دوست ٹینس کا ایسے دن کھلاڑی

ہے، لے۔ون، بڑے بڑے سورما اس کے مقابل کھیلتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اگر اناڑی کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں"۔

تہذیب نے اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن شکیل نے اس سے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا تھا"۔

"میم صاحب ــــ میں نے پہلے ہی کہا تھا نا میرا دوست ذرا شرمیلا ہے"۔

تہذیب شکیل سے مخاطب ہوئی۔

"آپ ٹینس کھیل لیتے ہیں"۔

"یونہی معمولی سا"۔

"تو آئیے آپ کو کلب کے سیکرٹری سے ملاؤں"۔

تہذیب شکیل اور رہبر کو لئے کلب کے سیکرٹری مسٹر جمال کے پاس پہنچی، جمال نے تہذیب کے ساتھ دو اجنبی نوجوانوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"مس تہذیب آپ کی تعریف"۔

تہذیب نے شکیل کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ مسٹر شکیل ہیں، ٹینس کے کھلاڑی، اگر اچھا کھیل سکیں تو انہیں کلب کا ممبر بنا لیجئے"۔

جمال نے شکیل پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"مس تہذیب آپ کہتی ہیں تو ان کا ٹرائل لے لیتے ہیں"۔

پھر شکیل سے مخاطب ہو کر بولا۔

آیئے مسٹر شکیل ہم دونوں کھیلتے"۔

شکیل اور جمال کھیلتے رہے۔ ابتداء میں جمال شکیل پر چھایا رہا، لیکن آہستہ آہستہ شکیل جمال پر پوری طرح چھا گیا اور جمال کی توقع سے بڑھ کر اچھے کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جمال کو ہرا دیا۔ تہذیب بھی شکیل کے کھیل سے متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ ہیرو جمال کے ہارنے اور شکیل کے جیت جانے پر خوشی سے تالیاں بجانے لگا، جمال ہیرو کو تالیاں بجاتے دیکھ کر غصہ سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف"

ہیرو فخر سے سینہ پھلا کر بولا۔

"تعریف اُس خدا کی جس نے مجھے بنایا، ویسے میرا نام ہیرو ہے۔"

جمال نے ہیرو کو ڈانٹ پلا دی۔

"بکو مت۔"

ہیرو دھیرے سے بولا۔

"اس دُنیا میں سچ سننے والے کہاں، اتنا حوصلہ نہیں تھا تو پوچھا ہی کیوں تھا۔"

پھر ہیرو تہذیب سے مخاطب ہو کر بولا۔

"یہاں بھی مجھے دلن والا چکر نظر آتا ہے، یہ تو شکیل کا کھیل دیکھ کر ابھی سے جل اُٹھے۔"

جمال غصہ سے ہیرو کو گھورنے لگا۔ تہذیب شکیل کے کھیل کی تعریف کرتی ہوئی بولی۔

"آج سے آپ صرف ہمارے کلب کے لئے کھیلیں گے۔ ایک ہزار روپے ماہانہ آپ کو معاوضہ دیا جائے گا اور پریکٹس کے لئے آپ کو زیادہ وقت

دینا پڑے گا۔ ہمیں نیشنل چیمپین شپ کے مقابلوں کی تیاری کرنی ہے۔"

تہذیب کچھ سوچ کر بولی۔

"آپ ٹھہرے ہوئے کہاں ہیں"

شکیل سے پہلے ہیرو بول اٹھا۔

"ہوٹل میں"

تہذیب جمال سے مخاطب ہو کر بولی۔

"مسٹر جمال ——— مسٹر شکیل کو ایک ماہ کا معاوضہ ایڈوانس دے دیجئے"

جمال خاموش ہو رہا، تہذیب نے شکیل سے کہا۔

"اب تو روز ملاقات ہو گی"

ہیرو بیچ میں بول پڑا۔

"آپ روز کی بات کر رہی ہیں، اگر آپ چاہیں تو ہم صبح، دوپہر اور شام آپ سے ملاقات کرنے آپ کی کوٹھی پر آجایا کریں گے، اور اگر آپ زیادہ ہی اصرار کریں گی ہم آپ کے مہمان بننے پہ غور کریں گے"

تہذیب خوش ہو کر بولی۔

"یہ تو میری خوش قسمتی ہو گی، میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔ مگر اس لئے خاموش رہی کہ شکیل میری بات کا برا نہ مان جائیں"

شکیل خاموش کھڑا تھا، شکیل کو خاموش دیکھ کر ہیرو بولا۔

"ارے یہ آپ جیسی مہربان، قدر دان، میزبان کی بات کو کیونکر ٹھکرا سکتا ہے، میں اسے ایسی بدتمیزی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا"

تہذیب ہیرو کی بے تکلفی پر مسکراتی ہوئی بولی۔

"ہیرو تم بڑے دلچسپ ہو۔"

"آپ کی عزت افزائی کا شکریہ، ورنہ بندہ کس قابل ہے۔"

جمال غصہ سے شکیل اور تہذیب کو دیکھتا رہا، پھر اس نے چیک کاٹ کر شکیل کو دیتے ہوئے کہا۔

"مسٹر شکیل مس تہذیب نے آپ کی سفارش کی ہے، ان کی خاطر ہمیں سب کچھ منظور ہے۔"

شکیل نے جمال سے چیک لے کر اُس شکریہ ادا کیا، تہذیب شکیل اور ہیرو کو لئے کار کی طرف بڑھی، ہیرو نے کار کی طرف بڑھتے ہوئے پیچھے مڑ کر تضحیک آمیز انداز میں جمال کو سلام کیا اور جمال کے تاثرات دیکھے بغیر کار میں جا بیٹھا۔

تہذیب اور شکیل کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے، ہیرو پیچھے بیٹھا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ پردیس میں بھوکے مرنے سے بچ گئے نوکری بھی مل گئی اور لونڈیا بھی۔

مگر وہ یہ سوچ کر اداس ہو گیا کہ تہذیب شکیل میں دلچسپی لے رہی ہے، اس کا کیا بنے گا۔ ہیروئن نجمہ کا خیال آتے ہی اُس کے جوڑ جوڑ میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں اور اس نے کان پکڑتے ہوئے دل ہی دل میں توبہ کی۔

کار تہذیب کی کوٹھی میں داخل ہوئی اور کوٹھی سے ملحقہ گیسٹ ہاؤس کے سامنے جا کر رُک گئی، تہذیب کی طرح اس کی کوٹھی بھی بڑی حسین تھی۔ تہذیب نے

شکیل اور ہیرو کے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا. انتظامات سے مطمئن ہو کر وہ اپنی کوٹھی کی طرف چل پڑی.

رات کچھ گرم تھی، ہیرو اور شکیل ایک ہی بیڈ روم میں لیٹے تھے. بیڈ روم میں مدھم مدھم روشنی جل رہی تھی، ہیرو کو یہ روشنی کچھ عجیب سی لگی. اُسے اس روشنی میں نیند نہیں آ رہی تھی، ہیرو نے روشنی گل کر دی. لیکن اندھیرے میں جب کچھ دکھائی نہ دیا تو ہیرو چلّانے لگا.

"شکیل بھائی تم کہاں ہو، اندھیرے میں مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا."

شکیل خاموش رہا، ہیرو نے دوبارہ روشنی کر دی، اور پھر بستر پر لیٹ گیا، ایر کنڈیشن نے کمرے میں ہلکی ہلکی خنکی بکھیر دی تھی، ہیرو پریشان تھا کہ یہ عجیب چکر ہے، کمرے میں سردی کمرے سے باہر گرمی، شکیل نے ہیرو کی پریشانی کا سبب جان کر ایر کنڈیشن بند کر دیا، ہیرو نے اٹھ کر کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں، پنکھے کھول کر دوبارہ بستر پر لیٹ گیا، نرم و گداز بستر اُسے چبھتا ہوا محسوس ہوا، ہیرو دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہا پھر پلنگ سے اُچھل کر قالین پر آ گرا، قالین کو لپیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا. بستر سے چادر کھینچ کر فرش پر بچھائی اور فرش پر لیٹتے ہی سکون سے سو گیا، شکیل اپنے بستر پر لیٹا ہیرو کی حرکتیں دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا.

تھوڑی ہی دیر بعد ہیرو انتہائی گہری نیند سو رہا تھا. اس کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے. ہیرو کو سوتا دیکھ کر شکیل کی آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہونے لگیں

خلیل اور روشی نیشنل چیمپئن شپ کے مقابلے کی زور شور سے تیاریاں کر رہے تھے۔ ان دونوں کی کوشش یہی تھی کہ اس سال بھی وہ ٹینس کے قومی مقابلے جیت کر اپنا اعزاز برقرار رکھیں خلیل اور روشی جس کلب کے لئے کھیلتے تھے ان کی کلب پچھلے سیزن میں ٹینس کے قومی مقابلے جیت کر پاکستان بھر میں نمایاں مقام حاصل کر چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ روشی اور خلیل اپنے کلب کا اعزاز برقرار رکھنے کے لئے بڑی جانفشانی سے محنت کر رہے تھے۔

کلب کے دیگر ممبروں کے علاوہ ٹینس کے شائقین کا بھی یہی خیال تھا کہ خلیل اور روشی کا کھیل دن بدن جارحانہ ہوتا جا رہا ہے اور ان کے مقابلے میں کسی کھلاڑی کا جمنا مشکل ہے۔

روشی کے ڈیڈی امجد حسین بھی قومی مقابلوں کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ ٹینس کے قومی مقابلوں کے فوراً بعد وہ روشی اور خلیل کو ازدواجی بندھنوں میں جکڑ دیں گے، اس کا اظہار انہوں نے روشی سے بھی کر دیا تھا۔

روشی کو توقع تھی کہ وہ قومی مقابلے جیت لے گی اور اُس کی یہ کامیابی

ازدواجی زندگی کی مسرتوں کو دو آتشہ بنا دے گی۔

روشنی اور خلیل کھیل رہے تھے اور امجد حسین بڑی دلچسپی سے ان کا کھیل دیکھنے میں منہمک تھے۔ جب روشنی اور خلیل کھیلنے کے بعد تھک کر اپنی اپنی کرسیوں پر سستانے لگے تو امجد حسین نے ان کے کھیل کی تعریف کی اور پھر خلیل سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"خلیل بیٹے میں چاہتا ہوں کہ قومی مقابلوں سے قبل تمہارے ڈیڈی اور دادا جان سے مل کر تم دونوں کی بات پکی کر لوں، تاکہ قومی مقابلے ختم ہوتے ہی روشنی کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں مقابلوں تک جو وقت ملے گا اس میں شادی کی تیاریاں بھی ہمیں کرنی پڑیں گی، تم تو جانتے ہو کہ شادی بیاہ بچوں کا مذاق نہیں اور پھر لڑکی والوں کے لئے تو یہ بڑی کٹھن منزل ہوتی ہے۔

خلیل نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔

"انکل بزرگوں کی باتیں بزرگ ہی جانیں، میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم دیجئے"۔

"بس تمہاری ڈیوٹی یہی ہے کہ تم اپنے ڈیڈی سے پوچھ کر بتا دو کہ میری ان کی ملاقات کب ہو سکتی ہے"۔

خلیل نے اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"انکل آپ کا اپنا گھر ہے، آپ جس وقت چاہیں تشریف لا سکتے ہیں، ڈیڈی اور دادا جان آپ سے مل کر بے حد خوش ہوں گے"۔

"بھئی بغیر اطلاع میں کسی کے گھر جانا پسند نہیں کرتا، بہتر یہی ہے کہ تم اپنے

ڈیڈی سے ملاقات کا دن اور وقت مقرر کر کے مجھے یا روشنی کو اطلاع دیدو۔"
خلیل نے کہا۔
"بہت بہتر۔"
روشنی اور خلیل تھوڑی دیر ستانے کے بعد دوبارہ پریکٹس کرنے اُٹھ کھڑے ہوئے، کورٹ کی طرف بڑھتے ہوئے خلیل بولا۔
"روشنی ڈیئر —— اب تو مقابلہ جیتنا بہت ضروری ہو گیا ہے قومی مقابلوں کے بعد ہماری زندگی کا نیا باب شروع ہونے والا ہے، ہماری کامیابی ازدواجی زندگی کے لئے نیک شگون ثابت ہوگی۔"
روشنی مسکراتی ہوئی بولی۔
"اور اگر ہم ہار گئے تو۔۔۔۔"
خلیل بات کاٹتا ہوا بولا۔
"یہ بدشگونی ہوگی۔"
خلیل اور روشنی کھیل میں مصروف ہو گئے اور امجد حسین گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے روشنی خلیل کے مستقبل پر غور کرتے رہے۔

تہذیب کی کوٹھی کے خوب صورت لان میں تہذیب تشکیل اور تہذیب کے والد سیٹھ رؤف بیٹھے چائے پی رہے تھے، تہذیب چائے کا کپ سیٹھ رؤف کی طرف بڑھاتے ہوئے انتہائی خوشی سے بولی۔

"ڈیڈی آج تو تشکیل نے کمال کر دیا، مسٹر جمال اور مجھ سے اوپر تلے کئی گیم جیت گئے، ڈیڈی تشکیل کے سٹروک میں اتنی جان ہے کہ مدِ مقابل کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں، مسٹر تشکیل کے آجانے سے ہمارے کلب کی قسمت ہی بدل جائے گی۔"

سیٹھ رؤف اپنی لاڈلی کی بات بڑی توجہ سے سن رہے تھے تہذیب چائے کا گھونٹ بھرنے کے لئے ایک لمحہ کے لئے رُکی تو سیٹھ رؤف نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بھئی مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا، گذشتہ سال بھی تم نے مسٹر جمال کے متعلق کچھ ایسا ہی خیال ظاہر کیا تھا، نتیجہ جب سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ تم اور جمال سیمی فائنل ہی میں پٹ گئے۔"

تہذیب نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی گزری باتوں کو بھول جائیے، شکست کھا کر ہی انسان فتح یاب ہوتا ہے۔ جو ناکام نہ ہو وہ کامیابی کی قدر نہیں جانتا۔"

"تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں۔ لیکن تمہارے چیمپئن شپ جیتنے کے متعلق ہم زیادہ خوش فہمی میں مبتلا رہنا نہیں چاہتے۔"

تہذیب پرجوش انداز میں بولی۔

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔"

شکیل نے سیٹھ رؤف کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"مس تہذیب —— ضرورت سے زیادہ اعتماد بھی بعض اوقات انسان کی کامیابی کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ ویسے آپ بہت اچھا کھیلتی ہیں، لیکن آپ کے مدِ مقابل کون ہوگا کچھ نہیں کہا جا سکتا، اور پھر دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھیے۔"

تہذیب کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ ہمارا ٹکراؤ کس سے ہوگا، لیکن دل کہتا ہے کہ انتہائی سخت مقابلے کے باوجود فتح ہماری ہوگی۔"

سیٹھ رؤف تہذیب کی بات سن کر ہنس پڑے۔

"یہی تو آج کل کے نوجوان لڑکے لڑکیوں کی کمزوری ہے کہ وہ دماغ کی بجائے دل کے پیچھے بھاگتے ہیں، اور جب ٹھوکر کھا کر گرتے ہیں تو پھر دماغ سے مشورہ کرتے ہیں۔"

شکیل سیٹھ رؤف سے معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"ان نوجوانوں میں میرا شمار نہ کیجیے، میں دل کے معاملے میں اتنا کمزور

نہیں جتنی مس تہذیب ہیں۔ میرا دماغ ہی میرا رہنما ہوتا ہے، اور میں اُسی کی ہدایات پر عمل کرتا ہوں؛

"خوب بہت خوب ——— ہمیں ایسے نوجوانوں سے مل کر بے حد خوشی ہوتی ہے جو دل کی بجائے دماغ سے کام لیتے ہیں:"

ہیرو ان لوگوں کے قریب پہنچ کر بولا۔

"سیٹھ صاحب جس کے پاس نہ دل ہو اور نہ دماغ وہ کس سے مشورہ لے ———"

سیٹھ رؤف نے فلک شگاف قہقہہ لگا کر کہا۔

"لو سن لو میاں اپنے دوست کی بات، ان کی باتیں بڑی ہی دلچسپ ہوتی ہیں، ویسے یہ بھی دلچسپ آدمی ہیں۔ کل یہ اپنی بہادری کے کارنامے سنا رہے تھے اور میں حیران تھا کہ اتنا بہادر آدمی تو میں نے اپنی عمر میں نہیں دیکھا ہاں داستانوں میں پڑھا ضرور ہے۔ لیکن مجھے ان داستانوں پر یقین نہیں۔ ہیرو چونک کر بولا۔

"اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کو میری باتوں پر بھی یقین نہیں:"

سیٹھ رؤف نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا

"یہ میں نے کب کہا، میں تو ان داستانوں کی بات کر رہا تھا جس میں ایک آدمی سو آدمیوں پر بھاری دکھایا جاتا ہے:"

ہیرو اطمینان کا سانس لے کر بولا۔

"شکر ہے آپ کو میری بات پر یقین تو آیا، ویسے آپ میری بہادری"

کی تصدیق شکیل بھائی سے بھی کرا سکتے ہیں۔"

"بھئی تصدیق کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب مجھے تمہاری بات کا یقین نہ ہو۔"

شکیل نے کہا۔

"سیٹھ صاحب، ہیرو کی بہادری کی داستانیں اندرونِ ملک کے علاوہ بیرونِ ملک بھی مشہور ہیں۔ پاکستان کے کئی فلمسازوں نے انہیں ملک کے جنگجو ہیرو کے طور پر پیش کرنے کے لئے بڑی بڑی آفریں دیں۔ ہالی وڈ والے بے چارے ہفتوں ان کی منت سماجت کرتے رہے لیکن ہیرو نے بڑی سے بڑی آفر کو ٹھکرا دیا، اس کا کہنا ہے کہ ہمارے معاشرے میں فلمی فن کاروں کی کوئی عزت نہیں۔ چوروں، اسمگلروں، بلیک مارکیٹروں، منافع خوروں کو اس ملک میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان کی آؤ بھگت کی جاتی ہے لیکن فلمی فنکاروں کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔"

سیٹھ رؤف نے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی شکیل میاں ہیرو ٹھیک ہی کہتے ہیں، ہمارے ملک میں فن کار کا وہ مقام نہیں جو باہر ہے، ویسے انہیں چاہیئے تھا کہ ہالی وڈ کی آفر پر غور کرتے، میرے خیال میں ہیرو نے ہالی وڈ کی آفر کو ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا۔ صاحبزادے یہ معاشرہ تو دولت کا پرستار ہے، جس کے پاس دولت ہوتی ہے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ اُسے شہرت کے آسمان پر بٹھاتے ہیں خواہ وہ اس عزت و وقار کا حق دار ہو یا نہ ہو، ان لوگوں کے جانچنے کا پیمانہ صرف دولت ہے۔ ہیرو

کے پاس بھی دولت ہوتی تو لوگ خود بخود عزت کرنے پر مجبور ہو جاتے۔"
ہیرو نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔
"سیٹھ صاحب چاہتا تو میں بہت کچھ ہوں، لیکن دلن سے ڈر لگتا ہے۔"
سیٹھ رؤف نے حیرت سے پوچھا۔
"بھئی یہ دلن کون ہے۔"
شکیل نے ہیرو کی بات کو سنبھالا دیتے ہوئے کہا۔
"دراصل ہیرو معاشرے کو ہمیشہ دلن کے نام سے یاد کرتے ہیں فلمی زبان میں گفتگو کرنا ان کا محاورہ ہو گیا ہے۔"
سیٹھ ہنسنے لگے۔
"نام ہیرو — زبان فلمی — انداز فنکارانہ، خوب، بہت خوب، بھئی ہیرو کی موجودگی سے ہمیں بڑا فائدہ پہنچے گا ہم تو ان کی باغ و بہار شخصیت کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔"

راشدہ شکیل کے جانے کے بعد سے اداس ہو گئی تھی، اُسے ہر وقت شکیل کا خیال ستاتا رہتا تھا، لیکن وہ اس کا اظہار کر کے شریف کے دکھوں میں اضافہ کرنے کے حق میں نہیں تھی، وہ شریف کو مزید پریشانیوں میں مبتلا کرنے کی خواہاں نہ تھی۔

لیکن شریف جانتا تھا کہ راشدہ شکیل کی وجہ سے ہر وقت پریشان سی رہتی ہے۔ خلیل کے بعد شکیل کی جدائی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

ممتا کی ماری راشدہ نہ تو خلیل کے لئے رو سکتی تھی اور نہ شکیل کے لئے، راشدہ کو اداس دیکھ کر اکثر اس کا دل بھی بھر آتا، شریف راشدہ کو سمجھاتے ہوئے کہتا۔

"بیگم خلیل کی طرح شکیل کو بھی بھول جاؤ، دل چھوٹا نہ کرو، اولاد کا سہارا ڈھونڈنے والے والدین ہمیشہ دنیا والوں کی ٹھوکروں میں ہوتے ہیں۔ میں کل سے کوئی دھندا شروع کر دوں گا تمہارا لاڈلا تو بڑا آدمی بننے کے چکر میں تمہیں بھی بھول بیٹھا ہے۔"

دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سن کر راشدہ نڈھال قدم اٹھاتی دروازے

کی طرف بڑھی، ڈاکیہ کو دروازہ پر کھڑا دیکھ کر اُس کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے، راشدہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چاچا کیا شکیل کا خط لائے ہو۔"

ڈاکیئے نے گردن ہلا کر نفی میں جواب دیا اور راشدہ کے چہرے پر آئی ہوئی مسکراہٹ پھر غم کی کیفیت میں بدل گئی، ڈاکیئے نے راشدہ کو اداس ہوتے دیکھ کر کہا۔

"بیٹی شکیل نے روپے بھیجے ہیں۔ ڈھیر سارے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کراچی جا کر بہت بڑا افسر لگ گیا ہے۔"

راشدہ کی آنکھوں میں مسرت سے آنسو اُمڈ آئے، ڈاکیئے نے راشدہ کے ہاتھ میں نوٹ تھما دیئے، راشدہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور وہ حیران نظروں سے نوٹوں کو دیکھنے لگی، ڈاکیہ بولا۔

"گن لو پورے ہزار ہیں۔"

راشدہ نوٹ گن کر ڈاکیہ کا شکریہ ادا کر کے اندر بھاگی، راشدہ کو نو عمر لڑکیوں کی طرح دوڑتے دیکھ کر شریف بولا۔

"خیر ہے بیگم تم تو ایسی خوش دکھائی دے رہی ہو جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ آ گیا — کون آیا تھا"

راشدہ نوٹ شریف کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"چاچا رمضان آیا تھا، شکیل نے ایک ہزار روپے بھیجے ہیں معلوم ہوتا ہے اُسے اچھی ملازمت مل گئی ہے۔"

شریف نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے خواہ مخواہ تمہارے بیٹے کو برا بھلا کہا تھا، واقعی شریف کا بیٹا شریف ہی نکلا۔"

سکندر آ کر مبارک باد دینے لگا۔

"شریف بھائی مبارک ہو، چاچا رمضان بتا رہا تھا کہ شکیل نے کراچی سے ایک ہزار روپے بھیجے ہیں"۔

شریف نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں بھائی شکیل نے جو کچھ کہا تھا وہ کر کے دکھایا، نجانے بے چارے کو اس کے لئے کتنی مصیبتیں اٹھانی پڑیں"۔

سکندر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب جلدی سے اس کی شادی بیاہ کی فکر کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ دولت آتے ہی اُسے بھی زمانے کی ہوا لگ جائے، اگر ایسا ہوا تو راشدہ بھابی یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گی"۔

راشدہ اعتماد سے بولی۔

"سکندر بھائی شکیل نے میرا دودھ پیا ہے، میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں، البتہ آپ ہیرو کی فکر کریں کہیں وہ کسی ہیروئین کے چکر میں نہ پھنس جائے"۔

سکندر فکریہ لہجے میں بولا۔

"بھابی تم ٹھیک کہتی ہو، ماں کا دودھ تو اُسے نصیب نہ ہو سکا، ہیرو نے جس کا دودھ پیا تھا وہ بھی کسی زمانے میں تھیٹر میں کام کرتی تھی، شاید یہ

دودھ کی ہی تاثیر ہے کہ وہ خود کو ہیرو سمجھنے لگا۔"

راشدہ نے سکندر کو اداس دیکھ کر کہا۔

"سکندر بھائی میں تو مذاق کر رہی تھی آپ کو میری باتوں سے تکلیف پہنچی ہو تو مجھے معاف کر دیجئے۔"

"نہیں بھابی آپ نے ایسی کون سی بات کہی ہے، حقیقت حقیقت ہی ہوتی ہے۔"

راشدہ نے سکندر کا خیال ہٹانے کے لئے کہا۔

"بھیّا ذرا صبح شکیل کے بابا کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلے جانا خدا نے دیا ہے تو علاج تو ڈھنگ کا ہو۔"

شریف بولا۔

"راشدہ میرا تو خیال ہے کہ شکیل کے بھیجے ہوئے روپے تم سنبھال کر رکھ چھوڑو، اس کی شادی پر کام آئیں گے۔"

راشدہ جلدی سے بول اٹھی۔

"پہلے آپ تندرست ہو جایئے۔ پھر شادی کی سوچیں گے اب تو شکیل روپے بھیجتا ہی رہے گا، ہزار روپے میں شادی تھوڑی ہوتی ہے۔"

"شادی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں امجد صاحب، دو زندگیوں کا سوال دو خاندانوں کے وقار کا مسئلہ ہے۔ میں اس سلسلے میں خلیل کے والدین سے مشورہ کئے بغیر آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"

امجد حسین نے سیٹھ اسماعیل کو شیشے میں اتارتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب — آج کل زمانہ ہی کچھ ایسا آگیا ہے کہ والدین کو بچوں کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے، خلیل اور روشنی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

سیٹھ اسمٰعیل کو امجد حسین کی بات ناگوار گزری انہوں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"امجد صاحب — زمانے کو دوش دینے کی بجائے ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیئے، والدین اپنی اولاد کو اتنی ڈھیل دے دیتے ہیں کہ صاحبزادے اپنی گرل فرینڈ کا اپنے باپ بلکہ باپ کے باپ سے تعارف کراتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے، اور ہم لوگ ان کی بے راہ روی پر ڈانٹنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ان کی پسند کہہ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جس سے اُن کے حوصلے اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ بزرگوں کی عزت و احترام اُن کے لئے

فرسودہ سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر خلیل آپ کی صاحبزادی کو پسند کرتا ہے تو یہ اُس کی جوانی کی بھول اور آپ کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے"۔

امجد حسین نے بات بگڑتی دیکھ کر کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سیٹھ صاحب"۔

میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں ——— ایسی شادیاں جو جذبات کے دھارے میں بہہ کر کی جاتی ہیں، اس وقت تک ہی کامیاب رہتی ہیں جب تک جذبات کا الاؤ ان کے سینے میں دہکتا رہتا ہے۔ جب یہ آگ سرد پڑ جاتی ہے تو پھر ازدواجی زندگی کا شیرازہ بھی بکھر جاتا ہے۔ پھر اپنی ہی پسند میں کیڑے نکالے جاتے ہیں۔ امجد صاحب لڑکی آپ کی ہو یا میری، ہم سب کا فرض ہے کہ اسے تعلیم دلائیں۔ اس کی ناز برداری کریں۔ لیکن جہاں تک آزادانہ میل ملاپ کا سوال ہے میں اس سلسلہ میں بڑا دقیانوسی ہوں، لڑکیوں کا اس طرح میل ملاپ ہمیشہ تباہ کن ثابت ہوا ہے، مغربی تہذیب کی یہ وہ برائی ہے جس پر آج مغرب ہی میں لے دے ہو رہی ہے لیکن ہم اس بُرائی کو سینے سے لگا کر فخر محسوس کر رہے ہیں، یہ آزادی نہیں اولاد کی بربادی کے سامان ہیں جس کی ذمہ داری لڑکیوں سے زیادہ ان کے والدین پر عائد ہوتی ہے"۔

امجد حسین سیٹھ اسمٰعیل سے شادی کی بات کر کے پچھتا رہے تھے وہ چاہتے تھے کہ تمام تہذیب و آداب کو روند کر بغیر اجازت سیٹھ اسمٰعیل کے ڈرائنگ روم سے دوڑ لگا دیں، سیٹھ اسمٰعیل نے جس انداز سے ان پر تنقید کی تھی، اُن کی شرافت کی دھجیاں اڑائی تھیں ان کا بس چلتا تو وہ سیٹھ اسمٰعیل

کا منہ نوچ لیتے، لیکن وہ بے بس تھے اور راہ فرار ڈھونڈ رہے تھے، سیٹھ اسمٰعیل کو خاموش پا کر انہیں کچھ حوصلہ ہوا اور اٹھتے ہوئے بولے۔

"اچھا سیٹھ صاحب اجازت دیجیے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے سرد مہری سے انہیں خدا حافظ کہا اور امجد حسین برق رفتاری سے ڈرائنگ روم سے نکل گئے، امجد حسین کے جانے کے بعد سیٹھ اسمٰعیل گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، تحسین کو آتا دیکھ کر ان کی سوچ کے دھارے بدل گئے اور تحسین سے کہنے لگے۔

"تحسین ابھی ابھی امجد حسین آئے تھے۔"

"کون امجد حسین"

تحسین نے حیرانگی سے پوچھا۔ سیٹھ اسمٰعیل بولے۔

"میں بھی انہیں نہیں جانتا ــــــ وہ بتا رہے تھے کہ کسی بڑے عہدے سے حال ہی میں ریٹائر کر دیئے گئے ہیں، اس عہدے کی برکت سے ان کے پاس سب کچھ ہے۔ وہ اپنی صاحبزادی روشنی کا خلیل سے رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں، فرماتے تھے کہ خلیل اور روشنی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

سیٹھ اسمٰعیل اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تحسین نے آہستہ سے کہا۔

"پھر آپ نے کیا جواب دیا۔"

"میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ میں خلیل کے والدین سے مشورہ کر کے اطلاع دوں گا۔"

"اباجان، میری رائے آپ سے مختلف نہیں ہو سکتی، آپ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کر دیں"۔

سیٹھ اسمٰعیل نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"سچ پوچھو تو میں ایسی شادیوں کے خلاف ہوں، جس میں بزرگوں کو نظر انداز کر کے لڑکے لڑکی اپنی مرضی پر چلنے کی کوشش کریں، ویسے تم بہو بیگم سے پوچھ لو۔ یقیناً وہ خلیل کی طرف داری کریں گی۔ اگر میں کوئی فیصلہ کر بیٹھتا تو انہیں میرے فیصلے سے تکلیف ہوتی"۔

سیٹھ اسمٰعیل اور تحسین کی باتوں کی آواز سن کر یاسمین بھی ڈرائنگ روم میں آگئی، دونوں کو خاموش پا کر بولی۔

"اباجان —— کیا کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے"۔

سیٹھ اسمٰعیل نے تحسین کی طرف دیکھا اور تحسین بول اٹھا۔

"روشی کے والد خلیل اور روشی کا رشتہ طے کرنے آئے تھے"۔

یاسمین جلدی سے بولی۔

"پھر اباجان نے کیا جواب دیا"۔

"اباجان تمہاری رائے لینا چاہتے تھے"۔

یاسمین خوش ہوتی ہوئی بولی۔

"ہاں کر دیا ہوں، روشی اور خلیل کی کتنی اچھی جوڑی ہے"۔

روشی خلیل کے ساتھ پڑھتی ہے، پچھلے سال ٹینس کے قومی مقابلوں میں روشی خلیل کی پارٹنر تھی اور ان دونوں نے ٹینس کے قومی مقابلے جیت کر

بڑا نام پیدا کیا ہے خلیل نے کئی مرتبہ مجھ سے روشنی کا ذکر کیا تھا، میں خود اس کا ذکر چھیڑنا چاہتی تھی۔

تحسین روشنی پڑھی لکھی ہے۔

خوب صورت ہے اور اس کے والد کی بے پناہ جائیداد ہے جس کی وہ تنہا مالک ہو گی، زندگی انہیں گزارنی ہے ہمیں ان کی خوشیوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔"

یاسمین کی باتیں سن کر سیٹھ اسمٰعیل کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"بہو بیگم نے فیصلہ کر دیا ہے تحسین تم امجد صاحب سے بات کر لینا۔"

یاسمین انتہائی خوشگوار موڈ میں ڈرائنگ روم سے نکلی، تحسین سیٹھ اسمٰعیل کے دکھ پر تڑپ اٹھا۔

شکیل اور تہذیب کھیل رہے تھے، جمال بیٹھا دونوں کو کھیلتے دیکھ کر خون کے گھونٹ پی رہا تھا اور رہبر خوشی سے تالیاں بجا رہا تھا، کھیل کے خاتمے پر تہذیب نے شکیل سے کہا۔

"مسٹر شکیل میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نیشنل چمپئین شپ کے مقابلوں میں آپ میرے پارٹنر ہوں گے۔"

شکیل جمال کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اس اعزاز کے مستحق تو مسٹر جمال ہیں۔"

تہذیب شکیل کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"میں فیصلے بدلا نہیں کرتی۔"

جمال غصّے سے اٹھتا ہوا بولا۔

"مس تہذیب آپ میری توہین کر رہی ہیں، آپ کو اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا۔"

"تاکہ اس سال بھی میں سیمی فائنل میں پہنچ کر ناکامی کا منہ دیکھوں۔"

جمال شکیل کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"گذشتہ سال کی بات کچھ اور تھی اس سال کامیابی ہمارے قدم چومے

گی۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کلب کا ایک نیا ممبر مجھ پر سبقت لے جائے"

"مسٹر جمال۔ شکیل نے صحیح کہا ہے۔ میں کلب کے تمام ممبروں کی رائے یہی ہے کہ اس سال وہ کلب کی نمائندگی کریں"

جمال نے تہذیب پر چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"شکیل میں آپ کی بڑھتی ہوئی دلچسپی میری نظروں سے پوشیدہ نہیں، اور آپ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ فیصلہ کر رہی ہیں"

تہذیب چیخ اٹھی۔

"مسٹر جمال —— آپ کو میری ذات پر حملہ کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیئے تھا۔ شکیل کے ہاتھوں پے در پے شکستوں نے آپ کو بوکھلا دیا ہے"

"کل کا یہ لونڈا مجھے کیا شکست دے گا"

شکیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"مس تہذیب آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کیجئے۔ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ اس اعزاز کے مستحق مسٹر جمال ہیں"

تہذیب چیخ کر بولی۔

"مسٹر شکیل یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، مسٹر جمال کو کلب کے ممبروں کی رائے کا پابند ہونا پڑے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو ممبر شپ سے استعفا دے سکتے ہیں"

جمال غصہ سے بولا۔

"مس تہذیب میں راستے کی رکاوٹیں دور کرنی جانتا ہوں۔ مجھے معلوم

ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ کیوں کیا ہے۔ شکیل آپ کے گھر کیوں رہتا ہے؟"

تہذیب کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور وہ انتہائی غصے سے بولی ۔۔۔

"مسٹر جمال کان کھول کر سن لو۔ شکیل قومی مقابلوں میں میرے پارٹنر ہوں گے اس فیصلے کو آپ کی دھمکیاں بدل نہیں سکتیں"

جمال جاتے ہوئے بولا ۔

"مس تہذیب مجھے آپ کا چیلنج منظور ہے ۔ میں دکھا دوں گا کہ اگر میں قومی مقابلوں میں شریک نہ ہو سکا تو شکیل بھی نہیں کھیل سکے گا ، یہ محض دھمکی نہیں حقیقت بیان کر رہا ہوں"

جمال راکٹ سنبھالے کار کی طرف بڑھا ، ہیرو مکہ تانتے ہوئے بولا ۔

"شکیل بھائی تم بے فکر رہو ، یہ کیا غنڈہ گردی کرے گا ، ہم نے تو بڑے بڑے دلن کے کس بل نکال دیئے ہیں"

شکیل سوچتا ہوا بولا ۔

"مس تہذیب میری وجہ سے خواہ مخواہ آپ مصیبت میں پھنس گئیں ۔ کہیں جمال آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے"

"میں تو آپ کے متعلق سوچ رہی تھی ۔ وہ ضرور آپ سے اُلجھے گا"

شکیل اطمینان بھرے لہجے میں بولا ۔

"مجھ سے اُلجھ پڑے تو کوئی بات نہیں ، لیکن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے"

تہذیب شکیل کی آنکھوں میں اپنے لئے ہمدردی کے جذبات دیکھ

کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"آپ کو میری اتنی فکر کیوں ہے"

"آپ کے احسانات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے، آپ نہ ملتیں تو بھٹکتا پھرتا"

"منزل پر پہنچ کر ہمیں بھی یاد رکھئے" تہذیب مسکرا کر بولی تشکیل بھی مسکرا دیا۔

شکیل اپنے کمرے میں بیٹھا خط لکھ رہا تھا اور ہیرو شیشے کے سامنے کھڑا بار بار ماتھے پر بال جمائے گنگنا رہا تھا۔ شکیل خط لکھ کر ہیرو کو دیتا ہوا بولا۔

"ہیرو اسے پوسٹ کر دو۔"

ہیرو خط تھام کر ابھی دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جمال کو کھڑکی کے راستے داخل ہوتا دیکھ کر چلایا۔

"شکیل بھائی ـــــ مسٹر جمال سے ملیے جو کھڑکی کے راستے تشریف لا رہے ہیں۔"

شکیل پلٹ کر جمال کو دیکھنے لگا جو اب کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی تکلیف فرمائی، بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

جمال شکیل کو گھورتا ہوا بولا۔

"خدمت تو میں کرنے آیا ہوں۔ اگر کراچی میں رہنا چاہتے ہو اور تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

شکیل جمال کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولا۔

"بس اتنی سی بات کے لئے آپ نے تکلیف فرمائی لیجئے ہم ہٹ جاتے ہیں"
جمال جھنجلا کر بولا۔
"تم یا تو کراچی سے چلے جاؤ یا پھر مس تہذیب سے صاف انکار کر دو کہ میں قومی مقابلوں میں شریک ہونا نہیں چاہتا ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔"
شکیل بات کاٹ کر بولا۔
"ورنہ کیا۔"
جمال حقارت سے بولا۔
"ورنہ تم ان مقابلوں میں شرکت کے قابل نہ رہو گے"
شکیل نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے کہا۔
"خوب ـــــ پہلے شاید میں آپ کی خواہش کا احترام کرتا۔ لیکن آپ کی دھمکی کے بعد شاید ایسا نہ کر سکوں"
جمال گرجتا ہوا بولا۔
"انجام سوچ لو۔ میں کسی پر زیادتی کرنا نہیں چاہتا، لیکن تم نے میرا سکون چھین لیا ہے۔ میرے اور تہذیب کے درمیان دیوار بن گئے ہو اور اب میرا اعزاز بھی چھیننا چاہتے ہو، میں تمہیں ایسا ہرگز نہ کرنے دوں گا، میرا نام جمال ہے۔ بس اپنی راہ کی رکاوٹیں دور کرنا خوب جانتا ہوں"
شکیل اطمینان سے کھڑا مسکراتا رہا۔ ہیرو کو جمال کی طرف بڑھتا دیکھ کر شکیل چلایا۔
"خبردار ہیرو ـــــ کھڑکی کے راستے سے آئے ہوئے مہمان کے ساتھ

کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔"

ہیرو مسکراتا ہوا بولا۔

"اگر آپ حکم دیں تو انہیں کھڑکی کے راستے ہی پوسٹ کر دوں۔"

جمال نے ہیرو کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف انسان تو میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

ہیرو گریبان چھڑاتا ہوا غصہ سے چلایا۔

"بھیا—— آرڈر دو، سٹارٹ اور اُس وقت تک کٹ نہ کہنا جب تک میں ولن کے بچے کو دن میں تارے نہ دکھا دوں، یہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی ہیرو سے واسطہ پڑا تھا۔"

ہیرو کی باتوں نے جمال کے غصے پر تیل کا کام کیا اور اُس نے ہیرو کے ایک گھونسہ جڑ دیا۔ ہیرو لڑکھڑا کر گرا۔ ابھی جمال اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا کہ شکیل کے گھونسوں نے جمال کو بوکھلا دیا۔ جمال اور شکیل بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے، ہیرو کھڑا اپنے جبڑے کو سہلا رہا تھا، جمال شکیل کے ہاتھوں بری طرح پٹ رہا تھا، شکیل کے آخری گھونسے نے تو جمال کو لڑکھڑا دیا اور جمال دروازے کی طرف بھاگا، ہیرو چلایا۔

"مسٹر جمال آپ غلط جگہ آ گئے تھے، ہم مہمان کی خاطر کرنا خوب جانتے ہیں——"

جمال بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ شکیل کے ہاتھ اور سر پر چوٹیں آئی تھیں چوٹوں سے خون رس رہا تھا۔

تہذیب نے جمال کو بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ گھبرائی ہوئی شکیل کے کمرے کی طرف دوڑی۔ کمرے میں پہنچ کر پہلی ہی نظر میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ شکیل اور جمال میں جھڑپ ہوئی ہے۔ کمرے کا سامان بکھرا پڑا تھا اور شکیل کے زخموں سے خون بہہ کر اُس کے کپڑوں کو رنگین بنا رہا تھا۔

تہذیب شکیل کے زخموں سے خون رستا دیکھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی اور دوسرے ہی لمحے فسٹ ایڈ بکس لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ شکیل کے زخم صاف کر کے پٹی باندھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"یہ زخم کیسے آئے"۔

ہیرو بول اٹھا۔

"قومی مقابلوں کا اعزاز، مسٹر جمال کھڑکی کے راستے کمرے میں آئے تھے انہیں دروازے کے راستے بھیجتے ہوئے ذرا چوٹیں آگئیں۔

تہذیب نے محبت بھری نظروں سے شکیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بلا لیا ہوتا"۔

ہیرو بولا۔

"ہم عورتوں کی مدد کے قائل نہیں، ابھی ان بازوں میں دم خم ہے، مسٹر جمال کے ابا حضور بھی آجائیں تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

تہذیب مسکرانے لگی۔ شکیل بولا۔

"جاؤ ہیرو تم اپنا کام کرو"۔

ہیرو جاتے ہوئے آنکھ مار کر بولا ۔

"معاف کرنا میں خود کباب میں ہڈی بننا نہیں چاہتا۔"

ہیرو کمرے سے نکل گیا، تہذیب نے شکیل کے ہاتھ پر پٹی باندھتے ہوئے کہا۔

"جمال اتنا ہنگامہ کر گیا اور تم نے مجھے خبر تک نہیں کی۔"

"جمال نے اتنی مہلت ہی نہیں دی، دراصل وہ یہی چاہتا تھا کہ میں اس قابل ہی نہ رہوں کہ قومی مقابلوں میں شریک ہو سکوں۔"

تہذیب گھبرائے ہوئے انداز میں بولی ۔

"اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو . . . ."

شکیل ہنستے ہوئے بولا ۔

"تو مسٹر جمال آپ کے پارٹنر ہوتے ۔"

"شکیل ۔"

"تہذیب ۔"

"دوبارہ میرے سامنے اُس ذلیل انسان کا نام نہ لو، میں ڈیڈی سے کہہ کر جمال کا بندوبست کرا دوں گی۔"

شکیل تہذیب کی آنکھوں میں جھانک کر بولا ۔

"غصہ تھوک دیجئے، وہ بے چارہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ میں نے اس سے اس کی تہذیب کو چھین لیا، اور اب اس کا اعزاز بھی چھیننا چاہتا ہوں۔"

تہذیب غصے سے کانپتی ہوئی بولی ۔

ڈیڈی کی مہربانی سے وہ کلب کا سیکرٹری بن گیا ہے۔ اُس کی اتنی جرأت کہاں کہ وہ میری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے۔"

"یہ تو آپ بہتر جانتی ہیں کہ مسٹر جمال کی آپ کی نظروں میں کیا حیثیت ہے۔"

"میں اُسے کلب کے ایک ممبر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔"

"اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"

تہذیب مسکراتی ہوئی بولی۔

"اپنے دل سے پوچھئے۔"

"میرا دل تو کہتا ہے یہ کسی کا ہو گیا ہے۔"

تہذیب خوش ہو کر بولی۔

"سچ، کبھی میری یاد آئی۔"

"کبھی نہیں۔"

"کبھی نہیں۔"

تہذیب نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔"

"بالکل نہیں۔"

تہذیب کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ایک دفعہ بھی نہیں۔"

شکیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ایک دفعہ بھی نہیں۔"

تہذیب روہانسی سی ہو کر بولی۔

"وہ کیوں"

شکیل نے کہا۔

"یاد تو اس کی آتی ہے جسے بھلایا جا سکے"

تہذیب خاموش ہو گئی، خوشی سے اس کے انگ انگ میں مسرت کی لہریں دوڑ گئیں۔

وہ اپنے دل کی تیز تیز دھڑکنوں کو چھپانا چاہتی تھی مگر اس کا دل بے اختیار دھڑک رہا تھا، اس کے کانوں میں شکیل کے الفاظ گونج رہے تھے۔

شکیل نے تہذیب کو اپنی باہوں میں بھر لیا اور یکایک تہذیب کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، اُس کا انگ انگ خوشی سے کانپنے لگا شکیل نے تہذیب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔

"ایک بات تو بتاؤ عورت مرد کا انتخاب کیسے کرتی ہے"

شکیل اور تہذیب قالین پر لیٹے ہوئے تھے، تہذیب کا ہاتھ شکیل کے ہاتھ میں تھا اور وقت تھم گیا تھا۔ تہذیب دیر تک پٹ پٹ آنکھیں کھولے خلا میں گھورتی رہی، اُس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔ پھر شکیل پر نظر گاڑھے بولی۔

اب کیا کہوں تم سے، اس سوال کے جواب میں، بہت سی عورتوں کے لئے کبھی کوئی انتخاب نہیں رہا، تاریخ کی تاریک صدیوں میں وہ ریوڑ کی طرح ہانکی گئی ہیں اور بڑی سے بڑی شہزادی کی بھی حیثیت غلام سے

زیادہ نہ تھی۔ خوب صورت زیوروں اور کپڑوں کے باوجود آج بھی اس کی حالت قابل رحم ہے، آج بھی ہر لڑکی کے والدین یہی چاہتے کہ لڑکی کے لئے شوہر کا انتخاب کریں، ایک مرد کا، وہی شرائط طے کریں، وہی تاریخ ٹھہرائیں اور مقررہ تاریخ کو بیاہ رچا دیں، لڑکی کا کام تو صرف بستر پر سو جانا اور شوہر کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ اس لئے بہت سی عورتوں کے لئے یہ کوئی سوال نہیں۔ انہیں اس کا موقع ہی نہیں دیا جاتا"۔

"مگر تم"۔۔۔ شکیل نے کہا۔

"میں اپنے انتخاب کے معاملے میں آزاد، میرے ڈیڈی نے مجھے آزادی دے رکھی ہے لیکن میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو والدین کی دی ہوئی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود بھی تماشا بن جاتی ہیں اور اپنے والدین کو بھی دنیا کی نظروں میں تماشا بنا دیتی ہیں۔ میں ہر کام بڑی احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر کرنے کی عادی ہوں، یہی وجہ تھی کہ میں نے شروع میں تمہیں پسند نہیں کیا۔ بلکہ میں تمہیں ناپسند کرتی تھی، شاید میرے عشق کی وجہ یہی تھی کہ مجھے تم سے نفرت تھی۔ تم سے، تمہارے ماحول سے، تمہارے حالات سے۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ تم عظیم انسان ہو جو اپنے لئے والدین کے لئے جدوجہد کر رہے ہو۔

حالات سے لڑ رہے ہو۔

میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ جاگا۔

ہمدردی اور عزت۔

ہمدردی تمہارے خیالوں سے،

عزت تمہاری ذات کے لئے۔

میرے لئے تمہاری شخصیت، تمہاری ذات بہت اہم ہے۔ تم اسے نہیں سمجھو گے تمہیں معلوم نہیں میں نے تمہیں کیوں پسند کیا ہے۔

اس لئے کہ تم ضدی ہو۔

اپنی دُھن کے پکے ہو۔

تمہاری آنکھوں میں ایک نہ مٹنے والا عزم دکھائی دیتا ہے۔

تمہارے بازوؤں میں زمانے سے لڑنے کی سکت ہے۔

تمہاری مسکراہٹ میں زندگی ہے۔

جب میں تمہیں گھر لائی تھی، اُس وقت تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا، میں اپنا فیصلہ کرنے سے پہلے ڈیڈی سے تمہارے متعلق رائے لینا چاہتی تھی۔

تشکیل میرے ڈیڈی لڑکیوں کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ تم بیشک انہیں قدامت پسند کہہ لو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا بلکہ میں خوش ہوں گی۔ میں آزاد خیال ہونے کے باوجود اپنے ڈیڈی کی رائے کا بے حد احترام کرتی ہوں۔

کیونکہ ان کی رائے صحیح ہوتی ہے، اُن کا تجربہ بولتا ہے۔

ہم نوجوان لڑکے ہوں یا لڑکیاں صرف جذباتی انداز میں سوچتے ہیں جس کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔

ڈیڈی نے جب تمہیں دیکھا۔

جب تمہیں پرکھا ــــ تو جانتے ہو تمہارے متعلق ان کی کیا رائے تھی۔

ڈیڈی کہہ رہے تھے شکیل تمہاری زندگی کا بہترین ساتھی ثابت ہوگا اگر وہ تمہاری خواہش کا احترام کرلے تو یہ تمہاری اور اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔

شکیل ڈیڈی کی پسند اور میری خواہش مجھے تم سے قریب لے آئی اور میں تم سے قریب ہوتی گئی۔

تمہاری آنکھوں میں اپنے لئے ہمدردی دیکھ کر میرے حوصلے بلند ہوئے اور میں اس بات سے خوش ہوں کہ تم نے میری چاہت کا جواب چاہت سے دیا۔

لوگ محبت کو عجیب عجیب معنی پہناتے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک محبت ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو دو دلوں کے ملاپ کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔

میں ایسی محبت کی قائل نہیں۔

نظریں ملیں۔

مسکرائے۔

والدین سے چوری چھپے کلبوں، سینماؤں میں اکٹھے گھومے پھرے اور پھر اپنی محبت کا اعلان کر دیا۔

حالانکہ نہ تو لڑکی لڑکے کی اصلیت سے آگاہ ہو سکی اور نہ لڑکا لڑکی

کے ظاہر و باطن کا جائزہ لے سکا۔

والدین بے چارے یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے بچے حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔ اعلیٰ مقاصد کی تکمیل میں مشغول ہیں۔

شکیل مجھے ان لڑکوں لڑکیوں سے ہمدردی ہے، جو محبت کو جذبات کی عینک سے دیکھتے ہیں۔

جو جنسی بے راہ روی کو محبت کی معراج سمجھتے ہیں۔

اپنی سرگرمیاں والدین سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

جانتے ہو، جب والدین کو ان کی سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے تو ان والدین کی کیا حالت ہوتی ہے۔

ان کے تصورات کے آبگینے چکنا چور ہو جاتے ہیں۔

یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ والدین تو اولاد کا بھلا چاہیں۔

اور اولاد ان کے جذبات و احساسات کو پیروں تلے روند کر اپنی منزل اپنی راہیں خود تلاش کرے۔

میں محبت کو برا نہیں کہتی۔

شادی ازدواجی زندگی کا سب سے اہم موڑ ہے اور اس معاملہ پر پختہ ذہن ہی بہتر سوچ سکتے ہیں۔

وہ محبت دیرپا ثابت ہوتی ہے جو اس اہم موڑ سے شروع ہو، یہی وجہ تھی کہ میں نے تمہاری طرف قدم بڑھانے سے پہلے ڈیڈی کو اعتماد میں لیا، تمہارے حالات سے آگاہ کیا۔

اور جب ڈیڈی نے تمہیں اپنے تجربے کی کسوٹی پر پرکھا تو تم ان کے معیار پر پورے اترے۔

ڈیڈی نے مجھے تم سے میل ملاپ کی اس حد تک اجازت دی کہ ہمارا میل ملاپ ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر نہ رہ جائے۔

شکیل —— میری نظروں میں عورت دنیا کی سب سے زیادہ پاکیزہ شے ہے۔

خدا نے اُسے ماں کا عظیم رتبہ عطا کیا ہے۔

اس کے پیروں تلے جنت کی بشارت دی ہے۔

اس کی کوکھ سے اولادِ آدم نے جنم لیا ہے۔

ایسی عظیم ہستی۔

ایسی مقدس ہستی کا میری نظروں میں جو وقار ہے شاید تم میری باتوں سے اندازہ لگا چکے ہو گے۔

میں عورت کو شمع محفل بنی دیکھنا نہیں چاہتی۔

میں عورت کو کلبوں کی زینت بنتے نہیں دیکھ سکتی۔

عورت کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں جو اس کو جب اور جہاں چاہا سجا دیا۔

میں عورت کو ثریا و ناہید کی بلندیوں پر جگمگاتی دیکھنا چاہتی ہوں کیونکہ اس کا اصلی مقام یہی ہے۔

لیکن جب میری جنس اپنے کردار کی عظمت کو بھول کر آسمان کی بلندیوں سے پستیوں میں دھنستی نظر آئی تو مجھے اپنے آپ سے نفرت سی ہونے

لگتی ہے ۔

اس میں مردوں کا بھی دوش ہے ۔

لیکن عورت کے جرم کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

تم بھی سوچتے ہو گے کہ تہذیب کی یہ باتیں کتنی عجیب ہیں ۔

ماڈرن تہذیب کی پروردہ لڑکی کبھی اس انداز میں نہیں سوچ سکتی ۔

اُسے تو اونچی سوسائٹی چاہیئے ۔

کلب ، ڈانس ۔ نت نئے لباس چاہیئں ۔

اُسے بوائے فرینڈز سے ہی فرصت نہیں ملتی ۔

پھر اس کی سوچ کے دھارے کیسے بدل سکتے ہیں ۔

شکیل میں بھی ماڈرن تہذیب کے گہوارہ میں پل کر جوان ہوئی ہوں ۔

لیکن ماڈرن تہذیب کا ملمع مجھ پر اثر نہ کر سکا ۔

اس لئے کہ میرے ڈیڈی نے میری تربیت کی ہے ۔

مجھے اچھے اور بُرے سے آگاہ کیا ہے ۔

میرے سامنے تصویر کے دونوں رُخ پیش کر دیئے ۔

پھر میں اتنی ناسمجھ نہیں تھی کہ اچھائی کو چھوڑ کر بُرائی کی طرف بھاگتی ۔ اجالے کو چھوڑ کر اندھیرے میں بھٹکتی پھرتی ۔

اگر والدین اپنے بچوں کو تباہی کے راستے پر دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور یہ سمجھیں کہ یہ ماڈرن تہذیب کے تقاضے ہیں تو اس میں ان ناسمجھ بچوں کا کیا قصور ۔

جب بچے کو آگ اور کوئلے کی تمیز ہی نہ ہو۔

اس کے آگ سے جھلس جانے کا ماتم کرنا زیب نہیں دیتا۔

شکیل کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ ہمارے معاشرے کی بنیادی خرابی کیا ہے۔

شاید تم نہ بتا سکو۔

اس لئے کہ تم پتھروں کی دنیا میں برائیوں سے دور رہتے ہو۔

میں تمہیں بتاتی ہوں کہ ہمارے معاشرے کی تباہی میں کس کا ہاتھ ہے۔

یہ ایک گہری سازش ہے شکیل۔

یہودی سامراج کی۔

جو مسلمان قوم سے ڈرتا ہے۔

جو ہمارے آباؤ اجداد کی عظمت سے خوف کھاتا ہے۔

اس نے ہم سے ہماری تہذیب۔

ہماری درخشاں روایات۔

ہمارے آباؤ اجداد کی عظمت چھیننے کے لئے وسیع جال پھیلایا ہے۔ ہمیں ماڈرن تہذیب کے نام پر ایسے زہریلے انجکشن دیئے ہیں کہ ہم اپنے ماضی کو بھول کر حال میں بدمست ہیں۔

ماڈرن تہذیب کے نام پر ہمیں غفلت کی نیند سلانے کی کوشش دراصل ان سامراجی آقاؤں کے ذہن کی پیداوار ہے جو ہمارے ملک پر اقتصادی پنجے گاڑھ سکیں۔

اگر ہم جاگ اٹھے تو پھر ہم پر حقیقت آشکارہ ہو جائے گی۔

ہمیں سارے عیش و آرام بے کیف نظر آئیں گے۔
پھر ہمیں نہ تو اونچے محلوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔
اور نہ نت نئی کاروں کی۔
نہ سامان زیبائش کا خیال ستائے گا۔
نہ یہاں رشوت کا بازار گرم ہوگا۔
نہ کلبوں میں رونق رہے گی۔
نہ یہاں باپ کے سامنے بیٹی محو رقص ہوگی۔
اور نہ بیٹی کے سامنے باپ اپنی گرل فرینڈز کا پہلو گرمائے گا۔
ہر شخص اپنے ملک کی تعمیر نو میں مصروف ہو جائے گا۔
پھر جانتے ہو کیا ہوگا۔
ایک نئی دنیا — نیا آدم جنم لے گا۔
جس سے ہمارا کھویا ہوا ماضی۔
لٹی ہوئی روایات۔
ہمارے آبا و اجداد کی عظمتوں کا خزانہ ہمیں مل جائے گا۔
شکیل اب ہمیں جاگنا ہوگا۔
خواب غفلت سے بیدار ہو کر سامراج کے منہ پر اس کی دی ہوئی
لعنتوں کو مارنا ہوگا۔
شکیل تم بھی سوچتے ہو گے کہ کتنی پاگل ہے یہ لڑکی۔
جو جاگتے میں خواب دیکھتی ہے۔

میں یہ خواب دیکھنا ترک نہیں کروں گی۔
کیونکہ یہ میری زندگی کا متن ہے۔
اگر ہر فرد صرف ایک فرد کو اپنا ہم خیال، ہم نوا بنانے کی کوشش کرے تو دیکھتے ہی دیکھتے پاک سرزمین سے افلاس و نحوست کی پرچھائیاں غائب ہو جائیں گی۔
پاک سرزمین خلدِ حسین۔
فردوس بریں کا روپ دھار لے گی۔
شکیل ہمیں اپنے اجڑے ہوئے ملک کو دوبارہ تعمیر کرنا ہے۔
اس کے لئے ہمیں سب کچھ چھوڑنا پڑے گا، سب کچھ۔
اپنے اور بیگانے میں تمیز کرنی ہو گی۔
آگ اور کوئلے کا فرق معلوم کرنا ہو گا۔
یہ کام تنہا تہذیب نہیں کر سکتی۔
یہ کام تنہا شکیل کے بس کا روگ نہیں۔
البتہ ہم دونوں متفق ہو کر اوروں کو بھی راستہ دکھا سکتے ہیں دنیا نے ہمیشہ عورت کو صنفِ نازک کہہ کر اُس کا مذاق اڑایا ہے۔ لیکن وہ عورت کے اندر چھپی ہوئی طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکے۔
عورت اگر عزم کرے تو پہاڑوں سے ٹکرا جاتی ہے۔
میں نے تمہیں اسی لئے پسند کیا ہے۔
کہ تم آہنی عزم، آہنی ارادے کے مالک ہو۔

مجھے ایک ایسے ہی ساتھی کی ضرورت تھی۔
جو زندگی کے کٹھن سفر میں میرا ہم خیال ہو۔
میرے مشن کی اہمیت کو سمجھے۔
اور میرے مشن کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹائے۔
شکیل یہ وقت عیش و طرب کا نہیں ہے۔
عشق و محبت کے کھیل کا نہیں ہے۔
وقت ہم سے کچھ چاہتا ہے۔
وطن کی نظریں ہم پر لگی ہیں۔
ہمیں عشق و طرب کے تمام سامان اپنی محفل سے اٹھا کر سمندر میں پھینک دینے چاہئیں۔
اتنی گہرائیوں میں کہ وہ پھر عیش و طرب ہماری صلاحیتوں کو زنگ آلود نہ کر سکے۔
ڈیڈی کو میرے مشن سے پیار ہے۔
اس لئے کہ وہ بھی وقت کے اس اہم تقاضے کو سمجھتے ہیں۔
اس عظیم مشن کی تکمیل تنہا ایک آدمی نہیں کر سکتا۔
اس لئے ہم سب کو کمرِ ہمت باندھ لینی چاہیئے۔
ہمیں اب خوابِ غفلت سے جاگ اٹھنا چاہیئے۔
یہی وقت کا تقاضا ہے۔
پاک سرزمین سونا اُگلنے کے لئے بے چین ہے۔

کارخانے محنت کشوں کی طرف باہیں پھیلائے انہیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔
مادرِ وطن کا ذرّہ ذرّہ تابندگی کے لئے مچل رہا ہے۔
شکیل تصور کرو اس دن کا۔
وہ دن کتنا حسین ہو گا۔
جس دن ہماری تمناؤں کا سورج پوری آب و تاب سے چمکے گا۔
ہمیں ہمارے خوابوں کی حسین تعبیر ملے گی۔
نئی دنیا کے باشی کتنے خوش قسمت ہوں گے۔
جب اس سرزمین پر جنم لینے والا نیا آدم ان کے لئے مسرّتوں کا پیغام لائے گا۔
وہ دن کتنا عظیم ہو گا۔
جب ہمارے چہرے مسرت و شادمانی کی چاندنی سے دمک رہے ہوں گے اور ہمارے دشمنوں کے چہروں پر ندامت کا پسینہ ہو گا۔
شکیل تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ نئی دنیا بسانے، نیا آدم جنم دینے میں تمہارا کیا کردار ہو گا۔
سنو میرے ساتھی۔
ہر انسان اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔
تم اپنی ہی مثال لو۔
تم ایک کھلاڑی ہو۔
ملک کے مایہ ناز کھلاڑی۔

قومی مقابلوں میں کامیابی کے بعد تم پر کچھ نئی ذمہ داریاں آن پڑیں گی .
ملک اور قوم تمہیں ہیرو کے طور پر ملک سے باہر بھیجے گی .
تاکہ تم ملک کے وقار کو بلند کر سکو .
ملک ملک گھوم کر ملک کا نام روشن کرو .
کھلاڑی ملک کے بہترین سفیر ہوتے ہیں .

ملک سے باہر تمہاری سرگرمیاں ملک کے لئے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں اور نقصان دہ بھی .

فائدہ مند اس طرح کہ تم ہر جگہ اپنے مدِ مقابل کو پچھاڑ دو ، دنیا تمہارے کھیل کی تعریف کرے ، اُس سرزمین کو سراہے جس نے تم جیسے عظیم کھلاڑی کو جنم دیا ہے .

اور نقصان دہ اس طرح کہ تم ملک سے باہر جا کر اپنے ملک کی روایات اپنے مشن کو بھول کر مغربی تہذیب کی رنگینیوں میں کھو جاؤ ، دنیا یہی کہے گی کہ ہمارے ملک میں کسی کا کوئی نصب العین نہیں . ہر شخص وطن سے باہر قدم رکھتے ہی اپنی تہذیب ، اپنی روایات کو بھول کر مغربی تہذیب میں سما جاتا ہے ".

تہذیب کے طویل لکچر نے شکیل کو ایک نیا ولولہ دیا ، ایک نیا جوش عطا کیا ، وہ شکیل جو خلیل سے انتقام لینے کراچی آیا تھا .
اب اس کے انتقام کی آگ سرد پڑ چکی تھی .
اور ایک نئی آگ اُس کے سینے میں دہک رہی تھی .
جو اُسے ایک عظیم مشن کی راہ دکھا رہی تھی .

مٹے مٹے سنگ میل اُس کی نظروں کے سامنے واضح ہوتے جا رہے تھے۔
تہذیب اس کی تاریک راہوں میں روشنی بکھیر کر اُسے صحیح منزل کی راہ دکھا رہی تھی
ایسی منزل جو اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔
دیئے سے دیا جل اٹھا۔
شکیل تہذیب کے رنگ میں رنگا گیا۔
ایک نازک و ناتواں لڑکی نے اُسے سنبھالا دیا۔
اور اس نے عہد کیا۔
وہ تہذیب کے مشن سے محبت کرے گا۔
تعمیرِ وطن میں تہذیب کے قدم بہ قدم چل کر اپنا کردار ادا کرے گا۔
وہ وطن کے لئے زندہ رہے گا۔
وطن کے لئے مرے گا۔
شکیل کو اپنا ہم خیال، ہم نوا پا کر تہذیب کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو جھلملانے لگے، یہ اس کی پہلی فتح تھی، کامیابی کی طرف پہلا قدم۔

سیٹھ اسمٰعیل، تحسین اور یاسمین بیٹھے چائے پی رہے تھے، سیٹھ اسمٰعیل چائے پیتے ہوئے ملک کے حالات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ تحسین کو عوامی دور میں صنعت کاروں کی ذمہ داریوں سے آگاہ کر رہے تھے، تحسین خاموشی سے سیٹھ اسمٰعیل کی باتیں سن رہا تھا، نوکر نے آکر اطلاع دی کہ سرفراز صاحب تشریف لائے ہیں، سرفراز کا نام سن کر بوکھلاہٹ میں یاسمین کے ہاتھ سے چائے کی پیالی گر پڑی، سیٹھ اسماعیل نے چونک کر یاسمین کی طرف دیکھا، یاسمین اپنی بوکھلاہٹ کو چھپانے کے لئے کپڑے جھاڑنے لگی، تحسین بھی یاسمین کی بوکھلاہٹ پر حیران تھا۔ سیٹھ اسمٰعیل نے نوکر کو کھڑا دیکھ کر کہا۔

"سرفراز صاحب کو اندر بھیج دو۔"

نوکر خاموشی سے لوٹ گیا اور یاسمین کپڑے تبدیل کرنے کے بہانے اپنے کمرے کی طرف لپکی، سرفراز مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا، سیٹھ اسمٰعیل نے خندہ پیشانی سے سرفراز کا خیر مقدم کیا اور شکوہ کرتے ہوئے بولے۔

"بھئی سرفراز صاحب ایک مدت کے بعد آپ کے نیاز حاصل ہوئے ہیں"

سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب — ایک عرصے سے سوچ رہا تھا کہ آپ کے نیاز حاصل کروں اور بچوں سے بھی مل لوں، لیکن کاروبار سے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

سیٹھ اسماعیل نے سرفراز کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہم بھی تو سنیں آج کل آپ کی مصروفیات کیا ہیں۔"

سرفراز مسکراتا ہوا بولا۔

"یہی — اِدھر کا مال اُدھر، اُدھر کا مال اِدھر۔"

سیٹھ اسماعیل چونک کر بولے۔

"کیا مطلب۔"

سرفراز نے اطمینان سے کہا۔

"سیٹھ صاحب میں نے امپورٹ ایکسپورٹ کا دھندا شروع کر رکھا ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"سرفراز صاحب واقعی آپ دلچسپ آدمی ہیں، خوب ترجمہ کیا امپورٹ ایکسپورٹ کا۔"

سرفراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نام میں کیا رکھا ہے سیٹھ صاحب کام ہونا چاہیئے اور روپیہ جیب میں آنا چاہیئے، مقصد تو صرف روپے کمانے سے ہے کیونکہ روپیہ میں بڑی طاقت ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے سرفراز کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"بات تو آپ ٹھیک ہی کرتے ہیں، ناموں میں کیا رکھا ہے، کام ہونا چاہیئے۔"

اسی اثنار میں یاسمین بھی کمرے میں آگئی۔ سرفراز کو سلام کر کے خاموشی سے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ سرفراز نے یاسمین پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر کہا۔

"ماشاءاللہ یاسمین بیٹی کی صحت تو بہت اچھی ہے"

سرفراز چند لمحے یاسمین کو گھورتا رہا اور پھر خود ہی بول اٹھا۔

"کیوں نہ ہو، خدا نے سب کچھ دیا ہے، عزت، دولت اولاد اور پھر تحسین میاں جیسے پُرخلوص و مہربان شوہر، سیٹھ صاحب جیسی مشفق ہستی۔ بھئی سچ پوچھو تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے، ورنہ اس دنیا میں ساری خوشیاں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ اگر کہیں عزت ہے تو دولت نہیں دولت ہے تو اولاد نہیں"

سرفراز نے مسکراتے ہوئے یاسمین کی طرف دیکھا اور پھر تحسین سے پوچھنے لگا۔

"خلیل میاں نظر نہیں آتے کیا کہیں گئے ہوئے ہیں"

تحسین نے کہا

"آج کل خلیل ٹینس کے قومی مقابلوں کی تیاری میں مصروف ہے دن بھر کاروبار میں الجھا رہتا ہے اور شام کے وقت کلب چلا جاتا ہے اور عموماً رات کے کھانے پر اس کی شکل نظر آتی ہے"

سرفراز نے یاسمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خون کی تاثیر ہوتی ہے تحسین میاں، محنتی باپ کا بیٹا ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے ——"

یاسمین نے باتوں کا موضوع بدلنے کے لئے سرفراز سے پوچھا۔
"ممی کیسی ہیں۔ آپ انہیں بھی لیتے آتے۔"
سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"وہ تو مجھے بھی نہیں آنے دے رہی تھیں، کہہ رہی تھیں کہ تم وہاں جا کر خواہ مخواہ یاسمین اور تحسین کو پریشان کرو گے۔"
سرفراز اپنی باتوں کا ردِ عمل دیکھنے کے لئے چند لمحے رُکا، یاسمین جلدی سے بولی:
"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے آپ کا اپنا گھر ہے۔"
سرفراز نے کہا۔
"بھئی یہی بات تو میں نے تمہاری ممی سے کہی تھی۔ ایک عرصہ سے تمہیں ملنے اور خلیل میاں کو دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا اور لوگوں سے کچھ رقم بھی وصول کرنی تھی سوچا دونوں کام ہو جائیں گے، اس لئے چلا آیا جیسے ہی رقم وصول ہو گئی لوٹ جاؤں گا۔"
سرفراز بات ختم کر کے یاسمین اور تحسین کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ تحسین چور نظروں سے یاسمین کو دیکھ رہا تھا اور یاسمین نظریں جھکائے بیٹھی اس نئے افتاد پر غور کر رہی تھی۔
سیٹھ اسمٰعیل بولے۔
"سرفراز صاحب آپ تو غیروں جیسی بات کر رہے ہیں۔ آپ کے آنے سے یاسمین اور تحسین کے علاوہ مجھے بھی خوشی ہوئی، آپ کا گھر ہے، جب تک چاہیں رہیں، اگر رقم کی وصولی میں کوئی دشواری پیش آئے تو میں حاضر

ہوں ——"

سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب —— جس سے رقم لینی ہے بالکل گھر کی سی بات ہے بس یہ سمجھئے کہ رقم میری جیب میں ہے، اگر کوئی دشواری پیش آئی تو پھر مجبوراً آپ سے مدد لینی ہی پڑے گی، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ایسی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

یاسمین سرفراز کی آمد کی وجہ جان گئی تھی، سرفراز نے باتوں ہی باتوں میں یاسمین اور تحسین کو اپنے ارادوں سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ مطمئن تھا کہ بات سیٹھ اسمٰعیل تک پہنچنے سے پہلے رقم اس کی جیب میں آجائے گی، یاسمین نے سرفراز کو مطمئن کرنے کے لئے کہا۔

"آپ تھکے ہوئے ہیں آرام کیجئے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے کہا۔

"بہو بیگم —— آج کل لوگ روپیہ اتنا آسانی سے نہیں دیتے، ورنہ سرفراز صاحب کو اتنی تکلیف کیوں کرنی پڑتی، خط یا ٹیلی فون پر روپے منگوا لیتے، اچھا کیا یہ خود چلے آئے، انسان جب سامنے ہوتا ہے تو پھر انکار کرتے نہیں بنتی۔"

سرفراز نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب دراصل یاسمین کو کیا خبر ہے کہ کاروبار کیا ہوتا ہے اور روپے کے لئے انسان کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو آپ ہم کاروباری لوگ

جانتے ہیں"

یاسمین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آیئے آپ کو کمرہ دکھا دوں۔ اب آپ آرام کیجئے باتیں ہوتی رہیں گی"

سرفراز یاسمین کے ساتھ اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھا۔ تحسین بیٹھا پیچ و تاب کھاتا رہا، وہ سوچ رہا تھا کہ سرفراز انہیں بلیک میل کرنے پر تلا ہوا ہے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سرفراز جیسے فریبی آدمی کو دھکے مار کر گھر سے نکال دے، لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش ہو رہا کہ اُس کے اس اقدام سے سیٹھ اسمٰعیل کی نظروں میں وہ ذلیل ہو جائے گا، سرفراز سیٹھ اسمٰعیل کو اس راز سے آگاہ کر دے گا جس کو وہ مدتوں سے سینے میں چھپائے ہوئے ہے۔

یاسمین سرفراز کو کمرے میں چھوڑ کر لوٹی تو وہ انتہائی پریشان دکھائی دے رہی تھی، سیٹھ اسمٰعیل بھی اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔

یاسمین نے آہستہ سے کہا۔

"وہ بیس ہزار روپے مانگ رہے ہیں"

تحسین غصے سے بولا۔

"یاسمین آج تم انہیں بیس ہزار دے دو گی تو وہ کل پھر آ دھمکیں گے اور یہ سلسلہ پھر کبھی ختم نہیں ہو گا۔ بہتر تو یہی ہے کہ تم انہیں صاف جواب دے دو"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، آپ نہیں جانتے، وہ ابا جان کی نظروں ہمیں ذلیل کر دینگے اور جب خلیل یہ سنے گا کہ وہ ہماری اولاد نہیں

تو اس کے دل پر کیا گزرے گی، وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا میں نے ماموں کو دس ہزار پر راضی کر لیا ہے۔"

یاسمین کی بات سن کر تحسین چونک اٹھا۔

"مگر یہ رقم کہاں سے آئے گی ابا جان کو پتہ چل گیا تو......"

یاسمین بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"اب ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"یاسمین کب تک ہم خود کو فریب دیتے رہیں گے، انسان ایک غلطی کو چھپانے کے لئے سو غلطیاں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر اس کی اپنی زندگی غلطیوں کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے، جس وقت خلیل کو ہم نے گود لیا تھا اسی وقت میں نے تم سے کہا تھا کہ تم باجی راشدہ کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو، میں نے تمہاری محبت سے مجبور ہو کر تمہارے ہر اقدام کی حمایت کی تھی اور یہی میری غلطی تھی، جس کا آج مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اب یہ راز راز نہیں رہے گا اور کسی دن ابا جان بھی اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں گے۔"

یاسمین نے تحسین کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"تحسین تم سرفراز ماموں کا منہ بند کر دو، میں انہیں مجبور کر دوں گی۔ کہ وہ اس راز کو ہمیشہ کے لئے اپنے سینے میں دفن کر دیں۔"

"کیونکر یقین کر لوں کہ سرفراز ماموں دوبارہ ہمیں بلیک میل نہیں کریں گے۔"

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔"
تحسین نے افسردہ لہجہ میں کہا۔
"اب مجھے کسی کی بات پر یقین نہیں آ رہا۔ رقم کا بندوبست کر دوں گا لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر سرفراز ماموں نے دوبارہ اس گھر کا رخ کیا تو میں خود ابا جان سے حقیقت بیان کر دوں گا۔ اس کے نتائج کیا ہوں گے مجھے اس کی پروا نہیں البتہ میرا ضمیر مطمئن ہو جائے گا۔"
تحسین اٹھ کر چلا گیا اور یاسمین نڈھال قدموں سے سرفراز کے کمرے کی طرف بڑھی، سرفراز بڑے سکون سے بستر پر لیٹا سگریٹ پی رہا تھا، یاسمین نے سرفراز کو جاگتے دیکھ کر کہا۔
"آپ سوئے نہیں۔"
"تمہارے انتظار میں جاگ رہا تھا مجھے معلوم تھا کہ تم دوبارہ آؤ گی۔"
یاسمین نے پوچھا۔
"وہ کیوں۔"
سرفراز بولا۔
"ہاں یا نہ کا جواب دینے کیونکہ تم نے اس سلسلے میں یقیناً تحسین سے بات کی ہو گی۔"
میں نے تحسین سے بات کر لی ہے مگر آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔"
"مجبوراً مجھے آنا پڑا، یہ تو تمہارا کام تھا، تمہیں خود سوچنا چاہیئے تھا کہ تمہاری تحسین سے شادی کرانے میں میں نے کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ پھر

خلیل کا راز کتنے عرصہ سے اپنے سینے میں چھپایا ہوا ہے، تم تو یہ جانتی ہو کہ میرے بھی اخراجات ہیں، میرا کوئی کاروبار نہیں، پھر یہ اخراجات کہاں سے پورے ہوں، باجی بھی آج کل پریشان ہیں۔ تمہاری خاطر انہوں نے جو کچھ کیا کوئی ماں نہیں کر سکتی، لیکن شادی کے بعد تم نے میری خدمات کا اعتراف نہیں کیا، مجبوراً مجھے خود آنا پڑا اور شاید اب مسلسل ہی آنا پڑے بڑا صبر کیا ہے۔"

یاسمین خاموشی سے سرفراز کی باتیں سنتی رہی اور پھر سر جھکائے بولی۔

"دس ہزار کا بندوبست کل ہو جائے گا، لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے، یہ راز آپ کو سینے میں ہی دفن کر دینا ہوگا۔"

سرفراز قہقہہ لگا کر بولا۔

"بھئی یہ تو تم پر منحصر ہے۔ تم مجھے یہاں آنے کی زحمت نہ دو تو سب کچھ ممکن ہے، اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں کہ طویل سفر نہیں کر سکتا۔"

یاسمین کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گئی اور سرفراز بستر پر لیٹ گیا۔

ٹینس کے قومی مقابلے شروع ہو چکے تھے، پہلا مقابلہ شکیل اور تہذیب نے شاندار طریقے پر جیتا تھا، کلب کے تمام ممبران دونوں کی شاندار کامیابی پر خوش تھے اور دونوں کا شدت سے انتظار کر رہے تھے، جیسے ہی شکیل اور تہذیب کار سے اترے کلب کے ممبروں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ انہیں پہلی کامیابی پر دلی مبارک باد دی، تہذیب کامیابی کا سہرا شکیل کے سر باندھ رہی تھی اور شکیل کامیابی کا ذمہ دار تہذیب کو ٹھہرا رہا تھا، جمال کا ردِ عمل کلب کے ممبروں سے مختلف تھا، وہ ان دونوں سے بیگانہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا، کلب کے ممبروں نے جمال کے اس رویے کو محسوس کیا۔ لیکن کسی نے بھی اُسے کچھ نہ کہا۔ شکیل نے تہذیب سے کہا۔

"آیئے مس تہذیب تھوڑی دیر پریکٹس کر لیں"

تہذیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کل کے مقابلے کی تھکن ابھی تک باقی ہے آج آرام کر لینے دو"

"مس تہذیب —— ہمیں اب پہلے سے زیادہ چوکس رہنے کی ضرورت ہے سنا ہے دوسرا مقابلہ انتہائی سخت ہو گا"

تہذیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمیں مقابلے سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کہتے ہیں تو انکار بھی نہیں کر سکتی۔"

تہذیب راکٹ سنبھالے کورٹ کی طرف بڑھی، کلب کے ممبروں نے تالیوں سے اپنے فاتح کھلاڑیوں کا استقبال کیا۔ جمال خاموش بیٹھا دونوں کو کھیلتے دیکھتا رہا، تہذیب اور شکیل کی کامیابی نے اس کے غصّے کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا، اس کا بس چلتا تو وہ شکیل کو اپنے راستے سے ہٹا دیتا، لیکن شکیل سے ٹکرا کر اس نے شکیل کی طاقت کا اندازہ لگا لیا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ دوبارہ شکیل سے ٹکرانے سے گریز کر رہا تھا، وہ خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے شکیل اور تہذیب کے درمیان فائنل میچ سے پہلے پہلے غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں اور وہ اکٹھے نہ کھیل سکیں۔

وہ کئی اسکیموں پر غور کر رہا تھا، لیکن کوئی اسکیم اُسے کارگر نظر نہیں آ رہی تھی، مایوسی اور جھنجھلاہٹ میں اس نے کئی سگریٹ جلائے اور ایک دو کش لگا کر پیروں تلے مسل ڈالے، ہیرو بڑی دیر سے جمال کی اضطرابی کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا، وہ جمال کو چھیڑنے کے موڈ میں اس کے قریب جا کر بولا۔

"کھلاڑی کھیل رہے ہیں، آیئے ہم اناڑی بھی اپنا غم غلط کریں۔"

جمال غصّہ سے اپنی کرسی سے اُچھل پڑا، اس سے قبل کہ ہیرو جمال کی گرفت میں ہوتا ہیرو فاصلے پر جا کھڑا ہوا اور مسکراتا ہوا بولا۔

"مسٹر جمال میں یہ بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔"

جمال نے ہیرو کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

"یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں مسٹر جمال اب آپ کا رعب نہیں چلے گا، میری ہڈیاں توڑنے سے پہلے ان چوٹوں کو یاد کر لیجئے۔ پھر شاید آپ بھول کر بھی ایسا خیال دل میں نہ لائیں۔"

جمال نے ہیرو کا گریبان پکڑ کر اسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ کلب کے ایک ممبر نے اس کا فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔

جمال غصہ سے چلایا۔

"مسٹر زکی چھوڑ دو مجھے۔ میں اس کم بخت کی زبان کھینچ لوں گا۔ یہ مس تہذیب کی شہ پر ہمیشہ بکواس کرتا ہے۔"

زکی نے جمال کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر جمال ہوش کے ناخن لو، کلب کے تمام ممبر یہی کہیں گے کہ مسٹر شکیل کی کامیابی نے تمہیں بوکھلا دیا ہے۔"

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔"

اسی اثنا میں شکیل اور تہذیب بھی کھیل چھوڑ کر بھاگتے ہوئے جمال کے پاس آگئے۔ شکیل نے جمال پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر کہا۔

"مسٹر جمال میں انتہائی صلح پسند واقع ہوا ہوں، لیکن میری صلح پسندی کو آپ کمزوری نہ سمجھیں، جب پانی سر سے گزرتا دیکھتا ہوں تو پھر خاموش

نہیں رہ سکتا. کلب کے تمام ممبروں نے مجھے مس تہذیب کا پارٹنر بننے پر مجبور کیا، میں خود مس تہذیب کا پارٹنر بننا نہیں چاہتا تھا. چند دن قبل آپ نے میرے کمرے میں داخل ہو کر مجھ پر حملہ کیا. لیکن میں نے اس بات کا اظہار کلب کے ممبروں سے نہیں کیا. آج آپ پھر آمادۂ فساد ہیں"

کلب کے ممبروں نے بیک وقت جمال سے پوچھا.

"کیوں مسٹر جمال مسٹر شکیل ٹھیک کہہ رہے ہیں"

جمال خاموش تھا، کلب کے ممبروں نے متفقہ طور پہ اس بات کا فیصلہ کیا کہ جمال کو کلب سے نکال دیا جائے، ورنہ یہ کسی وقت بھی کلب کی بدنامی کا باعث بن سکتے ہیں"

تہذیب اور شکیل خاموش کھڑے تھے، جمال تہذیب کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولا.

"مس تہذیب کے ڈیڈی کلب کے سرپرست ہیں اور آپ جو بھی فیصلہ کریں گے یقیناً سیٹھ رؤف کی تائید بھی آپ کو حاصل رہے گی، میں خود ایسے کلب کا ممبر رہنا نہیں چاہتا جہاں ممبر عورت کے سہارے کے محتاج ہوں"

شکیل غصّے سے جمال کی طرف بڑھا. جاوید، افضال، زکی شاہد نے شکیل کا راستہ روک لیا. شکیل چلّا کر بولا.

"مسٹر جمال اگر دوبارہ میرے کردار پہ حملہ کیا تو تمہارے گھر والے تمہاری لاش ڈھونڈتے پھریں گے".

تہذیب نے شکیل کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"شکیل آؤ گھر چلیں، ناکامی کے اس احساس نے جمال کا دماغی توازن بگاڑ دیا ہے۔ تمہیں اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔"

جمال راکٹ پھینک کر چلتا بنا، ہیرو مسکرا کر بولا۔

"بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کلب سے ہم نکلے۔"

کلب کے ممبروں کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔ شکیل نے ہیرو کو ڈانٹتے ہوئے کہا

"ہیرو آئندہ اس سے مذاق نہ کیا کرو۔"

ہیرو حیران نظروں سے شکیل کو دیکھتا ہوا بولا۔

"تو کیا ولن دوبارہ آئے گا۔"

شکیل خاموش رہا۔ تہذیب مسکراتی ہوئی بولی۔

"جمال کا کسی اور کلب میں گزارا نہیں، یہ تو ہم ہی تھے جو اُسے برداشت کرتے رہے۔"

ہیرو بولا۔

"آپ برداشت کرتے رہیں لیکن میں ولن کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

شکیل اور تہذیب خاموشی سے کار کی طرف بڑھے، ہیرو بھی ان کے پیچھے کار میں جا بیٹھا۔

راستہ بھر تینوں خاموش تھے، جب کار تہذیب کی کوٹھی کے پورچ میں رکی، شکیل اور ہیرو کار سے اتر کر گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دیئے، تہذیب کوٹھی کی طرف بڑھی کسی نے بھی سیٹھ رؤف اور ان کے دوستوں کی طرف

توجہ نہیں دی جولان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ سیٹھ رؤف نے شکیل اور تہذیب کو گردن ڈالے جاتے دیکھا تو آواز دی۔

"ارے بھئی شکیل میاں اِدھر آؤ، کیا معاملہ ہے، تم اور تہذیب دونوں خاموش ہیں۔ کہیں دونوں میں جھگڑا تو نہیں ہوا"۔

شکیل اور تہذیب دونوں چونک کر پلٹے اور خاموشی سے سیٹھ رؤف کے قریب جا پہنچے، سیٹھ رؤف نے کہا۔

"بھئی یہ کیا بات ہوئی، ہمارے دوست تمہیں مبارک باد دینے آئے ہیں اور تم دونوں ہماری طرف دیکھے بغیر خاموشی سے گزر گئے"۔

شکیل نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب آج تھکن کچھ زیادہ ہو گئی ہے۔ میں بے خیالی میں گزر گیا معذرت خواہ ہوں"۔

سیٹھ رؤف نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بھئی محض معذرت سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں ہمارے ساتھ چائے پینی ہوگی۔ اور پھر اپنے کھیل کے متعلق بتانا ہوگا۔ ہمارے دوست تو تمہارے کھیل کی بڑی تعریف کر رہے ہیں۔ کسی نے بھی ہماری بیٹی کے کھیل کی تعریف نہیں کی"۔

تہذیب مسکرانے لگی، شکیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"دراصل تعریف کی صحیح مستحق تو مس تہذیب ہیں جن کی ثابت قدمی نے ہمیں کامیابی سے ہمکنار کیا"۔

سیٹھ رؤف نے شکیل کی بات تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی ہم کیسے مان لیں، یہ ٹھیک ہے تہذیب ہماری بیٹی ہے لیکن حق کی بات تو یہی ہے کہ تعریف تمہارے کھیل کی ہو رہی ہے، عبداللہ بھائی نے ہمارا دل رکھنے کے لئے تہذیب کی بھی تعریف کی ہے لیکن تہذیب کی تعریف کرنے والے عبداللہ بھائی بے چارے اکیلے ہیں اور تمہاری تعریف کرنے والے تین ہیں، میاں یہ جمہوریت کا دور ہے اب ڈکٹیٹرشپ نہیں چلے گی، تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمہارا کھیل تہذیب سے بہتر تھا۔"

شکیل کو اپنے ڈیڈی کے ہاتھوں پھنسا دیکھ کر تہذیب دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔ تہذیب نے شکیل کی مشکل آسان کر دی۔

"ڈیڈی آپ ہمارا کھیل دیکھنے نہیں آئے اگر آپ ہوتے تو خود اندازہ لگا لیتے کہ کون اچھا کھیلتا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ مسٹر شکیل اچھا کھیلتے ہیں لیکن اگر میں ان کا ٹھیک طرح ساتھ نہ دیتی تو ان کے لئے ایک سیٹ بھی جیتنا مشکل ہو جاتا۔"

سیٹھ رؤف نے تہذیب کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"کہتی تو تم بھی ٹھیک ہو، جب تک دونوں کھلاڑیوں میں باہمی تعاون نہ ہو کامیابی ممکن نہیں ہوتی، اچھا بھئی ہم بھی عبداللہ بھائی کا ساتھ دیتے ہوئے تمہیں مبارک باد دیتے ہیں۔"

شکیل نے کہا۔

"سیٹھ صاحب کل آپ میچ دیکھنے ضرور آیئے۔"

سیٹھ رؤف نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکیل میاں — ہم تو صرف فائنل دیکھیں گے۔ بشرطیکہ تم دونوں فائنل میں پہنچ جاؤ۔"

تہذیب نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی کیا آپ کو ہمارے فائنل میں پہنچنے میں شک ہے۔"

"بھئی شک کیسے نہ ہو، پچھلے سال تو تم سیمی فائنل میں ہی لٹکی رہیں، ہم اپنی آنکھوں سے تمہاری ناکامی کا تماشا دیکھنا نہیں چاہتے۔"

تہذیب نے اعتماد سے کہا۔

"گزشتہ سال میرے پارٹنر مسٹر جمال تھے اور اس سال شکیل ہیں۔"

"تو اس سے کیا ہوا، جمال کے بجائے شکیل آ گئے، دیکھنا تو یہ ہے کہ تم سیمی فائنل سے نکلتی ہو یا سیمی فائنل ہی میں رہنے کا ریکارڈ قائم کرنا چاہتی ہو۔"

تہذیب نے نہایت عزم سے کہا۔

"ڈیڈی یہ تو وقت بتلائے گا کہ آپ کی تہذیب غلط نہیں کہہ رہی تھی۔"

سیٹھ رؤف مسکرا اٹھے۔

"بھئی تم کہتی ہو تو ہم مان لیتے ہیں، ویسے دل نہیں مانتا۔"

سیٹھ رؤف اور اُن کے دوست ہنستے رہے، قہقہے فضا میں گونجتے رہے، چائے کا دور چلتا رہا۔

جب تہذیب اور شکیل آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے کمرے کی طرف بڑھے تو سیٹھ رؤف نے عبداللہ بھائی سے رازداری میں کہا۔

"میں نے پہلے ہی دن شکیل کا کھیل دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ نوجوان کچھ کر کے رہے گا، پہلے ہی میچ میں اس نے اپنی مخالف ٹیم کو جس بڑی طرح شکست دی ہے اخبارات والے تو اسے ابھی سے قومی ہیرو کا خطاب دے رہے ہیں، لیکن لڑکا خاندانی ہے، اس پر تعریف کا کوئی اثر نہیں ہوا، ورنہ آج کل کے نوجوانوں کی ذرا سی تعریف کر دیجئے ان کے دماغ خراب ہو جاتے ہیں، عبداللہ بھائی ہمیں ایسے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ ہمیں ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جنہیں اپنے کام سے لگن ہو اور تعریف و توصیف ان کے دماغ خراب نہ کر سکے۔"

عبداللہ بھائی نے سیٹھ رؤف کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب، ایسے نوجوان ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان سے ملک کی عزت ہے، خدا کرے زندگی کے ہر شعبہ میں ایسے نوجوان پیدا ہوں جو ملک کا نام روشن کر سکیں۔ سیٹھ رؤف بار بار شکیل کی تعریف کر رہے تھے اور ان کے دوست سیٹھ رؤف کے کردار کی تعریف کر رہے تھے۔ سیٹھ رؤف کا بھی کردار ان کی ہر دل عزیزی کا سبب تھا۔

ان کی صاف گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ حق بات کہتے ڈرتے تھے کاروباری حلقے ان کی صاف گوئی، دیانت اور سنجیدگی کے معترف تھے۔ عزت، دولت شہرت کے باوجود سیٹھ رؤف کے دل میں انسانیت کا جذبہ موجود تھا۔ دوسروں کے دکھ درد پر ان کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ غریبوں کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا اس کے باوجود وہ کبھی پبلسٹی کے خواہاں نہیں رہے تھے

سرفراز کو آئے ہوئے کئی دن ہو چلے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یاسمین نے اس کی جیب بھر دی تھی، سرفراز راہِ فرار ڈھونڈ رہا تھا لیکن سیٹھ اسمٰعیل اور خلیل کے اصرار پر اُسے رکنا پڑا، ناشتے کی میز پر سیٹھ اسمٰعیل، تحسین، خلیل، یاسمین اور سرفراز موجود تھے، سرفراز نے ناشتہ کرتے ہوئے سیٹھ اسمٰعیل پر ایک نظر ڈالی اور انہیں خوشگوار موڈ میں دیکھ کر کہا۔

"سیٹھ صاحب آج مجھے اجازت دے دیجئے۔"

"بھئی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جس کام کے لئے آیا تھا وہ تو ہو چکا، میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ جن سے رقم لینی ہے وہ گھر کی ہی بات ہے، مجھے دیکھتے ہی بے چارے نے فوراً دس ہزار روپے مجھے تھما دیئے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"سرفراز صاحب آپ خوش قسمت ہیں، ورنہ یہاں لوگ روپیہ دینا

تو جانتے ہی نہیں۔ کاروباری آداب سے بالکل نابلد ہیں"۔

سرفراز نے تحسین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کاروباری لوگ بہت کم ایسا کرتے ہیں۔ وہ اپنا نفع نقصان خوب جانتے ہیں۔ مجھ سے بگاڑنا ان کے بس کی بات نہیں"۔

چند لمحوں کے لئے سکوت طاری رہا اور سب خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مصروف رہے۔ خلیل نے چائے بنا کر سرفراز کو دیتے ہوئے کہا۔

"ماموں جان آج آپ میرا میچ دیکھ کر جائیں"۔

"خلیل میاں ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اب تو میں کاروبار کے سلسلے میں آتا جاتا رہوں گا"۔

تحسین نے غصّے سے سرفراز کی طرف دیکھا اور پھر وہ یاسمین کا جائزہ لینے لگا، یاسمین سرفراز کے ہر جملے پر چونک کر سرفراز کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھتی، سرفراز اس کی طرف دیکھے بغیر سیٹھ اسمٰعیل اور خلیل سے باتوں میں مصروف رہا۔

خلیل اور سیٹھ اسمٰعیل یاسمین اور تحسین کے دلی جذبات سے ناواقف تھے اور وہ سرفراز کی باتوں میں دلچسپی لے رہے تھے۔ سیٹھ اسمٰعیل تو سرفراز سے بے حد متاثر تھے اور سرفراز سیٹھ اسمٰعیل کے گرد اپنی شخصیت کا جال بننے میں مصروف تھا۔

سرفراز کی موجودگی سے نہ تو تحسین خوش تھا اور نہ یاسمین، دونوں کی یہی تمنا تھی کہ سرفراز چلا جائے تو اچھا ہے تاکہ وہ اطمینان کا سانس لے سکیں۔

سرفراز کی موجودگی ان کے لئے خطرہ تھا۔ روپے دینے کے باوجود تحسین سرفراز سے مطمئن نہیں تھا۔

ابھی ابھی رقص ختم ہوا تھا، نوجوان جوڑے رقص کرنے کے بعد ستانے کے لئے اپنی اپنی میز کے گرد بیٹھے تھے. میز پر شراب کی بوتلیں رکھی تھیں، بوتلوں کے کاک اڑ رہے تھے، فضا شراب کی بو سے رچی ہوئی تھی. شرابیوں کے قہقہے ہوٹل کے وسیع ہال میں گونج بن کر — در و دیوار سے ٹکرا رہے تھے. ہال میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی، آرکسٹرا جو رقص ختم ہونے کے ساتھ ہی، چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا تھا دوبارہ رقص کے شائقین کو دعوت دے رہا تھا.

خلیل اس عرصہ میں کئی پیگ ختم کر چکا تھا، روشی بھی آہستہ آہستہ چسکیاں لے کر شراب کی تلخی کو سرور میں بدلنے کی کوشش کر رہی تھی. خلیل نے رومانٹک موڈ بناتے ہوئے کہا.

" روشی تم نے اپنی ممی سے میرا ذکر کیا تھا."

" بائی گاڈ ڈیئر —— میں تو بتانا ہی بھول گئی."

روشی نے شراب کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا. خلیل بولا.

" پھر تمہاری ممی نے کیا کہا."

روشنی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، فضا میں جلترنگ بجنے لگے۔

"ڈیئر پہلے تو ممی یہی سمجھتی رہیں کہ میں مذاق کر رہی ہوں، جب میں نے انہیں یقین دلایا کہ یہ مذاق نہیں حقیقت ہے تو وہ کہنے لگیں کسی دن خلیل کو کھانے پر بلا لو۔ میں نے کہا ممی خلیل تو بہت مصروف رہتا ہے، ملوں فیکٹریوں امپورٹ، ایکسپورٹ کے دھندوں میں الجھا رہتا ہے، ایسے چارے کو دن بھر فرصت نہیں ملتی۔ شام کو کلب محض اس لئے آتا ہے کہ دن بھر کی تھکن دور کر سے، ممی حیران ہو کر پوچھنے لگیں، واقعی خلیل اتنا کام کرتا ہے، آج کل کے نوجوان تو صرف باپ دادا کی کمائی لٹاتے ہیں۔ میں نے ممی کو بتایا کہ خلیل ایسا نہیں ہے، وہ بڑے باپ کا بیٹا ضرور ہے لیکن باپ دادا کی دولت لٹانے کی بجائے اس میں اضافے کی کوشش میں لگا رہتا ہے کاروبار کے علاوہ ٹینس میں بھی اس نے بڑا مقام حاصل کیا ہے ممی خوش ہو کر بولیں روشنی ایسے لڑکے کہاں ملتے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو جو خلیل نے تمہیں اپنا دوست بنایا ہے۔ تمہارے ڈیڈی کی بھی یہی خواہش ہے کہ تم دونوں ایک ہو جائیں"۔

خلیل اپنی تعریف سن کر خوش ہو رہا تھا روشنی بولی۔

"ڈیئر بس سمجھ لو کہ کام بن گیا، ڈیڈی تو ممی کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ ممی کا ہر فیصلہ ڈیڈی کے لئے نوشتہ تقدیر ہوتا ہے"۔

خلیل اس عرصہ میں اور کئی پیگ ختم کر چکا تھا، نوجوان جوڑے محو رقص تھے ۔۔۔ خلیل دھیرے سے روشنی کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے میں مدد دیتا

ہوا بولا۔

"آؤ ڈارلنگ ہم پہلے میچ کی کامیابی پر دل کھول کر ناچیں"۔

روشی خلیل کی باہوں کا سہارا لئے فلور پر پہنچی اور رقص کرتے ہوئے جوڑوں میں ایک اور جوڑے کا اضافہ ہو گیا۔

دونوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

دونوں کی زبانیں لڑکھڑا رہی تھیں۔

لیکن دونوں ایک دوسرے کو اپنے ہوش میں ہونے کا یقین دلا رہے تھے رقص اور شراب کا دور چلتا رہا۔

رات ڈھلتی گئی۔

رقص ختم ہوا، روشی نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی اور خلیل کاؤنٹر کی طرف بڑھا اور نئی ریڈ ہارس کی بوتل لے کر لڑکھڑاتا ہوا قریب کی میز پر بیٹھ گیا اس میز پر پہلے ہی سرفراز بیٹھا شراب پی رہا تھا، خلیل سرفراز کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"شاید ہم ایک دوسرے سے پہلے بھی متعارف ہو چکے ہیں"۔

سرفراز نے ذہن پر زور دے کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کسی کلب میں ملاقات ہوئی ہو، مجھے بھی آپ کا چہرہ جانا پہچانا نظر آتا ہے"۔

خلیل بوتل سے شراب گلاس میں ڈالتا ہوا بولا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے"۔

خلیل نے شراب میں سیون اپ ملا کر گلاس اٹھایا، سرفراز بھی اپنا گلاس بھر کر اٹھاتا ہوا بولا۔

"چیرز لو"

خلیل اور سرفراز نے گلاس سے گلاس ٹکرایا اور دونوں چسکیاں بھرنے لگے۔ سرفراز نے گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔

"میں صبح سے پی رہا ہوں، لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا پہلا پیگ ہے"

خلیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"میں بھی اناڑی نہیں، بوتل خالی ہو چلی ہے لیکن میں ہوش میں ہوں"

سرفراز نے بوتل سے شراب ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم ابھی بچے ہو، شراب پی کر بہک جاتے ہو۔ تم میرا ریکارڈ نہیں توڑ سکتے"

خلیل اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے بولا۔

"میں صرف اتنی پیتا ہوں کہ ہوش میں رہوں۔ مجھے اپنے ملک سے محبت ہے اپنے وطن کی دولت سے محبت ہے میں شراب ضرور پیتا ہوں لیکن تمہاری طرح وطن کی دولت نہیں لٹاتا"

سرفراز نے نشے میں جھومتے ہوئے کہا۔

"کیا وطن وطن کی رٹ لگا رکھی ہے، مجھ سے زیادہ محب وطن اور کون ہو سکتا ہے، میں محنت سے کماتا ہوں، ابھی کل کی بات ہے میں نے

ایک بزنس میں دس ہزار کمائے تھے اگر دو چار ہزار شراب پر خرچ کر دیئے تو کون سا گناہ کیا، یہ تو اپنی اپنی جیب پر منحصر ہے تم باپ دادا کی کمائی لٹا رہے ہو اور میں اپنی محنت کے پیسے سے پی رہا ہوں"

خلیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں، آپ سے دوبارہ ملاقات کہاں ہو سکتی ہے"

سرفراز اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے بولا۔

"میں تو یہاں چند دنوں کے لئے آیا تھا، گرین ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہوں، شاید کل لوٹ جاؤں"

"گرین ہاؤس، یہ نام تو میرا سنا ہوا ہے، اب یاد آیا میری کوٹھی کا نام بھی گرین ہاؤس ہی ہے۔ مگر میں نے تو آپ کو وہاں نہیں دیکھا"

سرفراز نے بڑا ہی بھیانک قہقہہ لگایا۔

"معلوم ہوتا ہے تم زیادہ پی چکے ہو۔ اب میں تمہیں پینے نہیں دوں گا — میرے نوجوان دوست شراب بہت بری شے ہے"

مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تم اتنی نہیں پیو گے۔

خلیل لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور بولا۔

"وعدہ رہا — ٹاٹا"

خلیل لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا، سرفراز نے حقارت سے خلیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ان نوجوانوں نے ملک کو تباہ کر دیا، شراب بھی فیشن کے طور پر پیتے ہیں —— اور نشے میں بہک کر کہتے ہیں گرین ہاؤس میری کوٹھی کا نام ہے۔ ہا ہا ——"

خلیل مختلف میزوں سے ٹکراتا ہوا ایک میز کے قریب جا کر رکا اور ایک لڑکی کا بازو پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔

"چلو ڈارلنگ تمہیں گھر چھوڑ آؤں، تمہاری ممی پریشان ہو رہی ہوں گی، تم نے تو زیادہ نہیں پی"

لڑکی نے مسکراتے ہوئے خلیل کی طرف دیکھا اور خلیل کے ساتھ چلتی ہوئی بولی۔

"ڈیئر آج تو اتنی پی ہے کہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں"

خلیل نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"روشی میں نے تمہیں صرف ایک دو پیگ پینے کی اجازت دی تھی تاکہ تم ہوش میں رہو، لیکن میں دیکھ رہا ہوں تمہارے قدم لڑکھڑا رہے ہیں"

لڑکی خلیل کا سہارا لے کر چند لمحوں تک اس کا چہرہ تکتی رہی اور ہنس کر بولی۔

"ڈیئر نشے میں تو تم ہو، تم ہمیشہ پی کر بہک جاتے ہو، میں روشی نہیں۔ روفی ہوں اور تم میرے پرانے دوست مسٹر جمال ہو، ہا ہا ہا —— دیکھا تم نے اتنی پی ہے کہ ہوش وحواس برقرار نہیں۔

خلیل چند لمحوں تک روفی کا چہرہ تکتا رہا اور پھر ہنس کر بولا۔

"تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں، روفی تم میری کوئی فرینڈ نہیں، تم روشنی ہو، روشنی جو میری زندگی ہے"۔

باتیں کرتے کرتے خلیل کے قدم لڑکھڑانے لگے اور وہ تیزی سے اپنی کار کی طرف بڑھا، کار کا دروازہ کھول کر سیٹ پر جا بیٹھا روفی بھی اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

خلیل اپنے دماغ پر زور دیتا ہوا بولا۔

"ڈیئر میں کیا کہہ رہا تھا"

روفی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم کہہ رہے تھے روفی میں تمہیں لے کر دور بہت دور چلا جاؤں گا کسی ٹھنڈے ملک میں، ہمارا ملک تو بہت گرم ہے۔ یہاں کی گرمی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، نہ تو یہاں رہنے کا لطف ہے نہ شراب پینے کا، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم جہنم میں پہنچ گئے ہیں"

روفی کی باتیں خلیل کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں، وہ سوچنے لگا، سوچتا رہا روفی بولی۔

"ڈیئر جمال کچھ تو کہو، دیکھو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں اور ہماری دوڑتی ہوئی کار کا پیچھا کر رہی ہیں — مگر ان بلڈنگوں، درختوں کو کیا ہوا، یہ خاموش کیوں کھڑے ہیں خلیل نے روفی کے بالوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے کہا۔

"دراصل کار کی رفتار اتنی تیز ہے کہ تمہیں کوئی چیز صاف نظر نہیں آ رہی ہے شراب کے نشے میں تمہیں ہر چیز ساکت دکھائی دے رہی ہے، تمہارے

بالوں کی بھینی بھینی خوشبو سے مجھے واڈ کا سرور آ رہا ہے"۔

روفی کار کا ہارن بجاتی ہوئی بولی۔

"کم بخت چوکیدار کو کیا ہو گیا جو گیٹ نہیں کھولتا۔ ڈارلنگ تم نشے میں ہو، اس وقت کہاں جاؤ گے، میری کوٹھی میں کئی بیڈ روم ہیں، ممی ڈیڈی تو صرف ایک بیڈ روم استعمال کرتے ہیں۔ شام ہوتے ہی وہ کلب چلے جاتے ہیں اور نشے میں جھومتے ہوئے آکر اپنے بیڈ روم میں سو جاتے ہیں۔

میرا بیڈ روم بالکل علیحدہ ہے۔

اس کے علاوہ پانچ بیڈ روم اور ہیں جو خالی پڑے رہتے ہیں ڈیڈی جب بہت بڑے افسر لگے تھے دور دور سے مہمان ہماری کوٹھی میں آتے تھے اور تمام بیڈ روم بھرے رہتے تھے۔ جب سے ڈیڈی ریٹائرڈ کر دیئے گئے ہیں کوئی بھی نہیں آتا، اب یہ بیڈ روم ویران پڑے رہتے ہیں، ممی پریشان رہتی ہیں، ڈیڈی اداس رہتے ہیں۔

ڈیئر اب ہماری کوٹھی میں وہ رونق نہیں، ارے تم تو سو گئے مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ بیڈ روم کی روشنی گل کر دو، مجھے اجالے سے نفرت ہے، اندھیرا بڑا حسین ہوتا ہے۔

خلیل سیئرنگ پر سر رکھ کر مدہوشی کے عالم میں سو گیا تھا۔ روفی بھی سیٹ سے ٹیک لگائے مدہوش ہو چکی تھی۔

کار ہوٹل کے لان میں کھڑی تھی۔

کلب کے دروازے شرابیوں پر بند ہو چکے تھے، کلب سے لڑکھڑاتے

ہوئے نکلنے والے شرابی ان دونوں کو کار میں سویا ہوا دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے. ان پر چوٹیں کر رہے تھے .

"کم بختوں کو شراب پینے کا بھی سلیقہ نہیں"

"چلتی کار میں سو رہے ہیں. ایکسیڈنٹ ایسے ہی شرابی کرتے ہیں اور نام ہم جیسے شریف لوگوں کا بدنام ہوتا ہے"

"یار دونوں لونڈیاں ہیں تو زوردار لیکن پینے کے معاملے میں کچی نظر آتی ہیں"

"جس قوم کے نوجوانوں کو شراب پینے کا سلیقہ نہیں انہیں جینے کا کوئی حق نہیں"

"ارے ان دونوں لونڈیوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، کئی مرتبہ میرے ساتھ ملک سے باہر جا چکی ہیں، لاکھوں کھلائے ہیں مجھے کیا پروا ہے جب تک ٹھیکیدار زندہ ہیں، میں زندہ ہوں، شراب زندہ ہے، بیروت کے نائٹ کلب زندہ ہیں ـ"

"ارے کیا زندہ زندہ کا شور مچا رکھا ہے آہستہ بولو، معلوم ہوتا ہے تم ہوش میں نہیں، دیکھتے نہیں ہر طرف لاشیں بکھری پڑی ہیں، زندگی کروٹ بدل چکی ہے، ملک میں ہر طرف تباہی ہی تباہی مچی ہے، یہ دکھ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا، ملک پر اتنی بڑی آفت ٹوٹ پڑی ہے اور کوئی آنکھ آنسو بہانے والی نہیں. کوئی ملک کا ہمدرد نظر نہیں آتا، مجھے اپنے ہم وطنوں کی بے حسی پر افسوس ہوتا ہے، ان کو کیا ہو گیا، کہیں یہ نشے میں تو نہیں، شراب نے اس ملک کا بیڑا غرق

کر دیا اور اب بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلیں.

دوستو عہد کر لو کہ ہمیں اپنے ملک کے لئے زندہ رہنا ہے.

کھنڈرات پر تاج محل تعمیر کرنا ہے.

تاج محل زندہ باد.

کھنڈر مردہ باد.

ایک شرابی نے قہقہہ لگا کر کہا.

میرے دوست تم نشے میں بہت زیادہ ملک و ملت کے ہمدرد بن جاتے ہو، اور جب نشہ اتر جاتا ہے نہ تو تمہیں ملک سے ہمدردی رہتی ہے اور نہ تعمیرِ وطن کا خیال تمہیں ستاتا ہے.

تم سراپا ایک کاروباری انسان بن جاتے ہو، صرف تمہیں اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے. یہ تضاد میں بالکل پسند نہیں کرتا.

"میں تمہاری سرمایہ دارانہ چالوں کو خوب سمجھتا ہوں."

دونوں شرابی ایک دوسرے سے الجھ پڑے، کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہیں دی.

شراب سر چڑھ کر بول رہی تھی.

سینوں میں آگ دہک رہی تھی.

کچھ شرابی اپنی کاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، کچھ لڑکھڑا کر گرے اور کچھ بیروں کے سہارے تعمیرِ وطن کا عزم لئے آگے بڑھ گئے.

رات ڈوب رہی تھی، صبح کا سورج رات کی تاریکی کو مٹانے ابھر رہا تھا.
ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی، زندگی میں ہلچل پیدا ہوئی.

کارخانوں، دفتروں، ملوں، دکانوں میں زندگی کی گہما گہمی تھی ہر شخص مصروف تھا. جیسے بیکار رہنا اس کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے.
زندگی تو مصروفیت کا نام ہے.

دن اور رات کے فرق پہ کارخانوں کی چمنیوں سے اٹھتا ہوا دھواں آہوں جیسا سماں پیدا کر رہا تھا.

خلیل اپنے آراستہ پیراستہ دفتر میں مودی چیر پہ بیٹھا، ہونٹوں میں پائپ دبائے اپنی لیڈی سیکرٹری کو کاروباری خطوط لکھا رہا تھا.

اسکے چہرے پہ نہ تو رات کی تھکن تھی.
اور نہ آنکھوں میں شراب کی سرخی.

دروازہ کھلا چپراسی کافی کے برتن میز پہ رکھ کر چلا گیا، لیکن خلیل نے کافی کی طرف توجہ نہیں دی. اور مسلسل خطوط لکھواتا رہا.

یوں محسوس ہو رہا تھا رات والا شرابی خلیل کلب ہی میں کسی کونے میں

پڑا رہ گیا تھا اور جو خلیل مصروفِ کار تھا وہ رات والے خلیل سے بالکل مختلف تھا۔

دفتر میں موجود خلیل کو اپنے کاروبار سے عشق تھا، اپنے ملک کی صنعت کو پروان چڑھانے سے لگاؤ تھا اور جو تعمیرِ وطن کے لئے انتھک محنت کر رہا تھا۔

دوبارہ دروازہ کھلا اور چپراسی کارڈ لے کر ادب سے کمرے میں داخل ہوا، خلیل نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی اور لیڈی سیکرٹری کی طرف دیکھا۔ لیڈی سیکرٹری اپنی نوٹ بک اٹھائے انگڑائی لیتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

خلیل نے کرسی سے اُٹھ کر آنے والے کا استقبال کیا۔

"آئیے جناب نجمی صاحب کیا حال ہے آپ کے اخبار کا۔ بھئی نجمی صاحب سچ پوچھئے تو کاروبار سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہم صنعت کاروں پر بڑی ذمہ داریاں آن پڑی ہیں، جب ذرا سی فرصت ملتی ہے تو میں آپ ہی کا اخبار پڑھتا ہوں۔

بھئی خوب خبریں ہوتی ہیں، اداریئے کا جواب ہی نہیں، اشتہارات کی سیٹنگ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ میں صرف آپ ہی کے اخبار کو اشتہار دوں"۔

نجمی نے مسکرا کر خلیل کی قدر دانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب آپ جیسے دردمند کاروباری حضرات کا دم غنیمت ہے جو ہمارے اخبار بھی پڑھ لیتے ہیں"۔

خلیل قہقہہ لگا کر بولا۔

مجھے بچپن ہی سے اخبار بینی کا شوق ہے سچی بات تو یہ ہے کہ انگریزی اخبارات میں مجھے صرف آپ کا اخبار پسند ہے، باقی سارے اخبار بنڈل ہیں: میں اُردو بول لیتا ہوں، لیکن لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو اخبارات میری میز پہ آپ کو نظر نہیں آئیں گے"۔

بخمی نے خلیل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں تو اپنے اخبار کے لئے آپ کا انٹرویو لینے آیا تھا، ٹینس کے پہلے مقابلے میں آپ کی کامیابی پر آپ کو مبارک باد دینے آیا تھا، لیکن اب مجھے احساس ہوا کہ میں غلط جگہ آگیا ہوں"۔

بخمی چند لمحوں کے لئے رکا اور بڑے دکھ کے ساتھ بولا۔

"سیٹھ صاحب —— یہ میری بد قسمتی ہے کہ میں "کھلاڑی" کا ایڈیٹر ہوں اور کھلاڑی اُردو میں چھپتا ہے۔ اور آپ اُردو پڑھ لکھ نہیں سکتے، اس لئے اب تک آپ جس اخبار کی تعریف کر رہے تھے وہ محض خیالی اخبار ہوگا"۔

بخمی اُٹھ کھڑا ہوا، بخمی کو جاتا دیکھ کر خلیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے بخمی کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر بخمی میں مذاق کر رہا تھا، ایک کھلاڑی —— کھلاڑی کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ آپ کا اخبار تو میں پابندی سے پڑھتا ہوں، پاکستان میں کھیل اور کھلاڑیوں کی جس طرح آپ حوصلہ افزائی کر رہے ہیں وہ آپ ہی کا کام ہے، کھیلوں کے کرتا دھرتا تو صرف انگریزی اخبار پڑھتے ہیں، وہ کھلاڑی کے مشوروں کو سمجھ نہیں سکتے، دراصل میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کو اُردو سے

کتنی محبت ہے کہیں آپ بھی اُردو اخبار نکال کر پچھتا تو نہیں رہے، نجمی صاحب مجھے اُردو سے عشق ہے۔ سرمدی عشق جب کبھی فرصت ملتی ہے میں اُردو شعرا کا کلام بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ اور اُردو شعرا کا کلام پڑھکر مجھے انگریزی شراب کا سا سرور حاصل ہوتا ہے۔ کیا لطف ہے اُردو شاعری میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے منہ میں مصری گھول رہا ہوں"

"نجمی صاحب اب تو یہ ہماری قومی زبان ہے —— عوامی دور نے اسے زندگی دی ہے، ملک کی تعمیرِ نو میں اُردو ایک ستون کا کام دے گی"

نجمی نے جذباتی انداز میں کہا۔

"سیٹھ صاحب —— میں حیران تھا کہ آپ جیسا نوجوان کھلاڑی میرے اخبار "کھلاڑی" سے کس طرح نابلد ہو سکتا ہے۔ دوستوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں "کھلاڑی" انگریزی میں نکالوں تاکہ حکومت کے ذمہ دار افسر اسے پڑھ سکیں۔ لیکن میں نے اپنے دوستوں کا مشورہ ٹھکرا دیا، کیونکہ مجھے اُردو سے محبت ہے، اور میں اپنے جذبات کو کچل کر محض کاروباری مفادات کا خیال نہیں رکھ سکتا، اردو ہمارا قیمتی سرمایہ ہے قومی اتحاد کی ضمانت ہے"

خلیل بولا۔

"اُردو میں ایک بین الاقوامی زبان بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے، میں نے اپنا تمام کاروبار اُردو میں شروع کر دیا ہے"

نجمی مسکراتا ہوا بولا۔

"مجھے آپ کے خیالات جان کر خوشی ہوئی"

خلیل مسکراتا ہوا بولا۔

یہ تو تربیت کی بات ہے جناب، ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ماڈرن تہذیب کے گہوارے میں پل کر بڑے ہونے کے باوجود ہم نے اپنی روایات کو اپنایا ہوا ہے۔ آپ میرے گھر تشریف لائیے آپ کو میرے گھر میں مشرقی تہذیب نظر آئے گی، وہی سادگی، وہی حسن، جو مشرقی تہذیب کا خاصا ہیں۔

گھر کا ہر فرد سجدہ سے نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے اور رات گھنٹوں سجدے میں پڑا گزرنے والے خوشگوار دن پر سجدۂ شکر ادا کرتا ہے۔ جو کیف و سرور مجھے سجدے میں حاصل ہوتا ہے میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔

نجمی حیران تھا خلیل مسلسل بولے جا رہا تھا۔

"ہمیں بہت کچھ کرنا ہے نجمی صاحب، کھیل کا میدان ہو یا صنعت کا میدان، ملک کی تعمیر صرف باتوں سے نہیں ہوتی کام کرنے کی ضرورت ہے، انتھک کام کرنے کی، آپ یقین نہیں کریں گے اکثر راتوں کو مجھے آفس ہی میں سونا پڑتا ہے، اگر ہم محنت نہیں کریں گے تو ہمارے کارخانے نہیں چلیں گے فیکٹریاں کام نہیں کریں گی تو تعمیرِ نو کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے گا ملک کی بنیادوں میں ہمیں اپنا خون دینا ہو گا، ایک نئے پاکستان کی تعمیر کے لئے اگر ضرورت پڑی تو سب سے پہلے میں اپنا خون دوں گا۔"

روشی کمرے میں داخل ہوتی ہوئی بولی۔

"خلیل ڈیئر تمہاری رگوں میں خون کہاں ہے، وہاں تو شراب دوڑ رہی ہے۔"

خلیل زور سے چلایا۔

"واٹ"

روشی خلیل کی لڑکھلاہٹ اور غصہ پر ہنس پڑی.

"معلوم ہوتا ہے رات کا نشہ ابھی تک باقی ہے ورنہ تم اس طرح آنکھیں نہ دکھاتے."

"روشی بکواس بند کرو ——— میں فضول بکواس سننے کا عادی نہیں."

خلیل نجمی کے سامنے خود کو ننگا محسوس کر رہا تھا، اس نے نجمی پر اپنی شرافت کا جو سکہ بٹھایا تھا روشی نے آن کی آن میں اس کی شرافت کا بھرم کھول دیا تھا.

روشی خلیل کی کمزوری تھی. خلیل کے اس طرح گرجنے اور آنکھیں دکھانے سے اس کی حیرانگی اور بھی بڑھ گئی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خلیل مذاق کر رہا ہے یا حقیقتاً" اس کا موڈ آف ہے، روشی نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا.

"خلیل ڈیئر ——— ناراض تو مجھے ہونا چاہیئے تھا رات نشے میں تم مجھے کلب ہی میں چھوڑ آئے تھے، وہ تو خیر گزری کہ میں نے زیادہ نہیں پی تھی."

خلیل نے نجمی کی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے کہا.

"مس روشی ——— مسٹر نجمی سے ملو. یہ مسٹر نجمی ہیں "کھلاڑی" کے ایڈیٹر اور مسٹر نجمی یہ مس روشی ہیں میری پارٹنر، اخبارات میں آپ نے ان کے کھیل کی تعریف پڑھی ہو گی."

نجمی نے مسکراتے ہوئے کہا.

در اخبارات میں مس روشنی کی تعریف پڑھی تھی۔ اب مس روشنی سے مکمل تعارف کا نیاز حاصل کر چکا ہوں۔ قوم کے ہونہار کھلاڑیوں سے، ملک کے درد مند صنعت کار سے مل کر بے پناہ خوشی ہوئی ہے۔"

نجمی اُٹھ کھڑا ہوا، خلیل اور روشنی کو خدا حافظ کہہ کر آفس سے نکل گیا، نجمی کے جاتے ہی خلیل سر تھام کر بیٹھ گیا۔ روشنی پیار بھرے انداز میں بولی۔

"ڈیر کیا بات ہے تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

خلیل نے روشنی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"روشنی تم نے میری بنی بنائی ساکھ کو چند لمحوں میں مٹی میں ملا دیا، ایک اخبار والے کی نظروں میں مجھے ذلیل کر دیا، وہ نجانے کیا کچھ لکھ مارے۔"

روشنی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بس اتنی سی بات کا بُرا مان گئے، پاگل ہو تم، ارے اس دور میں کلب جانا، شراب پینا کوئی بُرائی نہیں۔ یہ تو ماڈرن تہذیب کے اصول ہیں، اگر وہ بے چارہ تمہارے خلاف کچھ لکھے گا۔ تو دنیا والے اُسے جاہل کہہ کر اُس کا مذاق اڑائیں گے، اُسے دقیانوسی کہیں گے۔ اس بے چارے کو کیا پتہ۔

آخر کلبوں کے قیام کا مقصد کیا ہے۔

شراب کلبوں میں کیوں بکتی ہے۔

بڑے لوگ کلبوں کا رُخ کیوں کرتے ہیں۔

ڈیر چھوڑ دو ان دقیانوسی باتوں کو، جتنا تم اس پر سوچو گے تمہیں تکلیف ہو گی، میں تو کبھی نہیں سوچتی، لوگوں کا کیا ہے وہ تو بکواس کرتے ہی رہتے ہیں لیکن جنہیں خدا نے دیا ہے وہ ان لوگوں کی بکواس کو نظرانداز کر کے کلب بھی جاتے ہیں شراب بھی پیتے ہیں، شروع شروع میں میرے متعلق بھی لوگوں نے ممی۔ ڈیڈی سے میرے کلب جانے، شراب پینے اور مردوں کی محفل میں بیٹھنے کی شکایت کی تھی، جانتے ہو ممی نے انہیں کیا جواب دیا تھا۔

میری بچی کوئی جاہل اور ان پڑھ نہیں جو گھر کی چار دیواری میں قید ہو کر رہ جائے، ممی کے اس جواب نے شکایت کرنے والوں کی زبان پر تالے ڈال دیئے اور پھر کسی نے شکایت نہیں کی۔

خلیل نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"میں ڈر رہا تھا، تم نے میری مشکل آسان کر دی، کتنی سویٹ ہو تم۔"
روشی ہنس پڑی اور خلیل بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گیا۔

شکیل پابندی سے ہر ماہ اپنے والدین کو روپے بھیج رہا تھا، لیکن راشدہ شکیل کی طرف سے فکرمند تھی، شریف لاکھ اُسے تسلیاں دیتا، لیکن وہ کسی طرح مطمئن نہ ہوتی، دن بدن اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی ایک دن راشدہ نے شریف کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"اب ہمارا یہاں کیا رکھا ہے، چلو ہم بھی شکیل کے پاس کراچی چلتے ہیں، دولت کی فراوانی کہیں میرے بچے کو مجھ سے نہ چھین لے۔"

شریف راشدہ کی باتیں سن کر ہنس پڑا، راشدہ کو شریف کی ہنسی ناگوار گزری اور وہ رونے لگی، شریف اُسے سمجھانے لگا۔

"راشدہ شکیل کراچی میں کیا کر رہا ہے، کہاں رہتا ہے آج تک ہمیں معلوم نہ ہو سکا، اس کا ایڈریس بھی تم نے سنبھال کر نہیں رکھا۔ ایسی صورت میں تم کہاں جاؤ گی، اسے کہاں تلاش کرو گی۔"

راشدہ نے شریف کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، البتہ اس کے آنسو اس کی اضطرابی کیفیت کی ترجمانی کرتے رہے۔ چند ہفتے اسی کش مکش میں گزر گئے۔ راشدہ کی بے چینی بڑھتی گئی اور شریف نے راشدہ کے آگے ہتھیار ڈالتے

ہوئے کہا۔

"مجھ سے تمہاری بے چینی دیکھی نہیں جاتی، اگر تم شکیل کے پاس جانا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، تم چلنے کی تیاری کرو۔ ہم شکیل کو ڈھونڈ نکالیں گے"

راشدہ کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو جھلملانے لگے اور وہ کراچی جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ جب سکندر کو شریف اور راشدہ کے کراچی جانے کی خبر ہوئی تو اس نے راشدہ سے کہا۔

"بھابی سنا ہے آپ کراچی جا رہی ہیں، خدا کرے شکیل سے آپ کی ملاقات ہو جائے، کراچی پہنچ کر مجھے خط ضرور لکھیے اور یہ لکھنا بھی نہ بھولیے کہ ہیرو وہاں کیا کر رہا ہے"

سکندر ہیرو کو یاد کر کے رو پڑا، راشدہ نے سکندر کو تسلی دیتے ہوئے کہا

"سکندر بھائی ہیرو اور شکیل میرے لئے دو نہیں، میں کراچی پہنچتے ہی آپ کو خط لکھوں گی"

سکندر راشدہ کی یقین دہانی پر خاموش ہو گیا، شریف بھی سکندر سے جدا ہوتا ہوا دکھ محسوس کر رہا تھا۔ ایک عرصہ تک سکندر نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اُس کے دُکھ درد میں شریک رہا تھا۔

جب راشدہ اور شریف کراچی جانے کے لئے بس میں سوار ہو رہے تھے تو سکندر بے اختیار شریف سے لپٹ گیا، دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دونوں کے دل رو رہے تھے۔ لیکن دونوں ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے۔

بس روانہ ہوئی تو شریف نے دیکھا کہ سکندر اداس کھڑا بس کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے. جب تک سکندر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا وہ سکندر کو دیکھتا رہا. سکندر کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی شریف جذبات سے مغلوب ہو کر رو پڑا.

شکیل کے ہاتھ میں اخبار تھا اور وہ آنکھیں بند کئے خیالات کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اخبار میں خلیل اور روشی کی تصویریں چھپی تھیں اور ان کے کھیل پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ تہذیب دبے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی اور چند لمحوں تک شکیل کو خیالات میں کھویا ہوا دیکھ کر خاموش کھڑی رہی، شکیل تہذیب کی آمد سے بے خبر اپنی دنیا میں کھویا ہوا تھا، تہذیب نے آہستہ سے کھانس کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا، شکیل نے کھانسی کی آواز سن کر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور تہذیب کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا، سوچ و فکر کے آثار ابھی تک اُس کے چہرے سے نمایاں تھے، تہذیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا سوچ رہے تھے آپ"

"میں سوچ رہا تھا کہ جس کی تلاش میں میں کراچی آیا تھا وہ خود بخود میرے سامنے آگیا ہے"

"کون ہے وہ بدنصیب"

شکیل نے اخبار تہذیب کی طرف بڑھا دیا، تہذیب نے خلیل اور روشی

کی تصویروں پر نظر ڈالی اور ایک لمحے کے لئے فکر مند ہو گئی، وہ سوچنے لگی کہ کہیں شکیل روشی کی تلاش میں کراچی نہ آیا ہو، روشی اور شکیل، شکیل اور روشی کے تصورات آپس میں غلط ملط ہو رہے تھے اور تہذیب کے چہرے پر سنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی، وہ حقیقت جاننے کے لئے بے چین ہو گئی شکیل نے تہذیب کے اضطراب اور بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے اُس کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کہا۔

"مس تہذیب کیا سوچ رہی ہیں آپ"

"وہی جو آپ سوچ رہے تھے"

تہذیب نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، شکیل نے تہذیب کے چہرے پر نظریں گاڑھ کر کہا۔

"جو آپ سوچ رہی ہیں وہ غلط ہے"

"آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں کیا سوچ رہی تھی"

شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک عورت صرف عورت ہی کے متعلق سوچ سکتی ہے، اخبار میں مسٹر خلیل اور مس روشی کی تصویریں چھپی ہیں"

تہذیب اپنے دل کی بات جان لینے پر دھیرے سے مسکرائی، شکیل بولا۔

"میں مس روشی اور مسٹر خلیل سے واقف ہوں، میں یہاں مسٹر خلیل کی تلاش میں آیا تھا، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہمارا فائنل میں مقابلہ ان سے ہو گا"

تہذیب مسکرانے لگی اور پھر اس نے کہا۔

"معاف کرنا شکیل پہلے تو میں یہی سمجھی تھی کہ آپ مس روشی کی تصویر دیکھ کر فکر مند ہیں۔ لیکن آپ نے اس کی تردید کر کے میرے شبہات دور کر دیئے، مسٹر خلیل اور مس روشی کو آپ کیسے جانتے ہیں؟"

"مس تہذیب —— یہ ایک لمبی داستان ہے۔ مری میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں اور خلیل دوست بن گئے، ایک انجانی طاقت مجھے خلیل سے راہ و رسم بڑھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ لیکن مس روشی نے ہم دونوں کے درمیان غلط فہمی کی دیوار کھڑی کر دی، اور اسی غلط فہمی کے نتیجے میں خلیل نے میرے والدین کی بے عزتی کی تھی، میں کراچی خلیل کی تلاش میں آیا تھا تاکہ اس کی غلط فہمی دور کر کے انہیں اپنے والدین سے معافی مانگنے پر مجبور کر دوں، اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوا تو میں اُسے ایسا سبق دوں گا کہ پھر کوئی دولت مند دولت کے نشے میں کسی غریب کی بے عزتی نہ کر سکے کراچی میں مسٹر خلیل کو تلاش کرتا رہا، لیکن وہ تو مل نہ سکے آپ سے ملاقات ہو گئی، آپ کے خیالات نے مجھے ایک نیا حوصلہ دیا، ایک نیا ولولہ دیا اور میں نے خلیل سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا آج اخبار میں ان کی تصویر دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ خلیل سے بدلہ لوں یا انہیں معاف کر دوں۔

تہذیب نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"فائنل کے بعد مسٹر خلیل سے نبٹ لینا۔"

شکیل خاموش ہو گیا۔ تہذیب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

شریف اور راشدہ کراچی پہنچ کر پاگلوں کی طرح سڑک پر دوڑتی ہوئی کاروں کا جائزہ لے رہے تھے، ہر نوجوان کو شکیل سمجھ کر اس کا تعاقب کر رہے تھے، شریف بیساکھی کے سہارے چلتا ہوا تھک کر چور ہو گیا تھا، راشدہ بھی تھکن محسوس کر رہی تھی لیکن شکیل سے ملنے کے اشتیاق نے اُسے تھکن کا احساس نہ ہونے دیا۔

راشدہ اور شریف فٹ پاتھ پر بیٹھے تھے، شریف کا موڈ انتہائی خراب تھا، وہ بات بات پر راشدہ سے الجھ رہا تھا ـــ جس کی ضد نے اُسے سڑکوں کی خاک چھاننے پر مجبور کر دیا، راشدہ شریف کے غصے سے آگاہ تھی، لیکن اُس کا دل کہہ رہا تھا وہ وقت دور نہیں جب شریف کے چہرے پر غصے کی بجائے مسکراہٹوں، مسرتوں کا ہالہ ہو گا اور وہ راشدہ سے اپنے برے سلوک کی معافی مانگ لے گا۔

یکایک ایک شاندار کار ان کے سامنے آکر رکی اور اس میں سے خلیل اتر کر دکان کے اندر چلا گیا ـــــ راشدہ نے ایک ہی نظر میں خلیل کو پہچان لیا تھا۔ شریف بھی خلیل کو دیکھ چکا تھا، لیکن ابھی کسی فیصلے پر نہیں پہنچا

تھا کہ راشدہ خوشی سے چلائی۔

"سرتاج ابھی ابھی جو نوجوان کار سے اتر کر گیا ہے اُسے آپ نے پہچانا؟"
شریف نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو یہ وہی نوجوان خلیل ہے جس کی تلاش میں شکیل کراچی آیا تھا۔"

"بالکل وہی ـــــ اب مجھے یقین ہے کہ میرا شکیل مجھے مل جائے گا۔"
راشدہ نے خوش ہو کر کہا، اسی اثناء میں خلیل دکان سے سامان کا بنڈل اٹھائے باہر نکلا، راشدہ شریف سے بولی۔

"سرتاج تم شکیل کے دوست سے شکیل کا پتہ معلوم کرو۔"
شریف بیساکھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا خلیل کے قریب پہنچا، خلیل نے شریف کو معذور بھیک منگا سمجھ کر ایک روپے کا نوٹ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا، شریف کی آنکھوں میں آنسو آگئے شریف نے آگے بڑھ کر خلیل سے کہا۔

"آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔"
خلیل نے مڑ کر شریف کی طرف دیکھا اور حقارت آمیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"خوب ـــــ تو تم ہو، اس ذلیل انسان کے باپ جس نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ـــــ کیا وہ مر گیا ہے جو تمہیں سڑکوں پر بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ گیا ہے۔"

شریف نے التجا آمیز انداز میں کہا۔

"ایسا نہ کہو خلیل صاحب —— وہ تو زندہ ہے اور آپ کی تلاش میں کراچی آیا ہوا ہے۔"

خلیل نے حقارت سے شریف کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں —— جاؤ اور اُس کو تلاش کرو۔"

شریف نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"اتنے بڑے شہر میں میں کہاں تلاش کروں۔ وہ تو آپکے پاس آیا تھا، آپ کی غلط فہمی دور کرنے، آپ کو منانے، یقیناً آپ سے ملا ہوگا۔"

خلیل کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں۔"

خلیل کار میں بیٹھ گیا، شریف نے شکیل کا خط خلیل کو دیتے ہوئے کہا۔

"آپ شکیل کی طرف سے بدگمان ہیں۔ یہ خط پڑھ لیجئے، آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے گی اور پھر شاید آپ ہم غریبوں پر رحم کھا کر شکیل کی تلاش میں ہماری مدد کریں گے۔"

خلیل نے شریف کے ہاتھ سے خط لے کر خط کو کئی مرتبہ پڑھا اور پھر وہ تیزی سے کار سے اتر کر شریف سے لپٹتا ہوا بولا۔

"بابا مجھے معاف کر دو، میں نے غلط فہمی میں آپ لوگوں پر بڑی زیادتیاں کی ہیں، مجھے اپنا بچہ سمجھ کر معاف کر دو، ورنہ میرا ضمیر ہمیشہ مجھے ملامت کرتا رہے گا۔ کاش میں روشی کی باتوں میں نہ آتا۔"

شریف نے خلیل کو اپنی باہوں میں بھینچتے ہوئے ۔

"بیٹا صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے، تم بھی میرے شکیل کی طرح ہو۔"

خلیل شریف اور راشدہ کو کار میں بٹھائے گھر کی طرف چل دیا، گھر پہنچ کر شریف اور راشدہ کو اپنے بوڑھے چوکیدار رحمان بابا کے حوالے کرتا ہوا بولا ۔

"رحمان بابا انہیں اپنے کوارٹر میں لے جاؤ اور ہر طرح ان کا خیال رکھنا ——"

پھر شریف سے مخاطب ہو کر بولا ۔

"آج میرا ٹینس چیمپئن شپ کا فائنل میچ ہے، اس سے فارغ ہو کر کل میں آپ کے بیٹے اور اپنے بھائی شکیل کو تلاش کر دوں گا۔"

خلیل تیزی سے کوٹھی کی طرف بڑھا، رحمان بابا راشدہ اور شریف کو لئے اپنے کوارٹر میں پہنچا۔ شریف اور راشدہ خلیل کے اخلاق کی تعریف کر رہے تھے، آنے والے خوش آگیں لمحات کا تصور کر کے خوش ہو رہے تھے۔

کار کے ہارن کی آواز سن کر شریف اور راشدہ کوارٹر سے باہر نکل آئے خلیل کار میں ان کے قریب سے گزرتا ہوا انہیں دیکھ کر مسکرایا، کار کوٹھی سے نکل گئی، راشدہ اور شریف کوٹھی کے لان میں کھڑے تھے کہ یاسمین باہر جانے کے لئے تیار ہو کر کوٹھی کے اندر سے نکلی، لان میں راشدہ اور شریف کو کھڑا دیکھ کر اس کے ہوش و حواس جاتے رہے، راشدہ بھی حیران

نظروں سے یاسمین کو دیکھنے لگی اور پھر مسرت سے بولی۔

"یاسمین تم یہاں"

یاسمین راشدہ کے قریب آکر بولی۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے پہنچیں۔"

"یاسمین ہم شکیل کی تلاش میں کراچی آئے تھے۔ اتفاق سے شکیل کے دوست خلیل میاں مل گئے اور ہمیں یہاں لے آئے، بڑا ہی نیک لڑکا ہے۔"

یاسمین چونک کر بولی۔

"خلیل تمہیں یہاں لایا ہے"

رحمان بابا نے آگے بڑھ کر کہا۔

"جی بیگم صاحبہ —— خلیل میاں انہیں لے آئے تھے"

یاسمین راشدہ کو گھورتے ہوئے بولی۔

"جانتی ہو باجی خلیل کون ہے"

"خوب جانتی ہوں شکیل کا دوست، شکیل کا ہمدرد"

یاسمین غصے سے آگ بگولا ہو کر بولی۔

"اتنی معصوم نہ بنو باجی —— تم سب کچھ جانتی ہوئی بھی انجان بن رہی ہو خلیل شکیل کا دوست نہیں شکیل کا چھوٹا بھائی ہے تمہارا خون ہے"

راشدہ خوشی سے پاگل ہو کر چلائی۔

"سچ یاسمین، میرا خلیل اتنا بڑا ہو گیا، خدا ہم پر بڑا مہربان ہے ہم ایک بچے کی تلاش میں آئے تھے اور ہمیں دونوں مل گئے۔ یاسمین نفرت سے راشدہ

کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"مگر تمہاری یہ خوشی خلیل سے اس کی ساری خوشیاں چھین لیں گی" اس کا مستقبل تباہ کر دے گی، خلیل کو جب یہ معلوم ہوگا کہ وہ ایک غریب ماں اور اپاہج باپ کا بیٹا ہے تو وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا. باجی اس سے پہلے کہ خلیل پر اس بات کا انکشاف ہو تم یہاں سے چلی جاؤ، جتنے روپے پیسے کی ضرورت ہو مجھ سے لے لو، لیکن خدارا دوبارہ خلیل سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔"

یاسمین کی باتوں نے راشدہ کے زخم ہرے کر دیئے، راشدہ یہ ذلت برداشت نہ کر سکی. راشدہ نے غصہ میں آگے بڑھ کر یاسمین کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یاسمین —— اپنے الفاظ واپس لے لو، دوبارہ مجھے دولت کا رعب نہ دینا، ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی، میں نے تمہارا سہاگ اس لئے نہیں بچایا تھا کہ تم سے دولت بٹوروں، خدا نے تمہیں دولت تو دے دی، لیکن تمہارے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی. مجھے تم سے ایسے پست خیالات کی امید نہیں تھی. تم یہ سمجھتی ہو کہ میں یہاں دولت بٹورنے آئی ہوں، لعنت ہے تم پر اور تمہاری دولت پر. کاش تم ماں ہوتیں تو تمہیں پتہ چلتا کہ ممتا کیا چیز ہوتی ہے. ممتا کی تڑپ تم کیا جانو.

میں نے اپنے جگر کا ٹکڑا ہنستے ہوئے تمہاری گود میں ڈال دیا. مگر تم اتنی احسان فراموش ہو.

اتنی بے حس ہو کہ تمہیں میرے ایثار و قربانی کا مطلق احساس نہیں تمہاری نظر میں خون کے رشتے کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔
یاسمین میں چلی جاؤں گی۔ لیکن یاد رکھو تم بھی زندگی بھر تڑپتی رہو گی، اور تمہاری یہ دولت تمہارے کچھ بھی کام نہیں آئے گی۔ دنیا کی ہر چیز دولت سے نہیں خریدی جا سکتی۔"
شریف خاموش کھڑا دونوں بہنوں کی باتیں سن رہا تھا جب راشدہ پلٹی تو شریف اس کے قریب پہنچا اور راشدہ سے بولا۔
"راشدہ ایک مرتبہ میں نے تمہارے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا جس کے نتیجے میں یہ دن دیکھنے پڑے، اب تمہیں میرے فیصلے کے آگے سر جھکانا پڑے گا، آج میں خلیل کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا، آج میں دیکھوں گا کہ دولت میں کتنی طاقت ہے۔"
راشدہ شریف کی منت کرتی ہوئی بولی۔
"سرتاج خدا کے لئے ضد نہ کیجئے۔ آئیے ہم خلیل کے آنے سے پہلے یہاں سے چلے جائیں گے۔"
"راشدہ تم نے اپنی چھوٹی بہن کے لئے قربانی دی تھی۔ لیکن تمہاری بہن کو اس بات کا احساس تک نہیں، وہ تو تمہیں غریب جان کر دولت کے عوض تمہارے خون کا سودا کرنے پر تلی ہے۔"
راشدہ نے روتے ہوئے کہا۔
"سرتاج — دولت کا اور کیا مصرف ہے۔ یاسمین تو خون کا سودا کر رہی ہے

یہاں دولت کے عوض عصمتوں کے سودے ہوتے ہیں.

ایمان بک جاتے ہیں.

اس سے پہلے کہ سوئی ہوئی ممتا جاگ اُٹھے ہم خلیل کے آنے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں گے"۔

راشدہ تیزی سے کوارٹر کی طرف بڑھی اور اپنا چھوٹا سا اٹیچی کیس لئے باہر آئی رحمان بابا سے بولی۔

"بابا خلیل میاں آئے تو انہیں کہہ دینا کہ ہم چلے گئے ہیں"۔

راشدہ شریف کو لئے کوٹھی سے نکل گئی، راشدہ کے جانے پر یاسمین نے اطمینان کا سانس لیا، باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر کے کوٹھی کی طرف بڑھی، کوٹھی کے برآمدے میں تحسین کو کھڑا دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے چونکی اور پھر مسکراتی ہوئی تحسین کی طرف بڑھی، تحسین بولا۔

"یاسمین تم نے راشدہ باجی اور بھائی جان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، وہ تمہاری بڑی بہن ہی نہیں خلیل کی ماں بھی ہے"۔

یاسمین چلا کر بولی۔

"خلیل کی صرف ایک ماں ہے اور وہ میں ہوں"۔

"تم اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دے رہی ہو، خلیل کی صرف ایک ماں ہے اور وہ تم نہیں راشدہ باجی ہیں"۔

یاسمین پاگلوں کی طرح چلاتی ہوئی بولی۔

"تحسین خاموش ہو جاؤ، اگر دوبارہ خلیل کے ساتھ راشدہ اور شریف

کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا. کہاں میرا شہزادہ — اور کہاں وہ بھیک منگے، کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگ سکتا"

تحسین یاسمین کی بوکھلاہٹ دیکھ کر بولا.

" تم راشدہ باجی اور شریف بھائی کو غریب اور بھیک منگہ کہہ کہ دھتکار رہی ہو اور ان کے خون کو پینے سے لگا رہی ہو.

تمہارا یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا، مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے تمہارا اپنا خون گندہ ہے جو تم دوسروں کو اچھا نہیں سمجھتیں"

" تحسین —— زبان سنبھال کر بات کرو، میں اپنی تذلیل برداشت نہیں کر سکتی"

" تم راشدہ کو ذلیل کر سکتی ہو، شریف کو برا بھلا کہہ سکتی ہو دنیا بھر کی تذلیل کرنے کا حق رکھتی ہو لیکن اپنے گریباں میں منہ ڈال کر دیکھنا نہیں چاہتیں، مجھے اس بات کا دکھ ہو رہا ہے کہ میں نے تمہاری محبت میں بڑے غلط قدم اٹھائے ہیں، کاش میں ایسا نہ کرتا"

تحسین کار کی طرف بڑھا اور یاسمین غصہ سے پیر پٹکتی کوٹھی میں جا گھسی رحمان بابا حیران کھڑا خیالات کی گہرائیوں میں کھو گیا.

ٹینس کے قومی چمپیئن شپ کا فائنل دیکھنے کے لئے بے پناہ لوگ جمع تھے، سیٹھ رؤف بھی وعدے کے مطابق اپنے دوستوں کے ساتھ تماشائیوں میں موجود تھے، ٹینس کورٹ میں خلیل اور روشی پہلے ہی پہنچ چکے تھے، جونہی شکیل اور تہذیب کورٹ میں داخل ہوئے تماشائیوں نے تالیوں کی گونج میں دونوں کھلاڑیوں کا استقبال کیا، خلیل اور شکیل کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے، خلیل دوڑ کر شکیل سے لپٹ گیا، شکیل حیران تھا کہ یہ وہی خلیل ہے جس نے اُسے ذلیل کیا تھا، اس کے والدین کی بے عزتی کی تھی، خلیل کی یہ تبدیلی شکیل کی سمجھ میں نہ آسکی۔ شکیل کو حیران دیکھ کر خلیل بولا۔

"دوست تم حیران ہو نگے کہ خلیل کو کیا ہو گیا ہے، میچ ختم ہونے کے بعد میں تمہیں ایک اور خوش خبری سناؤں گا، ایسی خوش خبری جس کو سن کر یقیناً تم مجھے معاف کر دو گے، غلط فہمی میں میں نے جو کچھ کیا اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

روشی خلیل کو شکیل سے بغل گیر ہوتے اور باتیں کرتے دیکھ کر غصہ سے بولی:

"مسٹر خلیل کیا ہمارا فائنل مس تہذیب اور شکیل کے ساتھ ہے۔"

شکیل ہنس کر بولا۔

"کیا اب بھی آپ کو شک ہے؟"

روشنی شکیل کو جھڑکتے ہوئے بولی۔

"میں مسٹر خلیل سے مخاطب ہوں تم جیسے گھٹیا آدمی سے نہیں۔"

روشنی کا اندازِ گفتگو تہذیب کو ناگوار گزرا، تہذیب روشنی کو مخاطب کر کے بولی۔

"مس روشنی تمیز سے بات کرو، یہ ملک کے نامور کھلاڑی ہیں۔"

روشنی قہقہہ لگا کر بولی۔

"ملک کے نامور کھلاڑی کو میں اچھی طرح جانتی ہوں، میں تو ایسے کم ظرف ذلیل آدمی کے ساتھ بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔"

تہذیب چلا کر بولی۔

"اگر دوبارہ مسٹر شکیل کی شان میں گستاخی کی تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔"

خلیل تہذیب کو غصہ میں دیکھ کر بولا۔

"ارے آپ دونوں تو غصّہ کی بہت تیز معلوم ہوتی ہیں مس روشنی تمہیں شکیل کے متعلق غلط فہمی ہوئی تھی اور میں بھی شکیل کو قصور وار سمجھتا تھا، لیکن آج میری غلط فہمی دور ہو گئی، شکیل بے گناہ ہے دراصل قصور میرا تھا جو میں تمہاری باتوں میں آکر شکیل سے بدظن ہو گیا۔ شکیل اور ان کے والدین سے گستاخ کر بیٹھا۔ کھیل ختم ہونے کے بعد میں تمہیں صحیح صورتِ حال سے روشناس کراؤں گا۔"

کھیل شروع ہوا۔ تماشائی کھلاڑیوں کی مسلسل حوصلہ افزائی کر رہے

تھے ۔ ابتدا میں خلیل اور روشنی کھیل پر چھائے رہے، جمال انتہائی مسرت سے خلیل اور روشنی کو داد دے رہا تھا، لیکن آہستہ آہستہ شکیل اور تہذیب کی کھیل پر گرفت مضبوط ہوتی گئی، جمال پر اوس پڑ گئی اور وہ گم سم بیٹھا کھیل کا پانسہ پلٹتا دیکھتا رہا، ہیرو نے چلا کر کہا ۔

"مسٹر جمال آپ خاموش کیوں ہیں تالیاں بجانا کیوں بھول گئے"

جمال نے غصّہ سے ہیرو کی طرف دیکھا، سیٹھ رؤف اور ان کے دوست شکیل اور تہذیب کے کھیل سے بے حد متاثر نظر آ رہے تھے ۔

عبد اللہ بھائی نے سیٹھ رؤف سے سرگوشی میں کہا ۔

"سیٹھ صاحب میری طرف سے ایڈوانس مبارک باد قبول فرمایئے"

سیٹھ رؤف نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

"بھئی یہ کھیل ہے کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ تقدیر کس کے ساتھ ہے"

"میں نجومی تو نہیں لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تقدیر نے شکیل اور تہذیب کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا ہے"

تماشائیوں میں اکثریت شکیل اور تہذیب کا ساتھ دے رہی تھی خلیل اور روشنی بوکھلا گئے تھے وہ جتنا محتاط ہو کر کھیلنے کی کوشش کر رہے تھے، اسی قدر شکیل اور تہذیب کا کھیل جارحانہ ہوتا جا رہا تھا شکیل کے ہر سٹروک پر تالیاں بج رہی تھیں، ہر پوائنٹ پر نعرے بلند ہو رہے تھے، شکیل اور تہذیب مسلسل جیتتے رہے اور پھر تالیوں کی گونج میں شکیل اور تہذیب نے قومی چیمپئن شپ جیت لی ۔

ہیرو شکیل کو کندھے پر اٹھائے ناچنے لگا، لوگوں کا ہجوم شکیل اور تہذیب کو مبارک باد دینے کے لئے ان کے گرد جمع ہو گیا، شکیل اپنے مداحوں سے ہاتھ ملا رہا تھا، ان کی مسکراہٹوں کا جواب خندہ پیشانی سے دے رہا تھا

تہذیب ہجوم سے بچتی دوڑتی ہوئی سیٹھ رؤف سے آکر لپٹ گئی، سیٹھ رؤف نے انتہائی محبت سے اُسے سینے سے لگا لیا، سیٹھ رؤف تہذیب کی شاندار کامیابی پر نازاں تھے۔ عبداللہ بھائی اپنی پیش گوئی پر مسرور تھے۔

ناکامی کے غم نے روشی کو پاگل کر دیا تھا، قومی اعزاز کے ہارنے سے زیادہ شکیل کے ہاتھوں شکست نے اُسے بوکھلا دیا تھا، روشی غصّے سے اپنا ریکٹ پھینکتی ہوئی بولی۔

"خلیل ایک ذلیل آدمی کے ہاتھوں شکست کے تم ذمہ دار ہو، اگر تم اسے لفٹ نہ دیتے تو آج ہمیں ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا اور شکیل کبھی بھی بین الاقوامی شہرت کا مالک نہ بنتا۔"

خلیل نے ناکامی کے باوجود انتہائی سپورٹس مین سپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"روشی میں ہار کر بھی خوش ہوں، شکیل اور تہذیب اس اعزاز کے صحیح حق دار تھے، انہوں نے جس شاندار کھیل کا مظاہرہ کیا ایسا کھیل میں نے بہت کم دیکھا ہے۔ کھلاڑی وہی ہے جو خندہ پیشانی سے اپنی ہار تسلیم کرلے اور جو ایسا نہیں کرتا ناکامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

"قومی اعزاز چھن جانے کا مجھے بھی دکھ ہے، لیکن قومی اعزاز ہماری جاگیر نہیں تھی۔ کل ہمارے پاس تھا۔ آج تشکیل اور تہذیب کے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے کل اور کوئی نوجوان تشکیل سے یہ اعزاز چھین لے۔ اسی طرح کھلاڑیوں میں جذبہ مسابقت پیدا ہوتا ہے، ملک کو بہترین کھلاڑی نصیب ہوتے ہیں، جو اندرون ملک اور بیرون ملک وطن کا سر بلند کرتے ہیں۔"

روشنی غصّہ میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔ تقسیم انعامات کے بعد جب تشکیل اور تہذیب ٹرافی لئے سیٹھ رؤف کی طرف بڑھے تو سیٹھ رؤف نے تشکیل اور تہذیب کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔

"بھئی ہماری بیٹی نے جو کچھ کہا تھا وہ کر کے دکھایا، ہم آج تم دونوں سے خوش ہیں اور ہم سے زیادہ خوشی عبداللہ بھائی کو ہوئی ہے۔ تم دونوں کی اس عظیم کامیابی پر عبداللہ بھائی نے شاندار پارٹی کا اہتمام کیا ہے۔"

تشکیل نے سیٹھ رؤف سے درخواست کی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو اس خوشی میں مسٹر خلیل اور مس روشنی کو بھی مدعو کر لوں۔"

سیٹھ رؤف اور عبداللہ بھائی نے بیک زبان تشکیل کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور — ضرور۔"

خلیل اور روشنی نڈھال قدموں سے اپنی اپنی کاروں کی طرف بڑھ رہے تھے، تشکیل کو اپنی طرف آتا دیکھ کر خلیل کے قدم رُک گئے اور دور ہی سے اس نے باہیں پھیلا دیں، دونوں دوست تپاک سے ایک دوسرے

سے بغل گیر ہوئے، خلیل نے شکیل کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔

"دوست میری طرف سے اس شاندار کامیابی پر دلی مبارک باد قبول کرو، تمہاری کامیابی مجھے اپنی کامیابی محسوس ہو رہی ہے۔"

شکیل نے خلیل کے جذبات کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر خلیل یہ تو آپ کے کردار کی بلندی ہے، دراصل میری کامیابی میں تمہارا ہاتھ ہے۔ تم نے مجھے راہ دکھائی، میری حوصلہ افزائی کی۔ اگر تم نہ ملتے تو آج شکیل کو کون پوچھتا۔"

"نہیں شکیل، بھائی کی کامیابی بھائی کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے اور میں خوش ہوں کہ قومی اعزاز گھر کا گھر میں رہا۔"

شکیل بولا۔

"آج اس کامیابی پر سیٹھ رؤف کے دوست عبداللہ بھائی نے پارٹی کا اہتمام کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اور مس روشنی بھی اس میں شریک ہوں، آپ دونوں کے بغیر یہ پارٹی بے کیف رہے گی۔"

خلیل پلٹ کر روشنی کو دیکھنے لگا، روشنی جا چکی تھی۔ خلیل نے مسکرا کر کہا۔

"ناکامی کے احساس نے روشنی کا موڈ آف کر دیا ہے اور وہ تو جا چکی ہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا، تمہاری خوشیوں میں شریک ہونگا۔"

شکیل نے خلیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے علاوہ تمہیں مجھ سے ایک اور وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کیسا وعدہ؟"

"تمہیں میرے ساتھ مری چل کر امی اور بابا سے اپنی گستاخی کی معافی مانگنی ہو گی، تب میں سمجھوں گا کہ تم میرے دوست، میرے بھائی ہو، جب تک میں اپنا وعدہ پورا نہ کر لوں مجھے سکون نصیب نہ ہو گا۔

خلیل مسکرا کر بولا۔

"میں نے تمہارے والدین سے معافی مانگ لی ہے، اس بات کی تصدیق پارٹی سے واپسی پر کرا دوں گا"۔

شکیل کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اُسے اپنی ماں سے کیا ہوا عہد پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ کاروں کا قافلہ روانہ ہوا، ایک کار میں خلیل اور شکیل تھے۔ پیچھے کئی کاریں تھیں جن میں سیٹھ رؤف عبداللہ بھائی، تہذیب اور شکیل کے دوست بیٹھے تھے۔

جشنِ فتح منایا جا رہا تھا، شکیل اور تہذیب محفل کی جان بنے ہوئے تھے۔ لوگ تہذیب اور شکیل کو مبارک باد دے رہے تھے، ہر شخص مسرور تھا، رات گئے تک ہنگامہ جاری رہا، جب ہنگامہ تھم گیا تو تہذیب شکیل سے بولی ۔

" چلو شکیل گھر چلیں "

شکیل نے معذرت کرتے ہوئے کہا ۔

" میں مسٹر خلیل کے ساتھ جا رہا ہوں، وہاں سے لوٹ کر گھر آؤں گا "

ہیرو چہک کر بولا ۔

" ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے الگ الگ عیش کرنے نہیں دونگا "

خلیل ہنس کر بولا ۔

" تم بھی ہمارے ساتھ عیش کرنا "

خلیل، شکیل اور ہیرو کے ساتھ اپنی کار کی طرف بڑھا، تہذیب سیٹھ رؤف کے ساتھ اپنی کار میں جا بیٹھی، جونہی خلیل کی کار کوٹھی میں داخل ہوئی خلیل شکیل کا ہاتھ پکڑے گھسیٹتا ہوا رحمان بابا کے کوارٹر کی طرف لپکا، رحمان بابا کوارٹر کے باہر چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ خلیل کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا،

خلیل نے رحمان بابا سے پوچھا۔
"بابا میرے مہمان سو گئے ہیں یا جاگ رہے ہیں"
رحمان بابا چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔
"بیگم صاحبہ نے انہیں گھر سے نکال دیا"
خلیل چونک کر بولا۔
"وہ کیوں"
"یہ تو بیگم صاحبہ ہی بتا سکتی ہیں"
خلیل نے رحمان بابا کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔
"سچ سچ بتاؤ امی نے انہیں کیوں نکال دیا"
رحمان بابا نے اداس لہجے میں کہا۔
"اس لئے کہ آپ کا مستقبل تاریک نہ ہو جائے"
"کیا کہہ رہے ہو بابا —— میرے مستقبل سے ان غریبوں کا کیا تعلق ہے"
رحمان بابا گہری سانس لے کر بولا۔
"اس لئے کہ آپ نے ان غریبوں کے گھر جنم لیا ہے"
رحمان بابا نے ساری کہانی خلیل کو سنا دی، شکیل کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ خلیل تیزی سے کوٹھی کی طرف بڑھا، تحسین ڈرائنگ روم میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا خلیل کو انتہائی پریشان دیکھ کر تحسین پوچھ بیٹھا۔
"خلیل کیا بات ہے تم پریشان دکھائی دے رہے ہو"
خلیل نے تحسین کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ڈیڈی کیا یہ حقیقت ہے کہ میں آپ کا بیٹا نہیں"
تحسین چور نظروں سے یاسمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
"پگلا کہیں کا، یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"
یاسمین جو صوفے پر بیٹھی خاموشی سے نٹینگ کرنے میں مصروف تھی خلیل کے غیر متوقع سوال پر گھبرا گئی۔ خلیل روتے ہوئے بولا۔
"ڈیڈی آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔"
یاسمین پیار سے بولی۔
"کس پاگل نے تم سے یہ کہا ہے۔"
خلیل تڑپ کر بولا۔
"آپ نے جو راز آج تک مجھ سے چھپائے رکھا۔ وہ مجھے معلوم ہو چکا ہے، مجھے صاف صاف بتائیے کہ یہ راز مجھ سے کیوں چھپایا گیا۔ اس راز کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ شور سن کر سیٹھ اسمٰعیل بھی کمرے میں آگئے اور خلیل سے پوچھنے لگے۔
"کیسا راز بیٹے۔"
خلیل سیٹھ اسمٰعیل سے لپٹ کر روتا ہوا بولا۔
"دادا جان خدا کے لئے آپ ہی مجھے بتائیے کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔"
"تم تحسین کے بیٹے ہو اور کس کے ہو سکتے ہو۔"
خلیل بولا۔
"یہی راز ہے، ڈیڈی میرے باپ نہیں بلکہ میں اس غریب اور اپاہج

باپ کا بیٹا ہوں جس کو ممی نے دھکے مار کر کوٹھی سے نکال دیا۔"

"کیا کہہ رہے ہو خلیل ہوش میں تو ہو، کون اپاہج یہاں آیا تھا کس کو بیگم نے دھکے مار کر گھر سے نکال دیا۔"

خلیل بولا۔

"یہ آپ ممی سے پوچھ سکتے ہیں۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے سوالیہ نظروں سے یاسمین کی طرف دیکھا، یاسمین نے خلیل کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"خلیل تم ضرورت سے زیادہ گستاخ ہوتے جا رہے ہو۔ ناکامی نے تمہیں پاگل بنا دیا ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین کو ڈانٹ کر کہا۔

"تم چپ رہو بیگم، خلیل کو کہنے دو، ہم بھی جاننا چاہتے ہیں کہ وہ اپاہج شریف کون تھا، جس کا خلیل نے ابھی ذکر کیا ہے۔"

خلیل آنسو پونچھتا ہوا بولا۔

"دادا جان وہ غریب اپاہج شکیل کے والد تھے۔ جسے آج قدرت نے ایک عظیم کھلاڑی کا باپ بنا دیا ہے۔"

سیٹھ اسمٰعیل گرج کر بولے۔

"مگر اس کا تم سے کیا تعلق ہے۔"

"یہ تو ممی بہتر بتا سکتی ہیں۔"

یاسمین نے بات بگڑتی دیکھ کر کہا۔

"مجھے کچھ علم نہیں ——— یہ پاگل ہو گیا ہے"
سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین کو بوکھلایا ہوا دیکھ کر کہا۔
"بہو بیگم جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو، ضرور کوئی بات ہے جو تم ہم سے چھپا رہی ہو۔"
تحسین نظریں جھکائے آہستہ سے بولا۔
"ابا حضور جب یہ راز کھل چکا ہے تو میں حقیقت سے آپ کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں۔ یاسمین کو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے جب آپ نے مجھے دوسری شادی کرنے کا حکم دیا تھا تو یاسمین نے اپنی بڑی بہن راشدہ کے ننھے بچے خلیل کو گود لے لیا تھا اور آپ کو اطلاع دی تھی کہ یاسمین کے لڑکا ہوا ہے۔ خلیل دراصل یاسمین کا نہیں راشدہ باجی کا لڑکا ہے۔ مجھے آج تک یاسمین نے اسی دھوکے میں رکھا تھا کہ راشدہ باجی کے شوہر بہت بڑے صنعت کار ہیں اور عموماً پاکستان سے باہر رہتے ہیں"
خلیل یاسمین کی طرف حقارت سے دیکھتا ہوا بولا۔
"اگر میں نے آپ کو ممی نہ کہا ہوتا تو آج آپ کو بتاتا کہ دوسرے کے گھر کا نور چرا کر اپنے گھر میں اُجالا کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ میں نے انجانے میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ زیادتی کی۔ اپنے والدین کو ٹھوکریں ماریں۔ شاید قدرت آج مجھ سے اس کا انتقام لے رہی ہے ———"
خلیل روتا رہا اور سیٹھ اسمٰعیل غصّے سے کمرے میں ٹہلتے رہے پھر یکایک

گرجتے ہوئے تحسین اور یاسمین سے بولے۔

"تم دونوں میری نظروں سے دور ہو جاؤ، تم دونوں نے مل کر مجھے دھوکا دیا، میری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا"

خلیل تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ سیٹھ اسمٰعیل نے آواز دی۔

"خلیل کہاں جا رہے ہو"۔

خلیل جاتے ہوئے بولا۔

"اپنے غریب اور مظلوم والدین کو تلاش کرنے جنہیں آپ کی دولت مند بہو نے دھکے مار کر کوٹھی سے نکال دیا۔"

سیٹھ اسمٰعیل بولے۔

"ٹھہرو خلیل، ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں، اُن شریف انسانوں کو اکٹھے تلاش کریں گے"۔

سیٹھ اسمٰعیل بھی خلیل کے پیچھے لپکے، انکے پیچھے پیچھے تحسین بھی نکل آیا، کوٹھی کے برآمدے میں سیٹھ اسمٰعیل کی سرفراز سے مڈبھیڑ ہو گئی، سرفراز کو شراب کے نشے میں جھومتا ہوا دیکھ کر سیٹھ اسمٰعیل نے سرفراز کا گریباں پکڑ کر دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"نکل جاؤ یہاں سے کیا لینے آئے ہو"

سرفراز نشے میں جھومتا ہوا بولا۔

"میں تو اپنی قسط لینے آیا تھا، یاسمین سے اپنا قرضہ چکانے آیا تھا"

سیٹھ اسمٰعیل نے سرفراز کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"تم سب سازشی ہو، تم لوگوں نے مل کر مجھے لوٹا ہے"۔
سرفراز چونک کر بولا۔
"سیٹھ صاحب جرم تو یاسمین کی والدہ رانی نے کیا ہے، میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ آپ نے راشدہ کی بجائے یاسمین سے تحسین کا رشتہ طے کیا ہے، اس لئے میں خاموش تھا"۔
سیٹھ اسمٰعیل چونک کر بولے۔
"تو کیا یاسمین ہمارے دوست اشفاق احمد کی لڑکی نہیں ہے"۔
سرفراز نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"میں بھی حیران تھا کہ آپ راشدہ کی بجائے یاسمین سے تحسین میاں کی شادی کیوں کر رہے ہیں، منگنی تو راشدہ اور تحسین کی ہوئی تھی بعد میں مجھے پتہ چلا کہ باجی نے راشدہ کو راستے سے ہٹانے کے لئے اس کی شادی پہلے ہی ایک غریب آدمی سے کر دی تھی تاکہ یاسمین اور تحسین میاں کے راستے کا روڑہ نہ بن سکے"۔
سیٹھ اسمٰعیل حیران ہو کر بولے۔
"یاسمین اشفاق احمد کی لڑکی نہیں ہے تو پھر اس کا باپ کون تھا"۔
سرفراز رازدارانہ انداز میں بولا۔
"یاسمین باجی کے پہلے شوہر سے ہے"۔
سیٹھ اسمٰعیل چکرا کر گرنے لگے۔ تحسین نے انہیں سنبھالا دینے کی کوشش کی تو سیٹھ اسمٰعیل نے تحسین کو ڈانٹ دیا۔

"تم میری موت کے ذمہ دار ہو، تحسین تم نے مجھے دھوکا دیا، یاسمین کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازباز کرتے رہے"

تحسین گلوگیر آواز میں بولا۔

"اباجان مجھے معلوم نہیں تھا کہ یاسمین اتنی چالاک ہے، مجھے تو اس کے وجود سے نفرت ہو گئی ہے، بے چاری باجی راشدہ پر ان ماں بیٹی نے مل کر ظلم کے جو پہاڑ ڈھائے ہیں وہ ناقابلِ معافی جرم ہے، آپ کی نظروں میں مجرم میں بھی ہوں جو چاہے سزا دیجئے، مگر خدا کے لئے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیجئے، میں آپ سے، باجی راشدہ سے، تشکیل اور خلیل سے معافی مانگ لوں گا۔"

خلیل پر ایک نیا انکشاف ہوا تھا اور خلیل کے دل میں یاسمین کے لئے نفرت کا لاوا کھول رہا تھا۔ خلیل نے کوٹھی کے لان میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں، تشکیل کو نہ پاکر اُس کا دُکھ اور بھی بڑھ گیا۔ خلیل نے سیٹھ اسماعیل کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"جلدی چلیئے دادا جان، غریب کو اپنی عزت بڑی پیاری ہوتی ہے کہیں وہ جان نہ دے دیں۔"

سیٹھ اسماعیل خلیل کے ساتھ کار میں جا بیٹھے، یاسمین مجرموں کی طرح کھڑی تحسین کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھتی رہی، سرفراز چپکے سے کھسک گیا۔

بیساکھی کے سہارے چلتے چلتے شریف کا بُرا حال تھا۔ پیاس نے اُسے نڈھال کر دیا تھا، شریف سڑک پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"بیگم آخری وقت دو گھونٹ پانی پلا دو۔ تاکہ جان آسانی سے نکل سکے۔"

راشدہ شریف کو چھوڑ کر گھرائی ہوئی پانی لینے سڑک پار چلی گئی، راشدہ کو گئے ہوئے جب دیر ہو گئی اور شریف کی پیاس انتہا کو پہنچی تو شریف بھی راشدہ کی تلاش میں سڑک پار کرنے لگا، سڑک پار کرتے ہوئے خلیل کی کار سے ٹکرا کر سڑک پر گرا۔ بیساکھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی، خلیل تیزی سے کار سے اترا اور بابا کہتا ہوا شریف سے لپٹ گیا، سیٹھ اسمٰعیل اور خلیل بے ہوش شریف کو کار میں ڈال کر کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے، راشدہ پانی لے کر لوٹی تو سڑک پر شریف کی ٹوٹی ہوئی بیساکھی دیکھ کر چیخ مار کر سڑک پر گر پڑی، راہ گیر راشدہ کے گرد جمع ہو گئے اور اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

شکیل اور رہبر راشدہ اور شریف کی تلاش میں دیوانوں کی طرح سڑک پر دوڑتے جا رہے تھے، لوگوں کا مجمع دیکھ کر شکیل تیزی سے اِدھر لپکا، راشدہ کو سڑک پر گرا دیکھ کر چیخ اٹھا۔

"امی میں آ گیا ہوں۔"

شکیل ہیرو کی مدد سے راشدہ کو ٹیکسی میں لٹا کر بولا۔

"ہیرو تم امی کو کوٹھی لے چلو، میں بابا کو تلاش کرتا ہوں۔"

ٹیکسی چل پڑی، شکیل پاگلوں کی طرح سڑکوں پر دوڑتا رہا۔

لوگ شکیل پر ہنس رہے تھے۔

قہقہے لگا رہے تھے۔

لیکن شکیل کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی۔

اس کی رفتار لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

جب شکیل نڈھال قدموں سے گھر لوٹا تو راشدہ نے اسے دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا۔

"شکیل تم اکیلے ہی آئے ہو، اپنے بابا کو کہاں چھوڑ آئے۔"

شکیل خاموش تھا، راشدہ رونے لگی، سیٹھ رؤف نے راشدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بہن حوصلہ رکھو، خدا سب ٹھیک کر دے گا۔"

راشدہ شریف کے نہ ملنے کی خبر سن کر بے ہوش ہو گئی، ڈاکٹر راشدہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

دیر سے ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی کسی نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

سب راشدہ کی سسکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

سب کی آنکھیں نمناک تھیں۔

راشدہ کے دوبارہ بے ہوش ہو جانے سے وقتی طور پر کمرے میں موت کا سا سناٹا چھا گیا، اور اس سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز اور نمایاں ہو گئی۔ سیٹھ رؤف نے تہذیب سے کہا۔

"بیٹی دیکھنا اتنی رات گئے کون فون کر رہا ہے۔"

تہذیب دوڑی ہوئی ٹیلی فون کی طرف گئی اور ٹیلی فون سن کر چلائی۔

"ڈیڈی شکیل کے بابا مسٹر خلیل کی کوٹھی پر ہیں۔"

شکیل دوڑا ہوا فون پر گیا، فون پر خلیل روتے ہوئے بولا۔

"بھیا بابا تو مجھ بدنصیب کے گھر ہیں۔ لیکن امی جان کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میں نے شہر کا کونا کونا چھان مارا ہے۔"

شکیل کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو بہنے لگے۔ شکیل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خلیل قدرت کی عجیب کرم نوازی ہے، بابا تمہیں مل گئے اور امی جان کو میں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

خلیل خوشی سے چیختا ہوا بولا۔

"بابا امی جان شکیل بھائی کے پاس ہیں اب آپ آرام کریں۔"

پھر شکیل سے مخاطب ہو کر بولا۔

"بھیا آپ کا گناہگار بھائی اپنی عظیم ماں کی قدم بوسی کے لئے آ رہا ہے"

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا، ڈاکٹر کی کوشش کامیاب رہی۔ راشدہ

نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور سب کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھ کر نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"شکیل پتہ چلا تمہارے بابا کا۔"

شکیل راشدہ سے لپٹتے ہوئے بولا۔

"امی بابا مل گئے ہیں۔"

راشدہ بستر سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"کہاں ہیں میرے سرتاج۔"

اسی اثنا میں خلیل کمرے میں داخل ہوا اور راشدہ کے قدموں کو تھام کر بولا۔

"امی بابا مجھ گناہگار کے گھر ہیں۔"

راشدہ تڑپ کر بولی۔

"شکیل خدا کے لئے اپنے بابا کو وہاں سے لے آؤ، یاسمین انہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

خلیل راشدہ کے قدموں میں سے اٹھتا ہوا بولا۔

"امی خلیل کی زندگی میں یاسمین ایسا نہ کرسکیں گی۔"

راشدہ روتی ہوئی بولی۔

"بیٹا تم یاسمین کو نہیں جانتے —— وہ عورت نہیں ڈائن ہے۔"

خلیل آنسو پونچھ کر بولا۔

امی انہیں اپنے گناہوں کی سزا مل گئی، دادا جان نے انہیں اور ڈیڈی

کو صبح ہوتے ہی گھر چھوڑنے کا حکم دے دیا ہے"۔
راشدہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"خلیل بیٹا یہ تو بہت ظلم ہوگا، جاؤ اور جا کر اپنی ممی اور ڈیڈی کو زمانے کی ٹھوکریں کھانے سے بچالو۔ تم نہیں جانتے جس کا زمانے میں کوئی نہیں ہوتا ٹھوکریں اس کا مقدر بن جاتی ہیں"۔

خلیل بولا۔

"امی میرا اب ان سے کوئی رشتہ نہیں"۔

"نہیں بیٹے جذبات میں بہہ کر اپنا مستقبل تباہ نہ کرو۔ ہم غریب والدین تمہارے لئے مصیبت بن جائیں گے۔

خلیل چلا کر بولا۔

"امی ماں باپ غریب ہوں یا امیر ماں باپ ہی ہوتے ہیں"۔
راشدہ نے شکیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شکیل تم ہی خلیل کو سمجھاؤ، یاسمین لاکھ بری سہی اس نے خلیل کو پال پوس کر جوان کیا ہے مجھ سے زیادہ خلیل پر یاسمین کا حق ہے وہ میری بہن ہے —— بہن بہن کا گھر اجڑتے نہیں دیکھ سکتی خلیل تمہارے دادا جان کو اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا۔

سیٹھ رؤف نے راشدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بہن اطمینان رکھو خدا سب ٹھیک کر دے گا صبح ہم سب اکٹھے سیٹھ صاحب کے پاس چلیں گے مجھے یقین ہے وہ اپنا فیصلہ بدل

دیں گے۔"

راشدہ نے احسان مند نظروں سے سیٹھ رؤف کو دیکھا اور سکون سے سو گئی۔

سیٹھ رؤف اور راشدہ کے مسلسل اصرار پر سیٹھ اسمٰعیل نے یاسمین اور تحسین کو معاف کر دیا، یاسمین دوڑ کر راشدہ کے قدموں میں جُھکی اور دیر تک اُس کے قدموں سے لپٹی روتی رہی، اپنی غلطیوں کی معافی مانگتی رہی، راشدہ نے یاسمین کو سینے سے لگا لیا، سیٹھ اسمٰعیل راشدہ کے کردار سے اتنے متاثر ہوئے کہ راشدہ کو اپنی بیٹی بنا کر اپنے ہی پاس رکھنے کا اعلان کر دیا، شکیل، خلیل اور تہذیب کے چہرے خوشی سے دمک اُٹھے، سیٹھ رؤف نے راشدہ اور یاسمین کی گتھیاں سلجھانے کے بعد سیٹھ اسمٰعیل سے کہا۔

"اسمٰعیل بھائی اب تو آپ ماشاءاللہ دادا بھی ہیں اور نانا بھی، میری بھی ایک مشکل حل کر دیجیے"

سیٹھ اسمٰعیل مسکرا کر بولے۔

"بندہ حاضر ہے"

سیٹھ رؤف نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"خوشی کے لمحات کو دائمی بنانے کے لئے میں تہذیب اور شکیل کو شادی کے بندھنوں میں جکڑ دینا چاہتا ہوں"

سیٹھ اسمٰعیل نے مسکرا کر کہا۔
"پہلے ہم اپنی بیٹی سے مشورہ کرلیں"۔
راشدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
"باپ کا ہر فیصلہ بیٹی کے لئے قابل قبول ہوگا"۔
سیٹھ اسمٰعیل نے شکیل اور تہذیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"رؤف بھائی مبارک ہو، راشدہ بیٹی نے تہذیب کو اپنی بہو بنانا منظور کرلیا ہے، آپ شادی کی تیاریاں کیجئے، ہم بھی نواسے اور پوتے کی شادی کی تیاریاں کرتے ہیں۔"

اور پھر چند دنوں بعد شکیل کی تہذیب سے اور خلیل کی روشی سے شادی ہوگئی۔ سیٹھ اسمٰعیل بے حد خوش تھے، دو دلہنیں اُن کے گھر کی رونق بڑھا رہی تھیں، راشدہ اور شریف بھی قدرت کی کرم نوازی پر سجدۂ شکر بجالا رہے تھے۔

عبداللہ بھائی نے شکیل اور خلیل کی شادی پر شاندار دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا، مہمانوں میں شریف کے پرانے دوست چودھری فرزند علی بھی تھے۔ شریف کو دیکھتے ہی وہ آگے بڑھے اور شریف سے بغل گیر ہو کر اُسے مبارکباد دیتے ہوئے بولے۔

"شریف بھائی خُدا کا شکر ہے کہ آپ مل گئے، ایک عرصہ سے آپ کی امانت بیگم نے سنبھال رکھی ہے۔"
شریف حیران کھڑا تھا۔ چودھری نے اپنی بیگم کو آواز دے کر کہا۔
"بیگم شریف بھائی کو ان کی امانت لوٹا دو۔"

چودھری کی بیگم نے گلے سے جڑاؤ ہار اتار کر راشدہ کو دیتے ہوئے کہا۔
"بہن میں نے تو شریف بھائی کو نقلی ہار دیا تھا۔ لیکن شریف بھائی مجھے اصلی جڑاؤ ہار دے گئے تھے، آج میں آپ کی امانت آپ کے حوالے کرتی ہوئی مسرت محسوس کر رہی ہوں"۔

شریف کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، راشدہ انتہائی حیرت سے بولی۔
"وہ ہار نقلی تھا"
"بالکل نقلی تھا بہن۔"
راشدہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"بہن آپ نہیں جانتیں، آپ کا ہار گم ہو جانے سے ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی، ہم نے اپنا سب کچھ بیچ کر یہ ہار خریدا تھا۔"
چودھری کی بیگم بولیں۔
"جب شریف بھائی ہار واپس کر گئے تھے ایک عرصہ تک تو میں نے بھی ہار کی طرف توجہ نہیں دی، گھر کا ملازم ہار چرا کر بیچتا ہوا پکڑا گیا تو تب پتہ چلا کہ وہ اصلی ہار تھا، چودھری صاحب نے شریف بھائی کو بڑا تلاش کیا لیکن شریف بھائی کا کہیں پتہ نہ چلا آج اتفاق سے ملاقات ہو گئی"۔
راشدہ خوش ہو کر بولی۔
"قدرت جب مہربان ہوتی ہے تو بگڑے کام بھی سنور جاتے ہیں"۔
راشدہ نے ہار تہذیب کے گلے میں ڈال کر کہا۔
"قدرت نے یہ ہار شاید تہذیب بیٹی کے لئے محفوظ رکھا تھا"۔

شکیل اور خلیل کی شادی ہوئے کئی دن ہو چلے تھے، گھر کا ہر فرد خوش تھا البتہ ہیرو کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ وہ ہر وقت سوچ وفکر میں ڈوبا دکھائی دیتا تھا۔

ایک دن سب کھانے کی میز پر جمع تھے ہیرو غائب تھا۔ شکیل نے خلیل سے پوچھا۔

"ہیرو کہاں ہے۔"

ہیرو کپڑوں کی گٹھری اٹھائے کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

"ہیرو مر چکا ہے —— سلیمان حاضر ہے۔"

شکیل تعجب سے ہیرو کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"تم سلیمان کب سے بن گئے۔"

ہیرو سنجیدگی سے بولا۔

"جب میں تصورات کی دنیا سے باہر نکل آیا تو مجھے احساس ہوا کہ آج تک میں خیالی دنیا میں بسا رہا، ہیرو بننے کے چکر میں اپنے بوڑھے والدین اپنے فرض کو بھلا دیا تھا۔ آپ لوگوں کو منزل پر پہنچا دیکھ کر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ جس کے سامنے کوئی منزل نہیں ہوتی۔ جس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا وہ میری طرح راستے کا ردّہ بن جاتا ہے۔ مجھے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں ایک ہی جست میں خیالی دنیا سے باہر نکل آیا۔ شکیل بھائی خیالی دنیا سے باہر آکر میں نے عجیب دنیا دیکھی۔ حقیقت کی دنیا بڑی سہانی نظر آئی۔ میرا فرض مجھے پکار رہا ہے، میرے والدین میری واپسی کے منتظر تھے۔ قوم کے

ایک فرد کی حیثیت سے میری ذمہ داریاں مجھے اپنی طرف بلا رہی تھیں. یہی وجہ ہے کہ آج میں ہیرو کو کراچی میں دفن کر کے سلیمان کے روپ میں گاؤں جا رہا ہوں. آپ سب دعا کیجئے کہ میں سلیمان بن کر وطن کے کام آسکوں، والدین کی خدمت کر سکوں"۔

ہیرو اپنی گٹھری اٹھائے خاموشی سے جانے لگا تو سیٹھ اسمٰعیل نے ہیرو کو پانچ ہزار روپے دیتے ہوئے کہا .

"یہ زادِ راہ رکھ لو، شاید تمہارے کام آسکیں"۔

ہیرو کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے اس نے سیٹھ اسمٰعیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ۔

"سیٹھ صاحب مجھے روپے کی نہیں آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے تاکہ میرے قدم منزل پر پہنچنے سے پہلے ڈگمگا نہ جائیں"۔

ہیرو تیزی سے کمرے سے نکل گیا، سبھی ہیرو کے یکایک چلے جانے سے افسردہ دکھائی دے رہے تھے. خصوصیت سے شکیل اور تہذیب بے حد اداس تھے، شکیل کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں. تہذیب کی پلکوں پر آنسو مچل رہے تھے. تہذیب آہستہ سے بولی .

"خدا کرے ملک کا ہر فرد خیالی دنیا سے نکل آئے اور اپنے فرض کو پہچان لے تو پھر ہمارے ملک کی قسمت ہی بدل جائے گی"۔

راہ گذر تکتے رہے

اور

گیلے پتھر

سیماں

کے

دو عظیم

ناول